فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورہ نحل: ۴۳)

روضۃ الفتاویٰ

(جلد چہارم)

از افادات

استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ، وقارِ گجرات محقق زماں

حضرت مفتی اسماعیل واڈی والا صاحبؒ

سابق صدر مفتی و شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ، راندیر، سورت

مترجم

حضرت مولانا محمد حسن بن ابراہیم صاحب ہتپوالی

استاذ حدیث وفقہ، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار

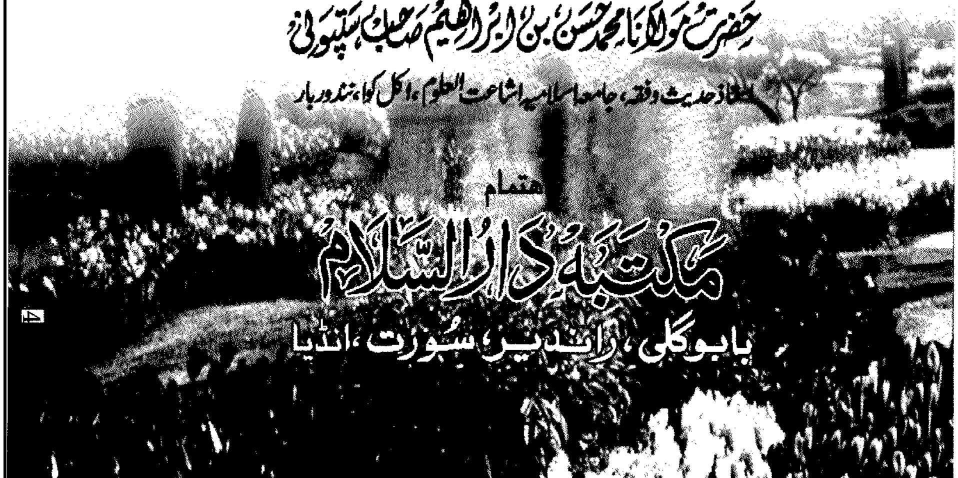

باہتمام

مکتبہ دار السلام

بابوگلی، راندیر، سورت، انڈیا

باسمہ تعالیٰ

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (سورة النحل:٤٣)

رَوْضَةُ الْفَتَاوىٰ (جلد چہارم)

از: افادات

استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ، وقارِ گجرات، محققِ زماں

حضرت مفتی اسماعیلؔ واڈی والا صاحبؒ

سابق صدر مفتی و شیخ الحدیث جامعہ حُسینیہ راندیر سورت

مترجم

حضرت مولانا محمد حسن بن ابراہیم صاحب ستپونیؔ

استاذ حدیث وفقہ

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندربار

...... باہتمام ......

’’مکتبہ دارالسلام‘‘ بابوگلی، راندیر-سورت-انڈیا

Mo 09879767073

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

کتاب کا نام	**روضة الفتاویٰ جلد چھارم**
ازافادات	استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ، وقارِ گجرات، محققِ زماں حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحبؒ واڈی والا
سن اشاعت	رجب المرجب ۱۴۳۵/ھ، مطابق: مئی ۲۰۱۴/ء
مترجم	حضرت مولانا محمد حسن بن ابراہیم صاحب ستپونی
کمپوزنگ	مفتی شمشیر احمد بستوی
باہتمام	حافظ محمد شعیب قاری مفتی محمد اسلم محمود شبیر ابناء حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحبؒ واڈی والا

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار السلام بابو گلی، راندیر، سورت-۳۹۵۰۰۵ Mobile : 09879767073	مولانا مفتی قاری محمد اسلم واڈی والا صاحب 6,BARNABY. ST. BOLTON BL.3 - 5LU - U.K
عطرستان بھاگا تلاؤ مین روڈ، سورت، گجرات قاضی بکس، رانی تلاؤ سورت، گجرات مکتبۂ رحمانیہ، دار العلوم کنتھاریہ	مولانا محمد حسن بن ابراہیم صاحب ستپونی جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر (الہند) مکتبہ سعیدیہ ترکیسر، سورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست روضۃ الفتاویٰ جلد چہارم

رقم المسائل	الموضوعات	الصفحة
	عرض ناشر	۲۸
	کتا ب الصوم **روزے کی فضیلت اور فرضیت کا بیان**	
۱۲۰۸	رمضان کے روزے کی فرضیت	۳۰
۱۲۰۹	روزے کب فرض ہوئے؟	۳۰
۱۲۱۰	روزے کا فلسفہ اور اس کی فضیلت	۳۱
۱۲۱۱	رمضان کے روزے کی حقیقت	۳۲
۱۲۱۲	رمضان کو رمضان کیوں کہا جاتا ہے؟	۳۴
۱۲۱۳	رمضان کے روزے کس پر فرض ہیں؟ کن اعذار کی بنا پر روزہ نہ رکھنا جائز ہے؟	۳۵
۱۲۱۴	روزے کی نیت کس طرح کی جائے؟	۳۵
۱۲۱۵	رمضان کے روزے کی نیت	۳۶
۱۲۱۶	فرض روزے کی نیت	۳۶
۱۲۱۷	روزے کی نیت کا طریقہ	۳۷
۱۲۱۸	حائضہ عورت کا روزہ	۳۷
۱۲۱۹	دبئی سے بمبئی آنے پر روزے کا حکم	۳۸
۱۲۲۰	ابر کی بنا پر چاند نہ دکھائی دے	۳۹
	چاند دیکھنے کا بیان	
۱۲۲۱	چاند دیکھنے کے متعلق شریعت کا حکم	۴۱

۱۲۲۲	رؤیت ہلال کے متعلق کچھ سوالات	۴۳
۱۲۲۳	عید کے چاند کے لئے ٹیلی گرام، ٹیلی فون اور ریڈیو کی خبر	۴۶
۱۲۲۴	چاند کے ثبوت کے لئے ریڈیو ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار	۴۷
۱۲۲۵	ٹیلی فون کی خبر سے چاند کا ثبوت، روزہ رکھ کر عید کی نماز پڑھانا	۴۷
۱۲۲۶	ریڈیو کے ذریعہ چاند کی خبر	۴۸
۱۲۲۷	ٹیلی فون یا خط کے ذریعہ چاند کی خبر	۴۹
۱۲۲۸	رمضان کے چاند کے لئے ٹیلی فون یا ریڈیو کی خبر	۵۰
۱۲۲۹	دوسری جگہ سے چاند کی خبر آئی	۵۱
۱۲۳۰	''فیجی'' سے ''نیوزی لینڈ'' چاند کی خبر دینا اور اس پر عمل کرنا	۵۲
۱۲۳۱	ایک ملک کی رؤیت کا دوسرے ملک میں اعتبار ہوگا؟	۵۳
۱۲۳۲	ایک ملک کی رؤیت سے دوسرے ملک میں چاند کا فیصلہ	۵۵
۱۲۳۳	ماہر فلکیات کی گنتی کے مطابق چاند کی تاریخ متعین کرنا	۵۷
۱۲۳۴	چاند کے متعلق ماہر فلکیات کی گنتی کو ترجیح دینا	۶۰
۱۲۳۶	چاند کی رؤیت کو اوبزرو بیٹری (Observatory) پر پرکھنا	۶۳
۱۲۳۷	چاند کمیٹی کے اراکین کیسے ہونے چاہیے؟	۶۴
۱۲۳۸	تیسویں کو چاند نہ دکھائی دے؟	۶۵
۱۲۳۹	اختلاف سے بچنے کے لیے دسویں کے بجائے گیارہویں کو عید کرنا؟	۶۷
	مفسداتِ صوم	
۱۲۴۰	وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم ہوتی ہے	۷۳

۱۲۴۱	روزہ کی حالت میں کان، آنکھ میں پانی کا چلا جانا	۷۳
۱۲۴۲	کیا آنکھ یا کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟	۷۴
۱۲۴۳	روزہ کی حالت میں ناک میں دوا یا پانی کے قطرے ڈالنا	۷۴
۱۲۴۴	روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنا یا سرمہ لگانا	۷۴
۱۲۴۵	روزہ کی حالت میں آنکھوں میں دوا ڈالنا اور انجکشن لینا	۷۵
۱۲۴۶	روزہ کی حالت میں مسواک یا منجن استعمال کرنا	۷۵
۱۲۴۷	روزہ میں منجن یا کولگیٹ کرنا	۷۵
۱۲۴۸	روزہ کی حالت میں انجکشن لینا	۷۶
۱۲۴۹	رگ میں انجکشن لینا	۷۶
۱۲۵۰	روزہ کی حالت میں دھواں لینا، ''ایٹلوس'' دوا کا سونگھنا	۷۶
۱۲۵۱	روزے کی حالت میں دمہ کے مریض کا پمپ استعمال کرنا	۷۷
۱۲۵۲	روزے کی حالت میں عطر یا پھول سونگھنا اور دھواں لینا	۷۷
۱۲۵۳	کیا روزے کی حالت میں قے ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا؟	۷۸
۱۲۵۴	روزے کی حالت میں عمداً قے کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا	۷۸
۱۲۵۵	روزے کی حالت میں دانت نکلوانے سے روزہ فاسد ہوگا	۷۹
۱۲۵۶	روزے کی حالت میں دانت یا داڑھ نکلوانا اور منہ میں دوا لگانا	۸۰
۱۲۵۷	روزے کی حالت میں ٹھنڈک کے لیے بھیگا ہوا کپڑا سر پر رکھنا	۸۰
	روزوں کی قضاء، کفارہ اور فدیہ کا بیان	
۱۲۵۸	بیماری یا حیض کی بنا پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا	۸۱

۱۲۵۹	ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھ لیا بعد میں شرعی گواہی سے چاند ثابت ہوا	۸۱
۱۲۶۰	ٹیلی فون کی خبر پر روزہ رکھا پھر توڑ دیا کیا اس کی قضا و کفارہ لازم ہے؟	۸۲
۱۲۶۱	روزہ رکھنے کی قوت نہ ہو تو فدیہ دیا جائے	۸۳
۱۲۶۲	جو روزے چھوٹ گئے اس کا کتنا کفارہ دیا جائے؟	۸۴
۱۲۶۳	مرض کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکے تو کتنا فدیہ دے؟	۸۴
۱۲۶۴	بیماری کی بنا پر روزے کے بدلے فدیہ دینا	۸۵
۱۲۶۵	روزے کے بدلے فدیہ	۸۶
۱۲۶۶	نذر کے روزے کے بدلے فدیہ دینا	۸۶
۱۲۶۷	نذر کے واجب روزے کے بدلے فدیہ یا فقیر کو کھانا کھلانا	۸۷
۱۲۶۸	فدیہ کے پیسے طالب علم کو دینا	۸۸
۱۲۶۹	فدیہ دینے کے دن گیہوں کی قیمت کا اعتبار کیا جائے	۸۸
نفل روزوں کا بیان		
۱۲۷۰	شوال کے چھ روزوں کی فضیلت	۹۰
۱۲۷۱	رجب، شعبان اور رمضان کے پے در پے روزے رکھنا	۹۰
۱۲۷۲	یوم الشک کا روزہ	۹۱
سحر اور افطار کا بیان		
۱۲۷۳	سحری کا وقت کب تک رہتا ہے؟	۹۳
۱۲۷۴	فجر کی اذان تک سحری کھانا	۹۴
۱۲۷۵	دو تقویم میں فرق ہو تو ختم سحری کا مدار کس پر رکھا جائے؟	۹۵

۱۲۷٦	ختم سحری کی اطلاع کے لیے اذان دینا	۹٦
۱۲۷۷	افطاری سے قبل اجتماعی دعا کرنا	۹٦
۱۲۷۸	غروب کے بعد کتنی تاخیر سے افطار کرنے سے روزہ مکروہ ہوتا ہے	۹۷
۱۲۷۹	روزہ افطار کی دعا	۹۸
۱۲۸۰	افطار کی دعا افطار کے بعد پڑھنا	۹۸
	روزہ کے متفرق مسائل	
۱۲۸۱	کیا حائضہ عورت رمضان میں کھا پی سکتی ہے؟	۱۰۰
۱۲۸۲	عید، رمضان کا انعام ہے	۱۰۰
۱۲۸۳	رمضان کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا	۱۰۲
۱۲۸۴	پورے سال کے روزے رکھنے کی منت مانی اور اب طاقت نہیں	۱۰۲
	اعتکاف کا بیان	
۱۲۸۵	اعتکاف کی فضیلت	۱۰۳
۱۲۸٦	اعتکاف کی حقیقت	۱۰۳
۱۲۸۷	اعتکاف میں کیا کرنا چاہیے؟	۱۰۴
۱۲۸۸	مسائل اعتکاف	۱۰۵
۱۲۸۹	اعتکاف میں بیماری کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکا تو اعتکاف کا کیا حکم ہے؟	۱۰۹
۱۲۹۰	مدرسے میں اعتکاف	۱۱۰
۱۲۹۱	نمازِ جنازہ اور تیمارداری کے لیے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا	۱۱۱
۱۲۹۲	معتکف کا جماعت خانہ کے باہر کا زینہ استعمال کرنا	۱۱۱

۱۲۹۳	معتکف مسجد کے غسل خانے میں غسل کے لیے جاسکتا ہے	۱۱۲
۱۲۹۴	اعتکاف کی حالت میں اخبار پڑھنا	۱۱۲
۱۲۹۵	اعتکاف کی حالت میں کورٹ میں جانا جائز ہے؟ اعتکاف کی حالت میں کھانا لینے کے لیے گھر جانا؟ حجام کو مسجد میں بلا کر بال کٹوانا؟	۱۱۳
۱۲۹۶	معتکف کا غسل کے لیے گھر جانا	۱۱۴
۱۲۹۷	اعتکاف کی حالت میں بیڑی سگریٹ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا؟ سنت اعتکاف فاسد ہو جائے تو اس کی قضاء کس طرح کی جائے؟	۱۱۵
۱۲۹۸	معتکف جمعہ کے غسل کے لیے نکلے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا؟	۱۱۶
۱۲۹۹	اعتکاف میں پردہ کرنا اور مسجد میں غیر معتکف کا کھانا	۱۱۷
۱۳۰۰	صرف رات کے اعتکاف کی نذر ماننا صحیح نہیں	۱۱۸
۱۳۰۱	رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف	۱۱۹
۱۳۰۲	اعتکاف ختم ہونے پر اجتماعی دعا	۱۱۹
۱۳۰۳	معتکف کو مسجد کا ادب واحترام کرنا چاہیے	۱۲۰
۱۳۰۴	اعتکاف میں کھانا پینا	۱۲۱
۱۳۰۵	غیر معتکف کا مسجد میں کھانا	۱۲۲

کتاب الحج

حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان

۱۳۰۶	حج کی فضیلت اور آداب	۱۲۳
۱۳۰۷	حج مبرور کسے کہتے ہیں؟	۱۲۵

۱۳۰۸	حج کا معنیٰ اور فضیلت	۱۲۷
۱۳۰۹	حج سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں	۱۲۹
۱۳۱۰	حج کے پانچ دنوں کے افعال کی تفصیل	۱۳۰
۱۳۱۱	حج کا طریقہ	۱۳۳
۱۳۱۲	کیا حج سے پہلے کی نمازیں معاف ہوجائیں گی؟	۱۳۶
۱۳۱۳	کیا جمعہ کی حج، ''حج اکبر'' کہی جائے گی؟	۱۳۷
۱۳۱۴	حرام مال سے حج کرنا کیسا ہے؟ حج مبرور کسے کہتے ہیں؟	۱۳۷
	حج کی فرضیت ، شرائط اور ارکان	
۱۳۱۵	حج کا نصاب	۱۳۹
۱۳۱۶	حج کس پر فرض ہے؟ حج فرض نہ ہو اور اس نے حج کیا تو کیا دوبارہ ضروری ہے؟	۱۳۹
۱۳۱۷	جس کے پاس ضرورت سے زائد زمین ہو تو کیا اس پر حج فرض ہے؟	۱۴۰
۱۳۱۸	پہلی شوال کو جو شخص مکہ مکرمہ میں ہو، کیا اس پر حج فرض ہوجاتا ہے؟	۱۴۱
۱۳۱۹	مالدار ہونے پر دوبارہ حج فرض ہوگا؟	۱۴۱
۱۳۲۰	جس کے پاس کاشتکاری کی زمین ہو کیا اس پر حج فرض ہے؟	۱۴۲
۱۳۲۱	دوکان میں مال ہے اور قرض بھی ہے، تو کیا حج فرض ہے؟	۱۴۲
۱۳۲۲	تجارت میں لگائے ہوئے پیسوں کے ذریعہ حج کی ادائیگی	۱۴۴
۱۳۲۳	''جوا'' سے حاصل شدہ مال سے حج کی ادائیگی	۱۴۴
۱۳۲۴	کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟	۱۴۵
۱۳۲۵	غریب شخص کا حج فرض ہوگا یا نفل؟	۱۴۵

۱۳۲۶	والدین کی طرف سے بالغ لڑکے کا حج	۱۴۶
۱۳۲۷	حج کے لیے پیسے جمع کیے لیکن بیماری کی بنا پر جانہیں سکتا	۱۴۷
۱۳۲۸	کیا نابالغ حج کرے تو بالغ ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے	۱۴۸
۱۳۲۹	کیا والدین کو چھوڑ کر حج کے لیے جاسکتا ہے؟	۱۴۹
۱۳۳۰	والد اپنا نفقہ نہ ہونے کی بنا پر فرض حج کے لیے منع کرتے ہیں تو کیا کرے؟	۱۵۰
۱۳۳۱	ماں کو بیماری کی حالت میں چھوڑ کر حج کے لیے جانا	۱۵۰
۱۳۳۲	قرض ادا کیے بغیر حج کے لیے جانا	۱۵۱
۱۳۳۳	جس پر قرض ہو اس پر حج فرض ہے؟	۱۵۲
۱۳۳۴	نفل حج کی نیت کرے تو فرض حج ادا ہوگا؟	۱۵۳
۱۳۳۵	حرام مال سے حج ادا کرنا	۱۵۳
۱۳۳۶	حرام مال سے حج کرنا	۱۵۴
۱۳۳۷	حج کے فرائض اور واجبات	۱۵۵
۱۳۳۸	عرفات میں پڑھنے کی دعا	۱۵۶
۱۳۳۹	حج میں طواف کتنی قسم کے ہیں؟	۱۵۷
۱۳۴۰	فرض طواف کے اشواط میں شک ہوجائے	۱۵۸
	عورت کے لیے محرم کا بیان	
۱۳۴۱	عورت کے لیے محرم کی شرط	۱۵۹
۱۳۴۲	کیا عورت محرم کے بغیر حج میں جاسکتی ہے؟	۱۶۰
۱۳۴۳	کیا عورت محرم کے بغیر دوسری عورتوں کے ساتھ سفر کرسکتی ہے؟	۱۶۱
۱۳۴۴	کیا ساس اپنے داماد کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے؟	۱۶۲
۱۳۴۵	عورت کا اپنے ہمسایہ عورتوں کے ساتھ حج میں جانا	۱۶۲
۱۳۴۶	عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے؟	۱۶۴

۱۳۴۷	جدہ میں محرم کا مل جانا	۱۶۴
۱۳۴۸	کیا عورت اپنے بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے؟	۱۶۵
۱۳۴۹	منہ بولے بھائی کے ساتھ حج میں جانا	۱۶۶
۱۳۵۰	متبنیٰ یا منہ بولا دودھ شریک بھائی کے ساتھ حج میں جانا	۱۶۸
۱۳۵۱	داماد کے ساتھ حج میں جانا	۱۶۹
۱۳۵۲	عورت اکیلی حج کے لیے جاسکتی ہے؟	۱۷۰
۱۳۵۳	کیا عورت اپنے بہنوئی کے بہنوئی کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے؟	۱۷۱
۱۳۵۴	عورت محرم کے بغیر کتنے دور کا سفر کر سکتی ہے؟	۱۷۲
۱۳۵۵	بوڑھی عورت کا بغیر محرم کے حج میں جانا	۱۷۳
۱۳۵۶	دیور کے ساتھ حج؟ عورت حج بدل میں جاسکتی ہے؟ جوا کے پیسے سے حج؟	۱۷۴
۱۳۵۷	ہندوستان سے جدہ تک بغیر محرم کے سفر؟	۱۷۵
۱۳۵۸	شوہر کے انتقال کے بعد حج کے ارکان کی ادائیگی	۱۷۶
۱۳۵۹	عورت کا منھ چھپانے کے لیے پلاسٹک کا استعمال کرنا	۱۷۸
۱۳۶۰	عورتوں کا حج	۱۷۸
۱۳۶۱	عدت کی حالت میں حج کے لیے جانا	۱۷۹

حج کے واجبات اور سنن کا بیان

۱۳۶۲	وقوف مزدلفہ	۱۸۰
۱۳۶۳	وقوف مزدلفہ	۱۸۰
۱۳۶۴	مزدلفہ میں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ نمازِ مغرب اور عشاء	۱۸۱

۱۳۶۵	اژدحام کی بنا پر مزدلفہ میں نہ ٹھہرنا	۱۸۲
۱۳۶۶	ضعیف شخص کا عرفات سے سیدھا منیٰ چلا جانا	۱۸۳
۱۳۶۷	رات کو مزدلفہ سے منیٰ چلا جانا	۱۸۴
۱۳۶۸	جمرات کی رمی کا وقت	۱۸۴
۱۳۶۹	رمی کا حکم	۱۸۵
۱۳۷۰	رمی میں نیابت	۱۸۶
۱۳۷۱	ازدحام کی بنا پر رات کو رمی کرنا، یا دوسرے کے پاس رمی کروانا	۱۸۶
۱۳۷۲	رمی کے نیابت کب درست ہے؟	۱۸۷
۱۳۷۳	حلال ہونے کے لیے چوتھائی سر کے بالوں کا قصر کرنا	۱۸۸
۱۳۷۴	احرام سے حلال ہونے کے لیے قصر کی مقدار	۱۸۸
۱۳۷۵	حلق افضل ہے یا قصر؟ سر کے بال بیچ بیچ سے کچھ قصر کرلے تو کیا حکم ہے؟	۱۸۹
۱۳۷۶	حلق کرنا ضروری ہے یا قصر؟	۱۸۹
۱۳۷۷	ایک محرم دوسرے محرم کا حلق کرسکتا ہے؟	۱۹۰
۱۳۷۸	طواف زیارت میں اضطباع اور رمل	۱۹۰
۱۳۷۹	۱۱رویں ذی الحجہ کو طوافِ وداع	۱۹۱
۱۳۸۰	ازدحام کی بنا پر بارہویں ذی الحجہ کی رمی کو دوسرے سے کروانا	۱۹۲
۱۳۸۱	طواف کے بعد کی دو رکعت عصر کے بعد پڑھنا، نیز عصر کے بعد طواف کر کے مغرب کے بعد دو رکعت پڑھنا	۱۹۳
۱۳۸۲	اوقات مکروہہ میں طواف کی دو رکعت ادا کرنا	۱۹۴

۱۳۸۳	مغرب کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے طواف کی دو رکعت پڑھنا	۱۹۵
۱۳۸۴	حج میں جاتے وقت معافی مانگ کر جانا	۱۹۶
۱۳۸۵	معافی تلافی کے بغیر حج کے لیے چلا گیا	۱۹۶
	متبرک مقامات اور متبرک چیزوں کا بیان	
۱۳۸۶	رکن یمانی کا استلام	۱۹۷
۱۳۸۷	زمزم کا پانی پکانے میں استعمال کرنا	۱۹۸
۱۳۸۸	احرام کی چادروں کو زمزم میں بھگا کر کفن کے لیے رکھنا، یا اپنی زندگی میں اس کپڑے کو پہنے یا کسی کو دیدے؟	۱۹۸
۱۳۸۹	زمزم کے پانی سے غسل جنابت اور وضو کرنا	۱۹۹
۱۳۹۰	زمزم کے پانی سے وضو اور غسل کرنا	۱۹۹
	حج کے احکام	
۱۳۹۱	احصار کا حکم	۲۰۱
۱۳۹۲	حج کے ایک دن قبل عورت کو حیض آجائے	۲۰۴
۱۳۹۳	احرام باندھنے کے بعد حیض آجاوے تو کیا احرام کھول دے؟	۲۰۴
۱۳۹۴	طواف کی حالت میں حیض کا آجانا	۲۰۵
۱۳۹۵	طوافِ زیارت کے وقت حیض آجاوے؟	۲۰۵
۱۳۹۶	عدتِ وفات میں حج کی ادائیگی؟	۲۰۶
۱۳۹۷	ایام حج کے ختم ہونے سے ایک دن پہلے عورت کو حیض آگیا	۲۰۶
	میقات کا بیان	

۱۳۹۸	حاجی احرام کہاں سے باندھے؟	۲۰۷
۱۳۹۹	احرام گھر سے پہنے یا جدہ پہنچ کر؟	۲۰۷
۱۴۰۰	احرام سوتی کپڑے کا ہونا چاہیے یا سلکی کپڑے کا؟	۲۰۷
۱۴۰۱	مکی آدمی میقات سے باہر جائے پھر دوبارہ مکہ میں آئے؟	۲۰۸
۱۴۰۲	حل کسے کہتے ہیں؟ جدہ میں رہنے والا احرام کہاں سے پہنے؟	۲۰۸
۱۴۰۳	میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کر جائے	۲۰۹
۱۴۰۴	ملازمت کے لیے مکۃ المکرّمہ جائے، تو کیا احرام باندھنا ضروری ہے؟	۲۰۹
۱۴۰۵	کیا مدینۃ المنورہ سے مکہ واپسی پر احرام باندھنا ضروری ہے؟	۲۱۰
۱۴۰۶	مکی آدمی مدینۃ المنورہ جائے تو واپسی میں وہ احرام باندھے یا نہیں؟	۲۱۰
۱۴۰۷	گھر سے احرام نہ پہنا تو جدہ سے پہن سکتا ہے؟	۲۱۰
۱۴۰۸	احرام کی حالت میں جو افعال منع ہیں	۲۱۱
۱۴۰۹	حِلّی جمعہ کی نماز کے لیے بغیر احرام کے مکہ جا سکتا ہے؟	۲۱۱
۱۴۱۰	حائضہ عورت کا احرام	۲۱۲
۱۴۱۱	مرد اور عورت کے لیے احرام باندھنے کا سنت طریقہ	۲۱۲
۱۴۱۲	نفل طواف میں احرام	۲۱۳
۱۴۱۳	احرام کی حالت میں غسل کی حاجت ہو جاوے تو کیا کرے؟	۲۱۳
۱۴۱۴	احرام کے کپڑے پر چپکانے کے لیے پٹی لگانا	۲۱۴
	حج قِران و تمتع	
۱۴۱۵	حج کی قسمیں	۲۱۵

۱۴۱۶	متمتع پر دم شکر کی تاخیر کی بنا پر دم واجب ہوگا	۲۱۶
۱۴۱۷	حج کی تین قسمیں اور ان کی ادائیگی کا طریقہ	۲۱۶
۱۴۱۸	حج قران کا احرام باندھ کر کھولنا	۲۱۷
۱۴۱۹	دمِ شکر کی تفصیل	۲۱۸
	حجِّ بدل کا بیان	
۱۴۲۰	حج بدل	۲۱۹
۱۴۲۱	حج بدل میں جانے والے کا احرام	۲۲۰
۱۴۲۲	فرض حج کا ذمہ باقی ہو تو ورثہ کے لیے حج بدل کرانا ضروری ہے	۲۲۰
۱۴۲۳	والدہ کو حج کرانے کا وعدہ کیا مگر حج کرانے سے قبل والدہ کا انتقال ہو گیا	۲۲۱
۱۴۲۴	حج بدل میں قران اور تمتع کرنا	۲۲۲
۱۴۲۵	مرحومہ بیوی کی طرف سے شوہر کا حج بدل کرنا	۲۲۲
۱۴۲۶	کمزور عورت کی طرف سے حج بدل	۲۲۳
۱۴۲۷	محرم نہ ہونے کی بنا پر حج بدل کرانا	۲۲۴
۱۴۲۸	حج بدل	۲۲۴
۱۴۲۹	مرحوم والد کی طرف سے لڑکے کا حج بدل	۲۲۵
۱۴۳۰	حج بدل میں جانے والا کونسا احرام باندھے؟	۲۲۶
۱۴۳۱	حج بدل کی تفصیل	۲۲۶
۱۴۳۲	بہن بھائی کو حج کے لیے بھیجے تو حج کس کا ہوگا؟	۲۲۷
۱۴۳۳	جماعت کے خرچ سے عرب جا کر وہاں سے اپنے پیسوں سے فرض حج یا حج بدل کرنا	۲۲۸

۱۴۳۴	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکو حج بدل میں بھیجنا	۲۲۹
۱۴۳۵	حج بدل میں جانے والے کا اپنا حج کیا ہوا ہونا ضروری ہے؟	۲۳۰
۱۴۳۶	عرب میں رہنے والا شخص ہندوستان میں رہنے والے اپنے والد کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے؟	۲۳۰
۱۴۳۷	دوسروں کی طرف سے عمرہ کرنا	۲۳۱
۱۴۳۸	مرحومین کی طرف سے عمرہ کرنا	۲۳۲
۱۴۳۹	نفل حج یا عمرہ ایک سے زائد کی طرف سے ادا کرنا	۲۳۲
	جنایات کا بیان	
۱۴۴۰	صدقہ اور جزا سے کیا مراد ہے؟	۲۳۳
۱۴۴۱	قربانی سے پہلے حلق کر لینا	۲۳۴
۱۴۴۲	وقت سے قبل رمی کی پھر وقت آنے پر دوبارہ کر لی؟	۲۳۴
۱۴۴۳	طواف زیارت ادا کیے بغیر وطن آجاوے؟	۲۳۵
۱۴۴۴	جنایت میں اونٹ کی قربانی؟ دم جنایت کی قربانی کہاں کی جاوے؟	۲۳۵
۱۴۴۵	دم جنایت کے لیے کونسا جانور ذبح کیا جاوے؟	۲۳۶
۱۴۴۶	دم جنایت کو حرم میں ذبح کرنا	۲۳۶
۱۴۴۷	سردی کی بنا پر رات کو سر پر کپڑا اڈالنا	۲۳۷
۱۴۴۸	صدقہ کہاں ادا کرنا چاہیے؟	۲۳۸
۱۴۴۹	طواف زیارت ادا کیے بغیر گھر واپس آجاوے؟	۲۳۸
۱۴۵۰	حج کے جنایت کی قربانی وطن میں؟	۲۳۹
۱۴۵۱	حج میں واجب قربانی وطن میں ادا کرنا	۲۴۰

۱۴۵۲	کمزور شخص ۱۰ رویں ذی الحجہ کو ظہر کے بعد رمی کرے پھر قربانی پھر حلق؟	۲۴۰
۱۴۵۳	احرام کی حالت میں سہواً تھوڑے سے بال کاٹ لیے	۲۴۲
۱۴۵۴	مہندی لگا کر حج میں جانا	۲۴۲
۱۴۵۵	دم میں ایک بکری واجب تھی مگر قربانی نہیں کی اور وطن آ گیا؟	۲۴۳
۱۴۵۶	احرام کی حالت میں انڈر ویئر (Underwear) پہننا	۲۴۳
۱۴۵۷	دمِ جنایت کی قربانی کیے بغیر وطن آ جاوے	۲۴۴
۱۴۵۸	وقت سے پہلے رمی کر لے تو دم دینا پڑیگا؟	۲۴۵
۱۴۵۹	قارن نے صرف حج کیا اور عمرہ نہ کیا؟	۲۴۶
۱۴۶۰	احرام کی چادر کو تہہ بند کی طرح سلنا	۲۴۷
۱۴۶۱	احرام کی حالت میں عذر کی بنا پر سلا ہوا کپڑا پہننا	۲۴۷
۱۴۶۲	حلق سے پہلے مونچھوں کے بال لینا یا ناخن کاٹنا	۲۴۸
۱۴۶۳	رمی، قربانی اور حلق سے پہلے طواف زیارت کر لے؟	۲۴۸
۱۴۶۴	احرام میں انڈر ویئر (Underwear) پہننا	۲۴۹
۱۴۶۵	احرام کی حالت میں انڈر ویئر پہننے سے دم؟	۲۴۹
۱۴۶۶	مزدلفہ میں قیام کیے بغیر مدینہ چلا جاوے	۲۵۰
	مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان	
۱۴۶۷	حج کے بعد مدینہ منورہ جانا	۲۵۱
	متفرقات حج	
۱۴۶۸	حج کی فلم کے متعلق	۲۵۲

۱۴۶۹	حج کی ویڈیو کیسٹ دیکھنا	۲۵۴
۱۴۷۰	حج میں جاتے وقت خوش دامن (ساس) کے ہاتھ کو بوسہ دینا	۲۵۵
۱۴۷۱	حاجی کو ہدیہ دینا اور لینا	۲۵۶
۱۴۷۲	حج کے سفر میں نماز میں قصر	۲۵۶
۱۴۷۳	عورتوں کو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنا	۲۵۷
۱۴۷۴	اپنے رشتہ داروں کی طرف سے طواف	۲۵۷
۱۴۷۵	حج کے سفر میں مالداری کی قربانی	۲۵۸
۱۴۷۶	حاجی پر مالداری کی قربانی	۲۵۹
۱۴۷۷	وطن میں مالداری کی قربانی	۲۶۰
۱۴۷۸	حاجی پر مالداری کی قربانی اپنے وطن میں کرنا ضروری ہے	۲۶۰
۱۴۷۹	مکۃ المکرّمہ میں روافض کے مسافر خانے میں مفت میں قیام کرنا	۲۶۱
۱۴۸۰	حج کی دعاؤں کو کتابوں میں دیکھ کر پڑھنا	۲۶۲
	عمرہ کا بیان	
۱۴۸۱	عمرہ کی فضیلت اور طریقہ	۲۶۳
۱۴۸۲	زندہ شخص کی طرف سے عمرہ کرنا	۲۶۳
۱۴۸۳	زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ سنت مؤکدہ: ایک سے زائد عمرہ کرنا:	۲۶۴
۱۴۸۴	حج کے مہینوں میں حل میں رہنے والوں کا عمرہ کرنا	۲۶۵
۱۴۸۵	ماہِ شوال المکرّم میں عمرہ کرنا	۲۶۵
۱۴۸۶	جس پر حج فرض ہو وہ عمرہ کے لیے جا سکتا ہے	۲۶۶

۱۴۸۷	جس پر حج فرض ہو وہ صرف عمرہ کر سکتا ہے؟	۲٦٧
۱۴۸۸	طواف افضل ہے یا نفل نماز؟ دوسروں کی طرف سے طواف کرنا	۲٦٨
۱۴۸۹	آفاقی کے لیے مکۃ المکرّمہ میں کونسی عبادت افضل ہے؟	۲٦٨
۱۴۹۰	دو مرتبہ حج ادا کر لیا، اب عمرہ کرنا افضل ہے یا صدقۂ جاریہ؟	۲٦٨
۱۴۹۱	نفل حج افضل ہے یا غریبوں کی مدد کرنا	۲۷۰
۱۴۹۲	عمرۂ بدل میں دوسرے کو شامل کرنا	۲۷۱
۱۴۹۳	حج کے مہینوں میں حل میں رہنے والا کا عمرہ ادا کرنا	۲۷۱

کتاب النکاح

نکاح صحیح کا بیان

۱۴۹۴	نکاح کا طریقہ	۲۷۳
۱۴۹۵	طلاق دینے کے ارادے سے نکاح کرنا	۲۷۴
۱۴۹٦	اپنے سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا	۲۷۴
۱۴۹۷	متبنّیٰ باپ کا نام لیا تو نکاح ہوگا یا نہیں	۲۷۵
۱۴۹۸	عقد نکاح کے وقت دولہا کو کتنی مرتبہ پوچھا جاوے؟	۲۷۵
۱۴۹۹	نکاح کے ایجاب اور قبول سے پہلے کلمۂ شہادت پڑھانا	۲۷٦
۱۵۰۰	گواہوں کے سامنے ’’تو میری بیوی ہے‘‘، ’’تو میرا شوہر ہے‘‘ کہنا	۲۷٦
۱۵۰۱	نکاح کی سند (سرٹیفیکٹ) پر دستخط کرنے سے نکاح	۲۷۷
۱۵۰۲	بالغہ کا جبراً نکاح کرانا	۲۷۸
۱۵۰۳	دھوکہ سے نکاح کے سرٹیفیکٹ پر دستخط کرا لینا	۲۷۹

۱۵۰۴	دوسرے نکاح کے لیے پہلی بیوی کی اجازت	۲۸۰
۱۵۰۵	بیوی مطیع نہ ہو تو مرد دوسرا نکاح کرسکتا ہے؟	۲۸۱
۱۵۰۶	پاگل لڑکی کا نکاح کس طریقہ سے کیا جاوے؟	۲۸۲
۱۵۰۷	مسجد میں عقد نکاح کا ثبوت	۲۸۳
۱۵۰۸	لڑکی سے جبراً نکاح کے سرٹیفکیٹ پر دستخط لینا	۲۸۵
۱۵۰۹	قاضی کا نکاح کا فیصلہ کرنا	۲۸۶
۱۵۱۰	زنا سے حمل والی عورت کے ساتھ نکاح	۲۸۷
۱۵۱۱	صرف یو کے (U.K) جانے کے لیے کاغذ پر نکاح کرنا	۲۸۸
۱۵۱۲	فون پر نکاح	۲۹۰
۱۵۱۳	بریلوی عالم کا عقد کرایا ہوا نکاح	۲۹۰
۱۵۱۴	دو گواہوں کی حاضری میں ایک دوسرے کو شوہر اور بیوی مان لینا	۲۹۱
	نکاح میں گواہوں کا بیان	
۱۵۱۵	بغیر گواہوں کے نکاح	۲۹۳
۱۵۱۶	نکاح صحیح ہونے کے لیے گواہوں کا ہونا ضروری ہے	۲۹۳
۱۵۱۷	نکاح کے وقت صرف قاضی صاحب (ایجاب وقبول کرانے والا) ہو گواہ نہ ہو	۲۹۴
۱۵۱۸	نکاح کا عقد کرانے والا خود شاہد اور وکیل بن کر عقدِ نکاح کرائے	۲۹۴
۱۵۱۹	ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح	۲۹۶
۱۵۲۰	’’کورٹ میرج‘‘ کے بعد تین طلاق دے پھر دوبارہ نکاح کرنا چاہے	۲۹۶
	نکاح فاسد کا بیان	

۱۵۲۱	حاملہ من الزنا سے نکاح	۲۹۸
۱۵۲۲	عدت میں نکاح	۲۹۸
۱۵۲۳	نکاح شدہ (شوہر والی) عورت کے ساتھ نکاح	۲۹۹
۱۵۲۴	نکاح کے بعد مفقود الخبر واپس آگیا	۳۰۰
۱۵۲۵	عقد نکاح میں لڑکی کا نام نہ لیا	۳۰۱
۱۵۲۶	عقد نکاح میں غلط نام	۳۰۲
۱۵۲۷	غلط نام لے کر نکاح کا عقد کرنا	۳۰۳
۱۵۲۸	عورت کو اطلاع کئے بغیر اس کا نکاح کرادینا	۳۰۳
۱۵۲۹	پہلے شوہر کے طلاق دیئے بغیر دوسرے مرد سے نکاح کرنا	۳۰۴
۱۵۳۰	رضاعی بھتیجی سے نکاح	۳۰۵
۱۵۳۱	عورت کا بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کرنا	۳۰۶
۱۵۳۲	کورٹ میرج گواہوں کے سامنے، پھر بغیر طلاق کے دوسرا نکاح	۳۰۷
۱۵۳۳	شادی شدہ مرد کا ایک ساتھ چار عورتوں سے نکاح ثانی	۳۰۸
	منگنی کا بیان	
۱۵۳۴	لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کا پیغام	۳۱۰
۱۵۳۵	منگنی کی رسم کے وقت دیئے ہوئے زیور کا مالک کون؟	۳۱۱
	شادی بیاہ کے رسوم اور بدعات	
۱۵۳۶	شادی بیاہ کے رسومات بد	۳۱۳
۱۵۳۷	مرد کو زیورات دینے پر مجبور کرنا	۳۱۴

۱۵۳۸	منگنی اور شادی میں دعوت اور ایوار کرنا	۳۱۶
۱۵۳۹	خلافِ شرع کام والی دعوت میں شرکت کا حکم	۳۱۹

محرم اور غیر محرم کا بیان

(**فصل اول**) جن سے نکاح جائز ہے

۱۵۴۰	رضاعی بھائی کا نکاح حقیقی بہن کے ساتھ	۳۲۱
۱۵۴۱	رضاعی بہن کی رضاعی بہن کے ساتھ نکاح	۳۲۱
۱۵۴۲	سوتیلے بھائی کا نکاح سوتیلی بہن کے ساتھ	۳۲۲
۱۵۴۳	رضاعی بھائی کی رضاعی ماں سے نکاح	۳۲۳
۱۵۴۴	غیر مسلم کو مسلمان بنا کر اسکے ساتھ نکاح کرنا	۳۲۳
۱۵۴۵	نسبتی بہن کی لڑکی (بھانجی) کے ساتھ نکاح	۳۲۴
۱۵۴۶	نواسی کا نکاح بھتیجے کے ساتھ	۳۲۴
۱۵۴۷	رضیعہ کی بہن کا نکاح مرضعہ کے لڑکے کے ساتھ	۳۲۵
۱۵۴۸	اہل کتاب کے ساتھ نکاح	۳۲۵
۱۵۴۹	زانی اور مزنیہ کے فروع کا آپس میں نکاح	۳۲۶
۱۵۵۰	حاملہ من الزنا کا نکاح زانی سے ہوسکتا ہے اور بچہ کے نسب کا حکم؟	۳۲۷

(**فصل دوم**) جن سے نکاح جائز نہیں

۱۵۵۱	ایک بہن کی موجودگی میں اس کی حقیقی بہن سے نکاح	۳۲۸
۱۵۵۲	دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا	۳۲۹
۱۵۵۳	انگریز عورت کے ساتھ نکاح	۳۲۹

۱۵۵۴	بیوی کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح	۳۳۰
۱۵۵۵	ایک عورت کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح	۳۳۱
۱۵۵۶	شیعہ آغا خانی لڑکی کے ساتھ نکاح	۳۳۲
۱۵۵۷	رضاعی بھتیجی کے ساتھ نکاح	۳۳۳
۱۵۵۸	بیٹے کی بیوی (بہو) سے نکاح	۳۳۳
۱۵۵۹	سوتیلی ماں کے اگلے شوہر کی لڑکی کے ساتھ نکاح	۳۳۵
۱۵۶۰	پہلی بیوی کا لڑکا اور دوسری بیوی کی پہلی لڑکی کا آپس میں نکاح	۳۳۵
۱۵۶۱	حنفی لڑکی کا آغا خانی لڑکے کے ساتھ نکاح	۳۳۶
۱۵۶۲	رضاعی بہن سے نکاح	۳۳۷
۱۵۶۳	رضاعی بہن سے نکاح درست نہیں	۳۳۸
۱۵۶۴	رضاعی بہن کے ساتھ نکاح	۳۳۹
۱۵۶۵	رضاعی بھتیجی کے ساتھ نکاح	۳۴۰
۱۵۶۶	سنی لڑکی کا شیعہ لڑکے کے ساتھ نکاح	۳۴۰
۱۵۶۷	مسلمان لڑکی کا نکاح ہندو لڑکے کے ساتھ نکاح	۳۴۱
۱۵۶۸	قادیانی لڑکی کے ساتھ نکاح	۳۴۲
	(**فصل سوم**) حرمت مصاہرت کے متعلق	
۱۵۶۹	حرمت مصاہرت کے متعلق	۳۴۵
۱۵۷۰	ساس کے ساتھ تعلقات (زنا) سے بیوی حرام	۳۴۶
۱۵۷۱	بیوی کو جگانے کے لیے گیا اور غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا	۳۴۷

۱۵۷۲	ساس کے ہاتھ کو بوسہ دینا	۳۴۸
۱۵۷۳	نسبتی بہن (سالی) کے ساتھ زنا	۳۴۹
۱۵۷۴	نسبتی بہن (سالی) کے ساتھ زنا	۳۵۰
۱۵۷۵	اپنی لڑکی کے جسم کے کسی بھی حصہ کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا	۳۵۰
۱۵۷۶	مزنیہ کی لڑکی کے ساتھ زانی کا نکاح	۳۵۱
۱۵۷۷	زانی کے لڑکے نکاح مزنیہ کی لڑکی کے ساتھ	۳۵۲
۱۵۷۸	خسر نے بہو (بیٹے کی بیوی) کو بوسہ لیا	۳۵۲
۱۵۷۹	باپ نے اپنی لڑکی کے ساتھ زنا کیا پھر انکار کرتا ہے	۳۵۳
۱۵۸۰	خسر نے جبراً بہو (بیٹے کی بیوی) کے ساتھ زنا کیا	۳۵۴
۱۵۸۱	زانی کا نکاح مزنیہ کی لڑکی کے ساتھ ہوسکتا ہے؟	۳۵۵
۱۵۸۲	اپنی تین سال کی لڑکی کو شہوت سے چھونا	۳۵۷
۱۵۸۳	غلطی سے لڑکی کا بوسہ لینا	۳۵۸
۱۵۸۴	سوتیلے لڑکے کے ساتھ تعلق	۳۵۹
نکاح میں ولی کا بیان		
۱۵۸۵	بالغ لڑکا اور لڑکی اپنے اختیار سے نکاح کرنا	۳۶۰
۱۵۸۶	تین سال کی لڑکی کا نکاح	۳۶۱
۱۵۸۷	نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح	۳۶۲
نکاح میں وکیل بنانے کا بیان		
۱۵۸۸	عقد نکاح کے لیے فون پر وکیل بنانا	۳۶۳

۱۵۸۹	نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وکیل اور گواہ کا مسئلہ	۳۶۴
۱۵۹۰	وکیل کے ذریعہ نکاح ہوا، اور لڑکی نے (M.B.C) میں انکار کر دیا	۳۶۵
۱۵۹۱	لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایک ہی شخص کا وکیل ہونا	۳۶۶
عورت سے اجازت لینے کا بیان		
۱۵۹۲	بوقت اجازت گواہ کا ہونا اور طریقۂ اجازت	۳۶۸
۱۵۹۳	عورت سے تین مرتبہ اجازت لی، اس نے سکوت اختیار کیا	۳۶۸
۱۵۹۴	بغیر اجازت لڑکی کا نکاح کرنا:	۳۷۰
کفو کا بیان		
۱۵۹۵	بالغ لڑکی کا باپ کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کرنا	۳۷۱
۱۵۹۶	''شیخ'' اور ''پٹھان'' ایک کفو ہے یا الگ الگ؟	۳۷۱
۱۵۹۷	بالغ لڑکی کا اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کرنا	۳۷۲
۱۵۹۸	''وُہرا'' اور ''دیوان'' کے درمیان کفو ہے؟	۳۷۳
۱۵۹۹	لڑکی نے غیر کفو میں نکاح کرنے سے ولی کو فسخِ نکاح	۳۷۳
۱۶۰۰	صالحہ لڑکی نے فاسق سے نکاح کر لیا:	۳۷۵
۱۶۰۱	لڑکی نے اپنی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کر لیا	۳۷۶
۱۶۰۲	لڑکی ایک جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے اور والد دوسری جگہ	۳۷۷
مہر کا بیان		
۱۶۰۳	مہر اور مہر فاطمی	۳۷۹
۱۶۰۴	مہر فاطمی کی مقدار	۳۸۰

۱۶۰۵	شوہر کی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا	۳۸۱
۱۶۰۶	''مہر شرعِ محمدی'' کا مطلب	۳۸۲
۱۶۰۷	بعد میں مہر زیادہ کر دینا اور مہر کے بدلے جائداد دینا	۳۸۳
۱۶۰۸	نکاح کے بعد شوہر اپنی خوشی سے مہر میں زیادتی کرنا	۳۸۳
۱۶۰۹	عورت کا انتقال ہو گیا اور مہر باقی ہو	۳۸۴
۱۶۱۰	مطلقہ بائنہ کے ساتھ نکاح جدید اور مہر جدید	۳۸۵
۱۶۱۱	سوسائٹی کے ممبران کا مہر متعین کرنا	۳۸۵
۱۶۱۲	کم سے کم کتنی مہر رکھنی چاہیے؟	۳۸۶
۱۶۱۳	سوسائٹی اراکین کا عورت کی مہر متعین کرنا؟ جبراً مہر معاف کروانا	۳۸۷
۱۶۱۴	کم سے کم مہر کی مقدار	۳۸۸
۱۶۱۵	مہر فاطمی کی مقدار	۳۸۸
۱۶۱۶	دو مہینے کے بعد جدائی ہو گئی تو مہر کا حکم	۳۸۹
۱۶۱۷	کھیت کی پیداوار سے گذر اوقات کرنے کو مہر شمار کر لینا	۳۸۹
۱۶۱۸	صرف اپنے فائدہ کے لیے زیادہ مہر مقرر کرنا	۳۹۰
۱۶۱۹	۱۲۸/روپئے مہر مقرر ہوئی ۲۵/سال کے بعد کتنی دینا چاہیے؟	۳۹۲
۱۶۲۰	مہر کتنی ہونی چاہیے؟	۳۹۳
۱۶۲۱	مہر کے متعلق ایک مفصل فتویٰ	۳۹۴
۱۶۲۲	شادی میں خرچ زیادہ کرنا اور مہر کم مقرر کرنا	۳۹۶
۱۶۲۳	مہر دینے کو ضروری نہ سمجھنا	۳۹۷

۱۶۲۴	اسلام میں مہر کا مقصد	۳۹۸
۱۶۲۵	منکوحہ حاملہ من الزنا مہر کی حقدار ہوگی یا نہیں؟	۳۹۹
	جہیز کا بیان	
۱۶۲۶	شادی میں دیا ہوا جہیز طلاق کے وقت واپس لینا	۴۰۰
۱۶۲۷	نکاح میں دیا جانے والا زیور کس کی ملک ہے؟	۴۰۰
۱۶۲۸	جہیز واپس لینا	۴۰۱
۱۶۲۹	منگنی کے وقت دئے گئے زیور یا نقد پیسے کی واپسی	۴۰۲
۱۶۳۰	شادی کے وقت دئے ہوئے کپڑے واپس لینا	۴۰۲
۱۶۳۱	شادی میں دیئے گئے جہیز اور ہدایا مالک کون؟	۴۰۳
۱۶۳۲	ہمیشہ کے لیے قرار نامہ کرکے دیئے ہوئے زیور کا مالک کون؟	۴۰۳
۱۶۳۳	نکاح میں دیئے گئے کپڑے اور زیورات واپس لینا	۴۰۴
۱۶۳۴	لڑکی کو لڑکے کے رشتہ داروں کی طرف سے ملنے والے ہدایا کا مالک کون؟	۴۰۵
	زوجین کے حقوق	
۱۶۳۵	بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے	۴۰۶
۱۶۳۶	مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا اور بوسہ دینا	۴۰۸
۱۶۳۷	آٹھ مہینے کی حاملہ سے جماع	۴۰۸
۱۶۳۸	ہاتھ سے منی کا نکالنا سخت گناہ کا کام ہے	۴۰۹
۱۶۳۹	اپنی بیوی سے جماع کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے	۴۱۰
۱۶۴۰	عید کی راتوں میں جماع کرنا	۴۱۰

۱۶۴۱	جماع کے وقت ستر چھپا ہوا رکھنا	۴۱۰
۱۶۴۲	شوہر کے بلانے پر عورت کا نہ آنا	۴۱۱
۱۶۴۳	عورت کا بغیر اجازت کے گھر سے نکلنا	۴۱۱
۱۶۴۴	غیر کے ساتھ چلی جانے والی عورت سے جماع	۴۱۲
۱۶۴۵	ضبط ولادت کے لئے کوئی چیز استعمال کرنا	۴۱۳
۱۶۴۶	بیوی کو الگ کمرہ دینا	۴۱۴
۱۶۴۷	ضبطِ تولید کے باب میں حکم شرعی	۴۱۴
۱۶۴۸	حمل نہ رہنے کے لئے کوئی تدبیر استعمال کرنا یا آپریشن کرانا	۴۱۷
۱۶۴۹	دو بیویوں کے درمیان انصاف نہ کرنا	۴۱۸
۱۶۵۰	بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا	۴۲۰
۱۶۵۱	شوہر کا اپنی بیوی کو سیر وتفریح کے لیے مجبور کرنا	۴۲۲
۱۶۵۲	شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کو نام لے کر پکارنا	۴۲۳
۱۶۵۳	بیوی کے منع کے باوجود سعودیہ عربیہ ملازمت کے لیے جانا	۴۲۴
۱۶۵۴	لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجنا	۴۲۵
۱۶۵۵	عورت اپنے والدین کی ملاقات کے لیے جاسکتی ہے	۴۲۶
۱۶۵۶	مجبوراً ضبطِ تولید کا آپریشن کروانا	۴۲۷

ولیمہ کا بیان

۱۶۵۷	ولیمہ کا حکم	۴۲۹
۱۶۵۸	ولیمہ کب کرنا چاہیے؟ کتنے دن تک ہوسکتا ہے؟	۴۳۱

۱۶۵۹	ولیمہ میں سادہ کھانا	۴۳۳
۱۶۶۰	نکاح کی دعوت میں عقیقہ کا کھانا کھلانا	۴۳۴
۱۶۶۱	ولیمہ کون کرائے؟	۴۳۵
	نکاح کے متفرق مسائل	
۱۶۶۲	حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخہ کے ساتھ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے ساتھ نکاح	۴۳۶
۱۶۶۳	تعویذ کے ذریعے نکاح کے لیے راضی کرانا	۴۳۷
۱۶۶۴	دوسرے مرد کے ساتھ بھاگی ہوئی بیوی کو رکھنا	۴۳۷
۱۶۶۵	چھوٹی عمر میں نکاح کرنے سے روکنے کے لیے کمیٹی کا قانون	۴۳۸
۱۶۶۶	اسلام میں عورت کا مقام	۴۳۹
۱۶۶۷	نکاح سے قبل لڑکے اور لڑکی کا سیر و تفریح کرنا	۴۴۱
۱۶۶۸	مطلقہ مغلظہ کو بغیر حلالہ کے رکھنے والے مرد کے ساتھ تعلق نہ رکھنے کا حکم	۴۴۲
۱۶۶۹	بیرون ملک جانے کے لیے نکاح کی تصویریں نکالنا	۴۴۴
۱۶۷۰	برادری کے خوف سے بڑی لڑکی سے پہلے چھوٹی لڑکی کا نکاح نہ کرنا	۴۴۵
۱۶۷۱	اجتماعی نکاح اور فضول خرچی	۴۴۸
۱۶۷۲	لڑکی والے حقیر اور لڑکے والے عزت دار کہلائے جاتے ہیں	۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے انسان کو کامل ادراک وشعور سے نواز کر اپنے احکامات کے امتثال کا مکلّف بنایا۔ علماء کو کتاب وسنت کے سمجھنے کی صلاحیت بخشی اور بعضوں کو مسائل کے استخراج واستنباط کا ملکہ عطاء فرمایا، اور درود وسلام ہو اس نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے اپنی زبانِ مبارک سے اس مجتہد کے لیے ثواب کا مژدہ سنایا جو اجتہاد کرے، اور درستگی کو پہنچے۔ (فلہ اجران) ایسا شخص دہرے اجر کا مستحق ہے۔ اور جو اجتہاد کرے، اور صواب کو نہ پہنچے، تو اسکا اجتہادِ محض موجبِ اجر وثواب ہے۔

یقیناً فقہ اسلامی کتاب وسنت کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ نیز فقہائے عظام کی اجتہادی کاوشوں کا بہترین نتیجہ ہے۔ مجتہدین اور فقہائے کرام نے ہر دور میں امتِ مسلمہ کی مکمل رہنمائی فرمائی۔ اور پیش آمدہ نت نئے مسائل اور نوازل کا اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ عمدہ حل پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو اجر جزیل عطاء فرمائے اور امت مسلمہ کو اوامر الٰہیہ اور احکامات خداوندی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

اس بات کا اظہار کرتے ہوئے ہمیں بڑی خوشی ہو رہی ہے، کہ ہمارے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ واڈی والا نے اپنی حیات مستعار اور زمانۂ تدریس میں مختلف اور اہم کتابوں کی تدریس اور عوام میں اصلاح وتبلیغ کا کام کرتے ہوئے فقہ وفتاوی پر مستقل توجہ فرمائی۔ سہل اور عام فہم (گجراتی) زبان میں مدلل جوابات تحریر فرمائے۔

افادۂ عام کی نیت سے آپ کے اِن فتاوی کو زبان اردو میں منتقل کیا گیا یہ کام ہمارے برادر نسبتی یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور باسعادت شاگرد رشید محترم حضرت مولانا حسن صاحب ستپونی استاذ حدیث والفقہ، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر نے انجام دیا اور صرف یہی نہیں بل کہ کمپوز کروانا، نظر ثانی کروانا وغیرہ وغیرہ یہ سب مشکل ترین اُمور آپ ہی

کے زیر نگرانی اور زیر محنت انجام پائے۔ فجزاه الله احسن الجزاء

بفضلہٖ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی مسمّٰی ''روضۃ الفتاوی'' کی تین جلدیں طبع ہوکر عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔اوراب الحمد اللہ جلد چہارم زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہے،اس جلد میں (روزہ،حج،عمرہ اور نکاح) سے متعلق فتاوی کے جوابات مذکور ہیں۔

ہم جمیع وابستگانِ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ ایزدی میں دعاء گو ہیں مترجم صاحب اور انکے رفقائے کار اور جملہ معاونین کو دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبودی سے نوازے اور فتاوی کے نفع کو عام اور تام فرمائے۔اور ہمیں اخلاص کے ساتھ ترویج واشاعت کی توفیق عطاء فرمائے۔

اور اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی مغفرت ورضوان سے نوازے۔

وماتوفيقنا ألا بالله ، على الله تو كلنا واليه انيب . آمین یارب العالمین

(حافظ) محمد شعیب / (مولانا مفتی قاری) محمد اسلم / محمود شبیر

ابناء

حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب واڈی والا رحمۃ اللہ علیہ

یکم رجب المرجب/۱۴۳۵ھ۔مئی/۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصوم

روزے کی فضیلت اور فرضیت کا بیان

(۱۲۰۸) رمضان کے روزے کی فرضیت:

سوال: اگر کوئی شخص سستی کی بنا پر رمضان کا روزہ نہ رکھے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر بیماری کی بنا پر نہ رکھے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی رمضان کے روزے کی فرضیت کا انکار کرے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان بالغ مرد وعورت پر، جس کو روزہ رکھنے کی طاقت ہو، فرض ہے، البتہ ایسا بیمار ہو کہ روزہ رکھنے سے بیماری بڑھ جانے یا دیر سے اچھا ہونے کا یقین ہو، تو روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے، اچھا ہونے کے بعد قضا کرلے، رمضان کے روزے کا انکار کرنے والا مسلمان نہیں رہتا، مگر سستی کی بنا پر بغیر عذر کے روزہ نہ رکھنے والا کامل مومن شمار نہیں ہوتا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۰۹) روزے کب فرض ہوئے؟

سوال: روزے کب فرض ہوئے؟

جواب: نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک مکۃ المکرّمہ میں، مشرکوں کو اللہ کا حکم سناتے رہے، بت پرستی چھوڑنے کے علاوہ اور کوئی حکم نہیں تھا، اس کے بعد آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آنے شروع ہوئے، سب سے پہلے نماز فرض ہوئی، اس کے بعد مدینۃ المنورہ ہجرت کے بعد، احکام نازل ہونا شروع ہوئے، ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد دس شعبان، ۲ھ کو روزے فرض کیے گئے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۰) روزے کا فلسفہ اور اس کی فضیلت

سوال: روزے کا فلسفہ کیا ہے؟ روزے کی فضیلت اور اس کے فائدے کیا کیا ہیں؟

جواب: یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں، انسان سب سے افضل ہے، البتہ انسان کی یہ افضلیت کس وجہ سے ہے؟ اس لیے کہ انسان اپنے نفس کو قبضہ میں لاکر اپنی خواہشات پر قابو پاکر عبدیت کے فرائض ادا کرتا رہے، اللہ کی خوشنودی حاصل کرے، اللہ کا فرمان ہے: ''جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا، اس نے کامیابی حاصل کرلی''، جس طرح جانور کو بھوکا پیاسا رکھنے سے وہ تابع ہوجاتا ہے، اسی طرح روزے سے نفس، انسان کے تابع ہوکر عبادت میں معین ہوتا ہے، ایک فلسفہ یہ بھی ہے، دوسروں کا درد اور تکلیف کا خیال پیدا ہوتا ہے، غریبوں اور یتیموں کی مدد کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

اگر حقیقی طریقے سے روزہ رکھا جائے، تو حرص دوسرے سے امید رکھنا اور اپنے پیٹ بھرنے کا خیال دور ہوجاتا ہے، طبی اعتبار سے روزہ صحت کے لیے بہت ہی مفید ہے، گیارہ مہینے تک جو خرابیاں جسم میں پیدا ہوتی ہیں، روزے سے دور ہوجاتی ہیں۔

روحانی فائدہ یہ ہے کہ کھانا پینا، اور اپنی خواہشات کو ترک کردینے سے فرشتوں سے مشابہت ہوتی ہے، فرشتوں کی صفت پیدا ہوکر، اللہ تعالیٰ کے اوصاف بھی انسان میں پیدا ہوتے ہیں۔

دل ودماغ کو تازگی ملتی ہے، بھوک اور پیاس کی تکلیف گناہوں کا کفارہ بنتی ہے، اپنے نفس پر کنٹرول پانے سے، کامل انسان کا درجہ حاصل ہوتا ہے، مزاج میں نرمی پیدا ہوتی ہے، روزہ رکھنے والا، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا شمار ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے، اور دل ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے: ''روزہ داروں کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے کھانا تیار ہوگا اور وہ لوگ وہاں بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہوں گے، اور لوگ ابھی اپنے حساب

وکتاب میں پریشان ہوں گے، وہ لوگ کہیں گے یہ کون لوگ ہیں ابھی تو ہم حساب وکتاب میں ہیں اور یہ لوگ اطمینان سے کھا رہے ہیں، تو جواب دیا جائے گا، یہ لوگ دنیا میں روزہ رکھتے تھے اور تم لوگ روزہ نہیں رکھتے تھے۔''

تمام عبادتوں کا ثواب فرشتوں کے ذریعے سے دیا جائے گا، مگر روزے داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ان کا بدلہ میں خود، دوں گا'' فرشتوں کا کوئی دخل نہ ہوگا، ایک حدیث میں ہے: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ رکھے گا تو اس کے تمام گناہ معاف کردیے جائیں گے''۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۱) رمضان کے روزے کی حقیقت

سوال: رمضان کے روزے کی حقیقت اور روزے کا فائدہ کس طرح حاصل ہوتا ہے، وہ تحریر فرمائیں؟

جواب: اسلام پاکیزگی اور صفائی کا نمونہ پیش کرتا ہے، وہ دلوں سے بُرے خیالات اور گناہوں کو ختم کردیتا ہے، اسلام سماج سے غلط رسم ورَواج اور کاموں کو جڑ سے نکال دیتا ہے، اسلام پوری دنیا سے فتنہ وفساد اور دہشت گردی ختم کرنا چاہتا ہے، یہ اسلامی تعلیم پر عمل کرنا، نہ تو انسان کے لیے مشکل ہے، جو بوجھ بن جائے، قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾. (سورة البقرة : ۲۸۴)

ترجمہ: ''اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا''۔

اور نہ تو اسلام روک تھام کا نام ہے، جو ترقی کے لیے مانع ہو، بل کہ اسلام سلیقہ مندی اور پاکیزگی اور پرہیزگاری کا نام ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾. (سورة المائدة : ٦)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تنگی کو نہیں چاہتا بل کہ تم کو پاک صاف کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے

اوپر اپنے احسان پورا کرنا چاہتا ہے، تاکہ تم شکر گذار بن جاؤ۔''

روزہ فرض کرنے کا اصل مقصد نفسانی خواہشات کو روکنا ہے، قرآنِ حکیم میں ہے:

''تم پر روزے اس لیے فرض کیے گئے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

جو شخص روزہ رکھ کر کھانا پینا چھوڑ دے، مگر گناہ نہ چھوڑے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی ظاہر کی ہے، کہ حدیث میں ہے:

''مَنْ لَمْ يدَعْ قولَ الزُّوْرِ وَالعملُ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجةٌ فِيْ أن يدَعَ طَعَامُه و شَرَابُه''. (مشكوة الصابيح: ١٨٦)

ترجمہ: ''جس نے روزہ رکھ کر جھوٹ اور گناہ کے کام نہ چھوڑے، تو صرف اس کے کھانے پینے کے ترک کرنے کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں۔''

اس کی تشریح میں ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے: ایسی باتیں جس میں گناہ ہے؛ مثلاً: جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، بہتان لگانا، غیبت کرنا، غلط الفاظ بولنا، ایک دوسرے کی عیب جوئی کرنا، اس کی وجہ قاضی بیضاویؒ نے یہ لکھی ہے کہ روزے کا مقصد نفسانی خواہشات کو توڑنا اور نیک کاموں کی طرف متوجہ ہونا ہے، جس سے دلی اطمینان بھی پیدا ہو، لہٰذا گناہ چھوڑ کر روزے کے یہ فائدے حاصل نہ ہو سکتے ہوں، تو اللہ تعالیٰ کو صرف کھانا پینا چھوڑ دینا اور ایسا روزہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲/۱۱۶)

جامع صغیر میں لکھا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یعنی روزے کا ثواب ختم ہو جاتا ہے، اور روزہ رکھنا اور نہ رکھنا، ثواب کے اعتبار سے برابر ہو جاتا ہے، وہ پانچ چیزیں یہ ہیں: (۱) غیبت۔ (۲) چغلی کرنا۔ (۳) جھوٹ بولنا۔ (۴) بدنظری کرنا۔ (۵) جھوٹی قسم کھانا۔

کتنا احمقانہ فعل ہے کہ رمضان کے علاوہ کھانا پینا جائز ہے، جس کو روزہ رکھ کر ترک کرتا ہے، مگر جو کام ہر وقت حرام ہے اس کو رمضان میں جاری رکھے، اس سے بڑھ کر بیوقوف کون ہوگا؟ روزہ حقیقت میں اہتمام کے ساتھ، گناہوں سے بچنے کا نام ہے، نہ کہ کھانا پینا چھوڑ دینے کا، گناہوں

سے بچنا، شرعی حرام چیزوں سے بچنا اور کسی طرح بھی گناہ نہ ہونے پائے، ایسی کوشش کرنا، اس کا نام تقویٰ ہے، اور یہی روزے کی روح ہے، روزہ فرض کرنے کا یہی اصل مقصد ہے، لہٰذا رمضان المبارک میں اہتمام کے ساتھ، اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے، فضول اور بے کار باتوں میں وقت برباد نہ کرے، غیبت، لڑائی، جھگڑے سے دور رہے، اور شطرنج وغیرہ جیسے لہو ولعب میں وقت ضائع نہ کرے، رمضان کا قیمتی وقت تلاوت، ذکر میں گذارے ورنہ خاموش رہے، خاموشی میں بھی ان شاء اللہ ثواب ملے گا۔

رمضان المبارک میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے، اور ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ملتا ہے، تو یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ شرعی اصول کے مطابق مبارک دنوں میں اور مبارک ساعات میں گناہوں کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے، وقت کا تقاضا، قرآن کے الفاظ میں سنو:

﴿اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ . (سورة الحديد: ١٦)

ترجمہ: ''کیا ایمان والوں کے لیے یہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لیے جھک جائیں؟'' فقط۔

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۲) رمضان کو رمضان کیوں کہا جاتا ہے؟

سوال: رمضان نام رکھنے کی وجہ کیا ہے؟ اور روزے کب فرض ہوئے؟

جواب: رمضان عربی میں ''رمـــــض'' سے مشتق ہے، جس کا معنیٰ ''سخت گرمی'' ہوتا ہے، روزہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، اس لیے اس کو رمضان کہتے ہیں۔ (المنجد: ۳۰۵/۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکۃ المکرّمہ میں رہے نفل روزے رکھتے تھے، مدینہ منورہ ہجرت کے اٹھارہ مہینے بعد دس شعبان ۲ھ میں پورے مہینے کے روزے فرض کیے گئے، لہٰذا ہر مرد وعورت پر رمضان کے روزے فرض ہیں، بغیر عذرِ شرعی روزہ نہ رکھنے والا، سخت گنہگار اور فاسق ہے۔ (اوجز المسالک: ۲/۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۳) رمضان کے روزے کس پر فرض ہیں؟ اور کن اعذار کی بنا پر روزہ نہ رکھنا جائز ہے؟

سوال: رمضان کے روزے کس پر فرض ہیں؟ اور کن اعذار کی بنا پر روزہ نہ رکھنا جائز ہے؟

جواب: رمضان کے روزے اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ضروری اور اہم رکن ہے، اس لیے کہ دوسری عبادتوں کی بہ نسبت روزے میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے، بندہ صرف اللہ کی رضا مندی کے لیے کھانا پینا اور نفسانی خواہشات کو چھوڑ دیتا ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَلصَّوْمُ لِیْ وَأنَا اَجْزِیْ بِہٖ"۔ "روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔"

روزہ ہر عاقل، بالغ، مسلمان پر فرض ہے، اگر کوئی اتنا بوڑھا ہو گیا کہ روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو، ایسا شخص ہر روزے کا فدیہ (احتیاطاً پونے دو کلو گیہوں یا گیہوں کی قیمت زکوٰۃ کے حقدار کو) دے دے۔

عورت کو حیض یا نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا جائز نہیں، بعد میں اس کی قضا کرنا ضروری ہے، شرعی مسافر اپنے گھر سے اڑتالیس میل (۲/۱۔۷۷ رکلومیٹر) دور جانے کی نیت سے نکلے، تو سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، گھر آنے کے بعد قضا کر لے، مگر سفر میں روزہ رکھنے سے تکلیف نہ ہو، تو روزہ رکھ لینا افضل ہے، اس لیے کہ رمضان کی خصوصی برکات اور فضیلت رمضان کے بعد روزہ رکھنے سے حاصل نہ ہوگی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۴) روزے کی نیت کس طرح کی جائے؟

سوال: کیا روزے کے لیے نیت ضروری ہے، روزے کی نیت کس طرح کی جائے؟ اور کب سے نیت کرنا ضروری ہے؟ ہر روزے کے لیے الگ نیت کرنا ضروری ہے؟

جواب: تمام عبادتیں صحیح ہونے کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا روزہ صحیح ہونے کے لیے بھی روزے کی نیت کرنا ضروری ہے، البتہ زبان سے نیت کے الفاظ بولنا ضروری نہیں، بل کہ روزے کی

نیت سے سحری کھانا یہ بھی نیت کے لیے کافی ہے، البتہ نیت کے الفاظ زبان سے بولنا بہتر ہے۔

رمضان میں ہر روزے کی نیت کرنا ضروری ہے، پورے رمضان کے لیے ایک ساتھ نیت کر لینا کافی نہیں۔ (علم الفقہ)

رمضان میں نصف دن سے ایک گھنٹہ پہلے روزے کی نیت کر لینا درست ہے، یعنی صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک جتنے گھنٹے ہوتے ہوں، اس کے آدھے سے پہلے نیت کر لی جائے۔

رمضان کے روزے میں تندرست اور مقیم کے لیے ''میں روزہ رکھتا ہوں'' اس طرح نیت کر لینے سے بھی رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۵) رمضان کے روزے کی نیت:

سوال: رمضان کے روزے کی نیت کس طرح اور کب تک کی جائے؟

جواب: اگر صرف اس طرح نیت کی جائے کہ میں آج روزہ رکھتا ہوں یا رمضان کا فرض روزہ رکھتا ہوں، تو نیت صحیح و معتبر ہوگی، اور نصفِ نہارِ شرعی سے پہلے نیت کر لینا ضروری ہے، مثلاً: صبح صادق سے غروب آفتاب تک کل چودہ گھنٹے ہوتے ہوں تو پہلے سات گھنٹے ختم ہونے سے پہلے نیت کر لینا چاہیے، پہلے سات گھنٹے کے بعد نیت کی جائے تو معتبر نہ ہوگی۔ (ہدایہ: ۱/۱۹۲، حاشیہ بہشتی زیور) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۶) فرض روزے کی نیت:

سوال: کیا روزے میں نیت کرنا ضروری ہے؟ اور کب تک نیت کی جائے؟

جواب: رمضان المبارک کے ہر روزے کی الگ الگ نیت کرنا ضروری ہے، البتہ زبان سے نیت کے الفاظ بولنا ضروری نہیں، بل کہ روزے کی نیت سے سحری کھانا یہ بھی نیت کے لیے کافی ہے، البتہ زبان سے نیت کے الفاظ بولنا بہتر ہے۔

" فَالسُّحُورُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ نِيَّةٌ " . (الجوهرة النيرة: ١٧٦)

رمضان المبارک میں نصف نہار شرعی سے پہلے نیت کرلینا چاہیے، شرعی دن صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۷) روزے کی نیت کا طریقہ

سوال: روزے کی نیت کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: ہرعبادت کے صحیح ہونے کے لیے دل میں اس عبادت کا ارادہ اور نیت کا ہونا ضروری ہے، مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث " **إنما الأعمال بالنيات** "اس کے لیے کافی دلیل ہے۔

روزہ صحیح ہونے کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے، رمضان کے فرض روزے کی صرف یہ نیت کرلی جائے کہ میں رمضان کا روزہ رکھتا ہوں، تو بھی کافی ہے، عربی میں نیت کرنا چاہے تو صبح صادق سے پہلے اس طرح کہے:" **بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ** " میں رمضان مہینے کے آئندہ کل کا روزہ رکھتا ہوں، اگر صبح صادق کے بعد نیت کرے تو اس طرح کہے:" **نَوَيْتُ أنْ أصُومَ هٰذا الْيَوْمِ لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ فَرْضِ رَمَضَانَ** " میں اللہ تعالیٰ کے لیے رمضان کا روزہ رکھتا ہوں، رمضان کے ہر دن کے لیے الگ نیت کرنا ضروری ہے، ایک دن نیت کرلینا پورے مہینے کے لیے کافی نہیں۔ (علم الفقہ) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۸) حائضہ عورت کا روزہ

سوال: حائضہ عورت روزہ رکھے یا نہیں؟ اگر نہ رکھے، تو کیا اس کی قضا لازم ہوگی؟

جواب: حیض کی حالت میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا جائز نہیں، البتہ نماز کی قضا نہیں ہے، مگر روزہ معاف نہیں، قضا کرنا ضروری ہے، اگر رمضان کے دن میں عورت حیض سے پاک ہوجائے تو باقی

دن روزہ دار کی طرح کھانا پینا چھوڑ دینا واجب ہے، وہ دن روزے میں شمار نہ ہوگا اور قضا کرنا ضروری ہے۔

(یمنع صلاۃ)مطلقا ......(وصوما) ...... (وتقضیه) لزوما دونها للحرج ولوشرعت تطوعا فیهما فحاضت قضتهما .

(در مختار مع شامی: ۱/۲۹۰، مکتبه سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۱۹) دبئ سے بمبئ آنے پر روزہ کا حکم

سوال: ہمارے بھائی ۱۹۷۱/۱۰/۲۴ء، کودبئ سے ہوائی جہاز کے ذریعہ بمبئ آئے، بحرین، دبئ اور حجاز میں بدھ کے دن پہلا روزہ تھا، اب وہ بمبئ آئے تو ان کا یہ پانچواں روزہ ہوا، اور یہاں لوگوں کا تیسرا روزہ تھا، اب جب یہاں اٹھائیس رمضان ہوگا تو ہمارے بھائی کا تیسواں روزہ ہوگا، تو اب یہاں کے حساب سے انتیسواں، تیسواں روزہ رکھے یا نہ رکھے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں دبئ کے چاند کے حساب سے آپ کے بھائی کے تیس روزے پورے ہوجائیں اور بمبئ میں ابھی رمضان جاری ہو، تو آپ کا بھائی بھی یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ روزہ رکھے، چاہے ان کے تیس سے زیادہ روزے ہوجائیں، اور یہاں سب کے ساتھ عید منائے۔

لو صام رائی هلال رمضان و اکمل العدة لم یفطر الا مع الامام لقوله علیه السلام : " صومکم یوم تصومون ، و فطرکم یوم تفطرون " و الناس لم یفطروا فی مثل هذا الیوم فوجب ان لا یفطر . (در مختار مع الشامی : ۲/۳۸۴، مکتبه سعید، فتاوی دار العلوم جدید : ۶/۳۹۹، مسائل یوم الشک) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۱/۱۱/۱۰ء

(۱۲۲۰) ابر کی بنا پر چاند نہ دکھائی دے

سوال: گجرات کے بہت سے دیہاتوں میں شعبان کی انتیسویں کو چاند کا اعلان ہوا، اس کے مطابق پہلا روزہ اتوار کو شمار کیا گیا، یہاں ''کاٹھیاواڑ'' میں خبر نہ آنے کی بنا پر پیر سے پہلا روزہ شروع ہوا، اب سوال یہ ہے اگر اتوار کے شمار کے بموجب رمضان کے پورے تیس روزے ہوں اور ''کاٹھیاواڑ'' میں انتیس روزے ہوں، اب ابر کی بنا پر کوئی خبر نہ آئے تو ہم لوگ ہمارے اعتبار سے تیس روزے پورے کر کے بدھ کے دن عید منائیں، یا آپ لوگوں کے شمار کے مطابق انتیس روزے پورے کر کے آپ لوگوں کے ساتھ عید منائیں؟

جواب: ابر کی بنا پر چاند نہ دکھائی دے تو عید کے چاند کے ثبوت کے لیے دو دیندار متقی گواہوں کی گواہی ضروری ہے، اگر چاند نہ دکھائی دے اور شرعی گواہی سے بھی چاند ثابت نہ ہو تو فقط افواہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ (کفایت المفتی)

لہذا آپ کے وہاں انتیسویں کو شرعی گواہی سے چاند ثابت ہو، یا اتنی جگہوں سے مسلسل چاند ہونے کی خبر آئے کہ جھوٹ ہونے میں شک نہ رہے، تو ٹھیک ہے، ورنہ تیس روزے پورے کر لینا چاہیے، حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لا تصوموا حتى تروا الهلال و لا تفطروا حتى تروه ، فإن غم عليكم فاقدروا له" . و في رواية : " فإن غم عليكم فاكملوا العدة ثلثين " .متفق عليه

(مشكوة المصابيح: ۱۷۴)

جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک انتیسویں شعبان کو چاند نہ دکھائی دے یا چاند ثابت نہ ہو وہاں تک روزہ نہ رکھے، اسی طرح جب تک عید کا چاند نہ دکھائی دے یا چاند ثابت نہ ہو وہاں تک عید نہ کرے۔

خلاصہ یہ کہ انتیسویں رمضان کو چاند ہونا ثابت ہوتو آپ لوگ عید کریں، ورنہ سوال کی تحریر کے بموجب جب آپ کے پاس رمضان کے چاند کی کوئی گواہی نہ آئے تو آپ کے حساب سے تیس روزے پورے کرنے چاہیے۔

" (واختلاف المطالع)...... (غير معتبر على) ظاهر (المذهب) وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى . (فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب) إذا ثبت عندهم روية اولئک بطريق موجب . در مع التنوير . وفي الشامية : قال العلامة الشامي : كأن يتحمل إثنان الشهادة او يشهدا على حكم القاضى أو يستفيض الخبر بخلاف ما اذا اخبرا ان اهل بلدة كذا رأوه لأنه حكاية " .

(شامی : ۲/ ۳۹۳، ۳۹۴، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۸/۰۸/۳۰ء

چاند دیکھنے کا بیان

(۱۲۲۱) چاند دیکھنے کے متعلق شریعت کا حکم

سوال: چاند دیکھنے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ ریڈیو، ٹیلی گرام، اور ٹیلیفون کی خبر کے متعلق وضاحت فرمائیں؟

جواب: اسلامی احکام کا مدار چاند دیکھنے پر ہے، چاہے خود دیکھے یا شرعی طور پر چاند دیکھنا ثابت ہو، اگر مطلع صاف نہ ہو اَبر وغیرہ ہو، جس کی بنا پر چاند دکھائی نہ دے تو ایک دیندار، پابند شرع، متقی، مسلمان مرد یا عورت چاند دیکھنے کی گواہی دے، تو اس کے بیان پر رمضان کے چاند ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

عید کے ثبوت کے لیے اَبر وغیرہ ہو تو پابند شرع دو مسلمان مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں وہ کسی مفتی یا معتمد عالم کے سامنے اپنے چاند دیکھنے کی شہادت دیں، تو ان کی شہادت سے عید کا فیصلہ کیا جائے گا، اگر مطلع صاف ہو تو رمضان اور عید دونوں کے ثبوت کے لیے ایک ہی حکم ہے، یعنی اتنی تعداد میں لوگوں کا چاند دیکھنا ضروری ہے جن کو جھوٹا نہ کہا جا سکے، اور مفتی یا علماء کو ان کی گواہی پر اطمینان اور غلبۂ ظن حاصل ہو جائے، تو چاند ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (فتاوی عالمگیری رشامی رہدایہ)

نوٹ: یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ چاند کسی بھی وقت چھپ نہیں جاتا بل کہ ہمیشہ آسمان پر موجود رہتا ہے، البتہ وہ الگ الگ جگہوں پر الگ الگ وقت طلوع اور غروب ہوتا رہتا ہے، ہندوستان میں ہی مغرب اور فجر کی نماز کسی جگہ ایک گھنٹہ پہلے ہوتی ہے، تو کسی جگہ ایک گھنٹہ بعد میں، اور اسلامی تاریخ کا مدار چاند موجود ہونے پر نہیں بل کہ چاند دیکھنے پر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور چاند دیکھ کر افطار کرو''، عید الفطر اور عید الاضحٰی کی حیثیت دوسری قوموں کی طرح ان کے تہوار جیسی نہیں ہے، بل کہ ان کی حیثیت عبادت کی ہے، کہ چاند دیکھنے پر ایک عبادت ختم ہوتی ہے اور دوسری عبادت شروع ہوتی ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ مقصد چاند کا آسمان پر موجود ہونا نہیں بل کہ مقصد چاند دیکھنا ہے، اسی بنا پر جنتری (Observetory) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، جو لوگ

اس کے ساتھ ملا کر یا ریڈیو وغیرہ کی خبر پر ہر جگہ ایک ساتھ عید منانے کی کوشش کرتے ہیں وہ شریعت کے مقصد کے خلاف کرتے ہیں۔

ٹیلی گرام، ٹیلیفون، اور ٹی وی کے ذریعہ چاند کی خبر کا حکم یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کی خبر شرعی گواہی کے درجہ میں نہیں ہے، اس لیے کہ گواہی کے لیے گواہوں کا مجلس میں ہونا ضروری ہے، ٹیلیفون میں بولنے والا مجلس میں نہیں ہوتا، لہٰذا مطلع صاف نہ ہو اور رمضان کے چاند کی خبر ٹیلیفون کے ذریعہ سے ملے تو خبر دینے والے کی آواز پہچانی جائے، خبر دینے والا معتمد ہو، تو خود عمل کر کے روزہ رکھ سکتا ہے، مگر دوسرے کو روزہ رکھنے پر مجبور نہیں کر سکتا، ٹیلی گرام کا یہی حکم ہے۔

عید کے چاند کے لیے چاہے کتنے ہی فون یا ٹیلی گرام آئیں، ٹی وی کے ذریعہ سے خبر نشر کی جائے تو بھی روزہ چھوڑنا جائز نہیں، جب تک شرعی شہادت سے عید کا چاند ثابت نہ ہو۔

(کفایت المفتی)

ریڈیو کے ذریعہ سے چاند کی خبر کے متعلق حکم یہ ہے کہ بذریعہ ریڈیو نشر ہونے والی خبر جس میں صرف بطریق خبر اطلاع دی جاتی ہے، کہ فلاں جگہ چاند ہوا، یا فلاں عالم نے چاند ہونے کا اعلان کیا، یہ وضاحت نہیں ہوتی ہے کہ چاند دیکھنے والا کون ہے، کتنے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، چاند دیکھنے والے کی شرعی حالت کیسی ہے، مطلع صاف تھا یا نہیں، تو ایسے اعلان کا اعتماد کر کے چاند ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، لہٰذا ریڈیو کی ایسی خبر پر نہ روزہ رکھنا جائز ہے نہ تو عید کرنا جائز ہے۔

ریڈیو کے ذریعہ روزہ یا عید کا اعلان اس طرح کیا جائے کہ ''فلاں فلاں ذمہ دار علماء کی ہلال کمیٹی کے سامنے شرعی گواہی آنے سے چاند ثابت ہوا ہے'' (چاند کمیٹی کے تمام اراکین مسلمان، پابند شرع، اور چاند کے متعلق مسائل سے واقف ہوں) اور حاضر اراکین کے نام بھی نشر کیے جائیں، اور اعلان کرنے والی ہلال کمیٹی کے صدر یا ہلال کمیٹی کا معتمد مسلمان نمائندہ ہو، تو ریڈیو کا اعلان معتبر ہوگا، مگر ہندوستان میں تو کیا پاکستان میں بھی شرعی طریقہ پر اعلان نہیں ہوتا، اسی بنا پر ریڈیو کا اعلان معتبر نہیں سمجھا جاتا۔ (فتاویٰ محمودیہ) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۲۲) رویت ہلال کے متعلق کچھ سوالات:

سوال: (۱) ہمارے علاقے بھروچ، سورت، ترکیسر، اور راندیر میں چار ہلال کمیٹیاں ہیں، تو ان چاروں کی حدود ولایت (جن کے فیصلے پر عمل کرنا درست ہو) کہاں تک ہیں؟

(۲) اس سال عید الاضحیٰ کے چاند کے متعلق جو اشتہار ''دار العلوم کنتھاریہ'' سے شائع ہوئے تھے، اس پر اعتماد کر کے جن لوگوں نے عید اور قربانی کی، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا یہ اشتہار شائع ہونے کے بعد بھی اشتہار میں مذکور شاہدوں کے پاس جا کر شہادت دینا ضروری تھی یا نہیں؟

(۳) ہلال کمیٹی چاند کی شہادت لینے کے بعد چاند کا اشتہار کن لفظوں میں کرے؟ صاف الفاظ میں تحریر کریں۔

(۴) ایک ہلال کمیٹی کا فیصلہ دوسری ہلال کمیٹی کون کونسی شرطوں کے ساتھ قبول کرے؟ اور دوسری کمیٹی اس کا اعلان کن الفاظ میں کرے؟

(۵) صرف ریڈیو پاکستان کے اعلان پر رمضان اور عید کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ریڈیو کی خبر پر اپنے گاؤں میں اعلان کر سکتے ہیں؟ ہندوستان و پاکستان کا مطلع ایک ہے، اور پاکستان میں شرعی اصول کے مطابق چاند کمیٹی بنائی گئی ہے اور چاند کا اعلان بھی شرعی اصول کے مطابق ہوتا ہے، تو پھر اس اعلان کے معتبر نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

(۶) اگر چاند کمیٹی اپنے وہاں چاند کے ثبوت کا اعلان بذریعہ اخبار مثلاً ''پرتاپ'' وغیرہ کے ذریعہ کرے تو اس کے مطابق جہاں جہاں یہ اخبار پہونچے وہاں کے لوگوں کے لیے رمضان اور عید منانے کا کیا حکم ہے؟

(۷) دہلی، ممبئی اور کلکتہ سے رمضان اور عید کا اعلان مقامی ہلال کمیٹی کے لیے دلیل بن سکتا ہے یا نہیں؟ اگر بن سکتا ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟ خصوصاً دہلی جامع مسجد کے امام صاحب کے اعلان کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: اصل جواب سے پہلے اتنا جاننا ضروری ہے کہ فقہائے کرام نے چاند کے ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل اصول متعین کیے ہیں: (۱) عام رؤیت، (۲) آسمان پر ابر ہو، اور عام رؤیت نہ ہو سکے، تو ثبوت رمضان کے لیے ایک عادل، متقی، مسلمان مرد یا عورت، یا قاضی یا معتبر عالم، جو ہلال کمیٹی کے سامنے خود چاند دیکھنے کی خبر دے، اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لیے دو دیندار عادل مسلمان مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں رؤیت ہلال کی شہادت دیں، اور قاضی یا ہلال کمیٹی ان کی شہادت قبول کرے، تو چاند ثابت ہوگا۔ (ہدایہ، عالمگیری: ۱/۱۹۸، درمختار مع الشامی: ۲/۱۲۵)

(۳) چاند کے ثبوت کے لیے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک شہر کا قاضی یا معتبر عالم یا چاند کمیٹی نے شرعی گواہی کی بنا پر روزہ رکھنے یا عید کا فیصلہ کیا اس وقت دو دیندار شروع سے اخیر تک حاضر ہوں، وہ دوسرے شہر کے قاضی یا مفتی یا چاند کمیٹی کے پاس جا کر گواہی دیں کہ فلاں قاضی یا ہلال کمیٹی کے پاس چاند کی شہادت دی اور انہوں نے اس کو قبول کیا، اور فلاں دن روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دیا اس وقت ہم بھی حاضر تھے، گواہوں میں قبول شہادت کی تمام شرائط موجود ہوں تو یہ دوسری ہلال کمیٹی شہادت علی القاضی کے مطابق ثبوت چاند کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ (درمختار مع الشامی: ۲/۱۲۸)

(۴) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں کثیر تعداد میں لوگوں کا بار بار آنا ہوتا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ فلاں شہر میں فلاں دن چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، یا عید کی ہے، تو اس کے مطابق بھی دوسرے شہر کی ہلال کمیٹی چاند ہونے کا فیصلہ کر سکتی ہے، مگر صرف افواہ کہ جس کا بیان کرنے والا معلوم نہ ہو تو وہ معتبر نہیں۔ (درمختار مع الشامی: ۲/۱۲۸)

(۵) مرض یا سفر کی بنا پر اصل گواہ، گواہی کے لیے حاضر نہ ہو سکتا ہو، تو اصل گواہوں میں سے ہر ایک اپنی گواہی پر دو دیندار مسلمانوں کو گواہ بنائے، اور وہ گواہ معتبر عالم یا ہلال کمیٹی کے سامنے جا کر اس طرح گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شخص نے فلاں جگہ اور فلاں رات خود چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے، لہٰذا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے مجھے اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے، لہٰذا میں گواہی پر گواہی دیتا ہوں''، جس کو شہادت علی الشہادۃ کہتے ہیں۔ (البحر الرائق: ۲/۲۶۷، جواہر الفقہ: ۴۰۰)

(۶) کتاب القاضی الی القاضی بھی ثبوتِ چاند کے لیے شرعاً معتبر ہے۔

"وإن كان بالسماء علة لا تقبل الا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ويشترط فيه الحريّة ولفظ الشهادة و تشترط العدالة". (الفتاوى الهندية : ۱/۱۹۸، هدايه)

(شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال) في ليلة كذا (وقضى) القاضي (به و وجد استجماع شرائط الدعوى قضى) أي جاز لهذا (القاضي) أن يحكم (بشهادتهما) . (الدرالمختار مع الشامية : ۲/۳۹۰، مكتبه سعيد)

(۱) لہٰذا جو ہلال کمیٹی کے معتبر علماء کے سامنے شرعی طریقے پر چاند کا ثبوت ہو، ان علماء کا فیصلہ ان کے حدود تک معتبر ہوگا، "احسن الفتاویٰ: ۴۴۹/۳" میں مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔

(۲) اشتہار کی حیثیت قطعی دلیل کے طور پر نہیں ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۰۳/۴) لہٰذا اس کے بعد بھی گواہی لینا درست ہے، اب جب کہ شرعاً عیدالاضحیٰ کا انتیسواں (۲۹) چاند ثابت ہوا ہے، تو قربانی کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔

(۳) ہلال کمیٹی کے سامنے گواہی کی بنا پر چاند ثابت ہوا، تو ہلال کمیٹی اس طرح اعلان کرے "ہمارے سامنے دو گواہوں نے خود فلاں دن چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے، ہمارے نزدیک گواہ دیندار اور معتبر ہونے کی بنا پر ان کی گواہی کے اعتبار سے ہم نے فلاں تاریخ کو چاند ہونے کا فیصلہ کیا ہے"۔

"شہادۃ علی الشہادۃ"، "شہادۃ علی القاضی" اور "کتاب القاضی الی القاضی" کی شرطوں کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔

(۵) معتمد اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق اختلافِ مطالع معتبر نہیں، لہٰذا مشرق میں کسی جگہ چاند دکھائی دیا ہو اور شمال میں رہنے والوں کے سامنے شرعی اصول کے مطابق چاند ثابت ہو، تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ (درمختار مع الشامی: ۳۱/۲)

لہٰذا حکومت کی جانب سے شرعی اصول کے مطابق رؤیت ہلال کا ثبوت حاصل کر کے خاص طریقے پر اعلان کرنے کا انتظام ہو تو ریڈیو کا اعلان معتبر ہوگا، اس شرط پر کہ مہینہ اٹھائیس کا یا اکتیس کا نہ ہوتا ہو۔

لـو استـفـاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب .... قـال الـرحـمتـي : معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعـددون كـل مـنهـم يـخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيـوع مـن غير علم بمن أشاعه كما قد شيع أخبار يتحدث بها سائر أهل البلدة و لا يعلم من أشاعها . (در مختار مع الشامية : ۲/۳۹۰)

" الشهـادة علـى الشهـادة في سائر الأحكام حيث لا تقبل ما لم يشهد على شهادة رجل واحد رجلان أو رجل وامرأتان لما ذكرنا أنه من باب الاخبار لا من باب الشهادة . كذا في البدائع " . (البحر الرائق : ۲/۲۶۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۸۲/۱۰/۲۴ء

(۱۲۲۳) عید کے چاند کے لیے ٹیلی گرام، ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبر

سوال: عید کے چاند دیکھنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ ٹیلی گرام، ٹیلیفون، اور ریڈیو کی خبر کے متعلق وضاحت فرمائیں۔

جواب: عید کے ثبوت کے لیے آسمان پر ابر ہو تو پابند شرع دو مسلمان مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں جو شریعت کے پابند ہوں، وہ کسی مفتی یا معتمد عالم کے سامنے اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں، تو ان کی گواہی سے چاند کا ثبوت ہوگا، اور اگر مطلع صاف ہو تو اتنے لوگوں کا چاند دیکھنا ضروری ہے کہ جن کو جھٹلایا نہ جا سکے، اور علماء کو ان کی گواہی پر اطمینان حاصل ہو، تو چاند کا فیصلہ کیا جائے۔ (الفتاویٰ الہندیۃ)

ٹیلی گرام، ٹیلیفون، اور ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ چاند کی خبر شرعاً گواہی شمار نہ ہوگی، اس لیے کہ عید کے چاند کی شہادت دینا اور شاہدوں کا عالم کے سامنے ہونا، ضروری ہے، مندرجہ بالا ذرائعِ ابلاغ میں بولنے والا مجلس میں موجود نہیں ہوتا، لہٰذا ان آلات کی خبر معتبر شمار نہ ہوگی، ریڈیو سے نشر

ہونے والی خبر جو صرف خبر کے طور پر ہوتی ہے، اس میں کوئی وضاحت نہیں ہوتی، لہٰذا ریڈیو کی خبر بھی معتبر نہ ہوگی۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۲۴) چاند کے ثبوت کے لیے ریڈیو یا ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار؟

سوال: ریڈیو کے ذریعہ اعلان کیا جائے کہ چاند ہوگیا، تو اس سے چاند ثابت مان کر دوسرے دن رمضان یا عید کرنا جائز ہے؟ یا ٹیلیفون سے اپنی پہچان والا شخص خبر دے کہ چاند ہوگیا تو اس کی بات مان کر رمضان یا عید کر سکتے ہیں؟

جواب: چاند کے ثبوت کے لیے ریڈیو کی خبر معتبر نہیں، ریڈیو کی خبر سے نہ تو رمضان ثابت ہوگا اور نہ عید کا چاند ثابت ہوگا، اگر ٹیلیفون کے ذریعہ چاند کی خبر ملے، آواز پہچانی جا سکے اور خبر پر اعتماد ہو تو خود روزہ رکھ سکتا ہے، مگر دوسرے کو روزہ رکھنے کے لیے نہیں کہہ سکتا، مگر ایسے شخص کو عید تمام مسلمانوں کے ساتھ ہی کرنا چاہیے، چاہے اکتیس روزے ہو جائیں، اگر ٹیلیفون کے ذریعہ عید کے چاند کی خبر ملے اور خبر دینے والا شخص معتبر ہو آواز بھی پہچانی جا سکتی ہو تو بھی روزہ نہ رکھنا درست نہیں۔

(کفایت المفتی: ۴/۲۰۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۲۵) ٹیلی فون کی خبر سے چاند کا ثبوت، روزہ رکھ کر عید کی نماز پڑھانا؟

سوال: ہمارے گاؤں میں عید کا چاند دکھائی نہ دینے کی وجہ سے قریب کے گاؤں میں تحقیق کے لیے گئے، تو وہاں بمبئی سے ان کے رشتہ داروں نے ٹیلیفون کے ذریعہ بمبئی میں چاند ہونے کی خبر دی تھی، تو اب ہمارے گاؤں میں بھی عید منائی گئی، تو کیا عید کی نماز درست ہوگی؟ امام نے روزہ رکھ کر عید کی نماز پڑھائی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب: آسمان میں اَبر ہونے کی حالت میں عید کے چاند کے لیے دو پابند شرع نیک لوگوں کی شہادت کا ہونا ضروری ہے، ٹیلیفون کی خبر میں خبر دینے والا دکھائی نہیں دیتا، وہ شخص سامنے نہیں ہوتا، حالاں کہ گواہی کے لیے سامنے موجود ہونا ضروری ہے، آواز کی پہچان شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا جن لوگوں نے ٹیلیفون کی خبر سے عید منائی ہے وہ شرعاً درست نہیں، اوران کی خبر کو مدار بنا کر آپ لوگوں کو عید کرنا درست نہیں تھا، فقہ کا اصول ہے" **والبناء على الفاسد فاسد** " فاسد پر بنا کرنا فاسد شمار ہوتا ہے۔(ہدایہ:۱۱۲)

کیا امام صاحب لوگوں کی زبردستی کے تابع ہوکر عید کی نماز پڑھانے پر مجبور نہیں ہوئے؟ فون کی خبر پر اعتماد کر کے جنہوں نے عید کی نماز پڑھی ان کی نماز ادا نہ ہوگی، اگر شرعی شہادت سے چاند ثابت نہ ہوا تو روزہ کی بھی قضا کرنا لازم ہے۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۲۶) ریڈیو کے ذریعہ چاند کی خبر

سوال: عید الفطر کا چاند بہت سی جگہوں پر دیکھا گیا اور بہت سے دیہاتوں میں گواہی کی بنا پر عید منائی گئی، پاکستان اور دوسری جگہوں سے ریڈیو کے ذریعہ چاند کا اعلان ہوا، مگر راندیر ہلال کمیٹی نے اعتبار کیوں نہیں کیا؟ اور دوسری جگہ چاند کی تحقیق کے لیے کیوں نہیں گئے؟ تا کہ ایک ہی دن عید ادا ہوتی؟

جواب: مسلمانوں کی عید دوسری قوموں کے تہوار کی طرح ایک تہوار نہیں ہے، بل کہ ایک عبادت ختم ہوکر دوسری عبادت شروع ہوتی ہے، جس میں شریعت کے بتائے ہوئے اصول کے خلاف کرنا جائز نہیں، خود کے نزدیک کوئی چیز چاہے کتنی یقینی ہو، مگر یہ یقین دوسروں پر ثابت کرنے کے لیے شرعی شہادت کا ہونا ضروری ہے، شرعی شہادت کے بغیر دوسروں کے لیے فیصلہ نہیں کر سکتے۔

ریڈیو کا اعلان شرعاً صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جن لوگوں نے چاند دیکھا ہو وہ ہلال کمیٹی (جس میں علماء بھی شامل ہوں ان) کے پاس جا کر خود چاند کی شہادت دیں، اور یہ ہلال کمیٹی

اس کو قبول کرے، اس کے بعد ہلال کمیٹی کی طرف سے چاند کے ثبوت کا ریڈیو پر اعلان کیا جائے کہ ''ہمارے سامنے چاند کی گواہی آئی ہے، اس کو منظور کر کے ہم اعلان کرتے ہیں''، اس طرح ریڈیو کا اعلان ہو تو عید منائی جائے، مگر آج کل بطور خبر کے اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہوا ہے، تو اس طرح کی خبر قبول نہ ہوگی، شرعاً یہ بھی حکم ہے کہ ایک جگہ چاند نہیں دکھائی دیا تو دوسری جگہ آدمی بھیج کر یا کسی اور طرح چاند کی خبر بھیجنا ضروری نہیں، مدینہ منورہ میں پہاڑوں پر چڑھ کر اور بہ تکلف چاند دیکھنے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا۔ (امداد الفتاوی: ۲/ ۹۸، نظام الفتاوی: ۲۲۸)

راندیر ہلال کمیٹی کے پاس کوئی معتبر گواہ نہیں آئے، جس کی بنا پر عید کا فیصلہ نہیں دیا، اسلام کے قرونِ اُولیٰ میں ایک ساتھ عید منائی جائے اس کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا، ایک ہی عید آگے پیچھے کئی مرتبہ ہوئی ہے، اور فی الحال بھی مکۃ المکرّمہ، یوکے، ہندوستان وغیرہ جگہوں میں ہر سال ہوتا ہے، پھر بھی راندیر ہلال کمیٹی نے اِمکان بھر کوشش کی تھی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۰/ ذیقعدۃ الحرام/ ۱۴۰۱ھ - ۱۰/ ۹/ ۱۹۸۱ء

(۱۲۲۷) ٹیلی فون یا خط کے ذریعہ چاند کی خبر

سوال: (۱) ہمارے گاؤں میں عید کا چاند نہیں دکھائی دیا، گاؤں میں کسی نے بھی نہیں دیکھا مگر دوسرے گاؤں سے ٹیلیفون سے خبر آئی کہ عید کا چاند ہو گیا، اور ٹیلیفون پر بات کرنے والے کی آواز بھی پہچانی جاتی ہے کہ بات کرنے والا کون ہے، تو کیا ٹیلیفون کی خبر معتبر ہے؟ اور اس خبر پر عید کرنا جائز ہے؟

(۲) ۲۹/ ویں شعبان کو رمضان کا چاند نہیں دکھائی دیا تو شعبان کے تیس دن پورے کر کے رمضان شروع کیا گیا، اس کے بعد بیس رمضان کو دوسری جگہ سے تحریری خبر آئی جس میں پانچ لوگوں کے نام تھے، مگر چاند دیکھنے والے گواہوں کے نام نہیں تھے، تو وہاں کے علماء نے اعلان کر دیا کہ ۲۹/ شعبان کو چاند ہو گیا تھا، تو کیا ایک روزہ کی قضا لازم ہے؟

جواب: (۱) ٹیلیفون کی خبر سے چاند کا ثبوت نہیں ہوتا، وہ خبر معتبر نہیں، البتہ رمضان کے چاند کے متعلق ٹیلیفون سے خبر آئے اور آواز پہچانی جائے، اور خود کو بھی چاند ہونے کا یقین ہو جائے، تو جس پر فون آیا ہے وہ روزہ رکھ سکتا ہے، مگر دوسرے کو روزہ رکھنے کے لیے نہیں کہہ سکتا، ٹیلیفون کے ذریعہ سے رمضان یا عید کے چاند کا ثبوت نہیں ہوتا، اور عید کا چاند ہو تو یقین ہی ہو جائے پھر بھی جس پر فون آیا ہے اس کو روزہ رکھنا اور عید نہ کرنا ضروری ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۰۴/۴)

(۲) چاند کے ثبوت کے لیے تحریری خط معتبر نہیں، اور اس سے چاند ثابت نہیں ہوتا، البتہ جب خط پر اعتماد ہو تو عمل کیا جا سکتا ہے، اس سال (۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء) رمضان کا چاند شرعی گواہوں سے ۲۹/ کا ثابت ہوا ہے، لہٰذا ایک روزہ کی قضا کرنا ضروری ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۸/ستمبر/۱۹۸۰ء

(۱۲۲۸) رمضان کے چاند کے لیے ٹیلی فون یا ریڈیو کی خبر

سوال: رمضان کے چاند کی رؤیت کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ ریڈیو، ٹیلی گرام یا ٹیلیفون کی خبر کے متعلق وضاحت فرمائیں۔

جواب: اسلامی احکام کا مدار چاند کی رؤیت پر ہے، چاہے خود دیکھے یا شرعاً چاند کی رؤیت ثابت ہو، اگر مطلع صاف نہ ہو، اَبر وغیرہ ہو، جس کی بنا پر عام رؤیت نہ ہو سکے تو دو دیندار، پابندِ شرع مسلمان مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں چاند کے رؤیت کی شہادت دیں، تو ان کی خبر اور بیان پر رمضان کے چاند کا فیصلہ کیا جائے، اگر مطلع صاف ہو، اَبر وغیرہ نہ ہو، تو اتنے لوگوں کا چاند دیکھنا ضروری ہے جن کو جھٹلایا نہ جا سکے، اور ان سب کے جھوٹا ہونے کا شک نہ رہے، تو رمضان کے چاند کا فیصلہ کیا جائے۔ (شامی، ہدایہ)

اگر مطلع صاف نہ ہو اور رمضان کے چاند کی خبر ٹیلیفون کے ذریعہ ملے، اور خبر دینے والے

کی آواز پہچانی جائے، اور خبر دینے والا معتمد شخص ہو، تو جس کو یہ خبر ملی وہ خود اس خبر پر عمل کر کے روزہ رکھ سکتا ہے، مگر دوسرے کو روزہ رکھنے پر جبر نہیں کر سکتا۔

مفتیٔ ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں: ''اگر دوسرے شہر میں کسی شخص کو رمضان کے چاند کی خبر ٹیلیفون پر ملے اور اس کو یقین ہو جائے کہ فلاں شخص کی آواز ہے اور اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، تو یہ شخص اپنے اس یقین پر اپنے نفس کے لیے عمل کر سکتا ہے، لیکن دوسروں کو نہیں کہہ سکتا کہ تم روزہ رکھو، اور نہ عام طور پر رمضان کے ثبوت کا حکم دیا جا سکتا ہے''۔

(کفایت المفتی: ۲۰۴/۴)

ریڈیو سے نشر ہونے والی خبر جس میں صرف خبر کے طور پر خبر دی جاتی ہے کہ فلاں جگہ پر چاند ہو گیا ہے، یا فلاں عالم نے چاند کا اعلان کیا ہے، اس کی وضاحت نہیں ہوتی کہ چاند دیکھنے والا کون ہے، اس کی شرعی حالت کیسی ہے، اور خبر نشر کرنے والا مسلمان ہے یا غیر مسلم، تو ریڈیو کی ایسی خبر سے رمضان ثابت نہ ہوگا، اور روزہ رکھنا جائز نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۲۹) دوسری جگہ سے چاند کی خبر آئی:

سوال: ''وانکانیر'' (کاٹھیاواڑ) کے اطراف میں ''ذی الحجۃ الحرام'' کا چاند دیکھنے کی کوئی گواہی نہیں ملی تھی، جامعہ حسینیہ (راندیر) کے طالب علم آئے، جن کے ساتھ وہاں کا فتویٰ بھی آیا کہ یہاں چاند کی شرعی گواہی ملنے کی بنا پر تاریخ: ۱۹۸۶/۶/۱۶ء، بروز سنیچر کو عید الاضحیٰ متعین کی گئی ہے، تو ہمارے لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہے، میری رائے یہ رہی کہ ''وانکانیر'' کے اطراف میں کسی بھی جگہ سے شہادت نہیں آئی ہے، اور پورے اطراف میں، ۱۹۸۶/۸/۱۷ء، بروز اتوار کو عید متعین کی گئی ہے، لہٰذا اس دن عید منائی جائے، تو جن لوگوں نے منگل کے روز قربانی کی، کیا ان کی قربانی درست ہوگی؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: ''کتاب القاضی الی القاضی'' کی شرطیں مدنظر رکھ کر شہادت نامہ لکھا جائے، تو اس پر مکتوب

الیہ کو عمل کرنا ضروری ہے، مگر جب تک شرعی شہادت نہ ہو صرف تحریر پر کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ تحریر میں ردّ و بدل ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا صرف معمولی تحریر یا خط عمل کے لائق شمار نہ ہوگا۔

(شامی: ۴/۴۸۹، ۳۹۰)

البتہ خط اور اشتہار اس طرح شائع کیا جائے کہ اس کے جھوٹے ہونے یا ردّ و بدل ہونے کا کوئی احتمال نہ ہو، تو اس پر عمل کرنا جائز ہوسکتا ہے، پھر بھی ایسی حالت میں بھی قطعی حجت نہیں ہوسکتی۔

(کفایت المفتی: ۴/۲۰۳)

آپ کے وہاں کسی نے چاند نہیں دیکھا اور شرعی گواہی بھی نہیں پہنچی، تو تاریخ: ۱۹/۸/۱۹۸۶ء، بروز منگل کو کی گئی قربانی اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ قبول کرلے گا، راندیر کا اشتہار آپ کو پہنچا تو دو دیندار شخصوں کو بھیج کر تحقیق کرنا آپ کے لیے ضروری تھا، تو آپ اپنی ذمہ داری نبھا نہ سکے۔

" لأن الخط مما يزور ويفتعل كما في مختصر الظهيرية " .(شامی: ۵/۳۷۰، مکتبہ سعید)

قال في الفتح : الختم أمر كان في زمانهم إذا كتب اسمه في الصك جعل اسمه رصاص مكتوبا و وضع نقش خاتمه كي لا يطرقه التبديل وليس هذا في زماننا . (شامی: ۴/۳۹۰، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۵/۸/۱۹۸۶ء

(۱۲۳۰) "فیجی" سے "نیوزی لینڈ" چاند کی خبر دینا اور اس پر عمل کرنا

سوال: یہاں "نیوزی لینڈ" میں اکثر اَبر اور بارش رہتی ہے، جس کی بنا پر آسمان صاف نہیں رہتا، لہٰذا رمضان اور عیدین کے چاند کے ثبوت میں ہر سال اختلاف ہوتا ہے، اس لیے کہ چاند کی رؤیت کا موقع ہی نہیں ملتا، یہاں سے "فیجی" قریباً تیرہ سو میل دور ہے، جو الگ ملک ہے، مگر دونوں کا وقت برابر ہے، دونوں ملک کے طلوع اور غروب میں تیس یا چالیس منٹ کا فرق رہتا ہے، اگر "فیجی" سے ہلال کمیٹی رمضان اور عیدین کے چاند کے متعلق خبر دے تو کیا "نیوزی لینڈ" کے لوگ اس پر عمل کر سکتے ہیں؟

جواب: اگر ''فیجی'' سے ہلال کمیٹی ''نیوزی لینڈ'' والوں کو ٹیلی گرام یا ٹیلیفون کے ذریعہ خبر دے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ رمضان اور عید کے چاند کے لیے ٹیلی گرام یا ٹیلیفون یا ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر نہیں، رمضان کے چاند کے لیے اگر ٹیلیفون سے خبر دی جائے اور یقین ہو کہ فلاں شخص کی آواز ہے، اور کوئی شک وشبہ نہ رہے، تو جس کو یہ ٹیلیفون ملا ہے وہ خود عمل کرسکتا ہے، مگر دوسرے کو روزہ رکھنے کے لیے نہیں کہہ سکتا، اور ٹیلیفون سے حاصل شدہ خبر پر نہ تو رمضان کا چاند ثابت ہوسکتا ہے اور نہ عید کا چاند، اور اگر عید کے چاند کی خبر ٹیلیفون سے ملے یا آواز کی پہچان بھی ہو جائے، اور یقین بھی حاصل ہو جائے، تو بھی روزہ افطار کرنا اور عید کرنا درست نہیں۔ (کفایت المفتی: ۴/۲۰۴)

اگر شاہد سامنے حاضر ہو اور آسمان صاف نہ ہو، تو ایسی صورت میں رمضان کے چاند کے لیے ایک مرد یا ایک عورت، اور عید کے چاند کے ثبوت کے لیے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، جو عادل ہوں، پابندِ شرع ہوں، وہ آکر گواہی دیں تو چاند کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، ہدایہ)

''فیجی'' سے ''نیوزی لینڈ'' خبر آنے کی دو صورتوں کا حکم لکھا گیا ہے، اور عام طور پر یہی دو صورتیں ہوتی ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی دوسری صورت خبر حاصل کرنے کی ہو، تو اس کو جاننے کے بعد اس کا حکم بتلایا جاسکتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۳۱) ایک ملک کی رؤیت کا دوسرے ملک میں اعتبار ہوگا؟

سوال: ''کِنگالی، رُواندہ''، ساؤتھ افریقہ میں دو چھوٹے ملک ہیں، پہاڑوں پر آباد ہیں، وہاں سے دریا قریباً پندرہ سو کلومیٹر دور ہے، جس میں ''یوگانڈہ، تانزنیہ، کانگو'' آباد ہیں، یہاں صبح صادق ۴/ بج کر تیس منٹ سے ۴/ بج کر ۴۵/ منٹ کے درمیان ہے، اور غروب ۶/ بج کر ۲۵/ منٹ پر ہوتا ہے، نو مہینہ بارش رہتی ہے، باقی مہینوں میں کبھی کبھی ہوتی ہے، ہمارے شہر میں ایک مسلم سوسائٹی جس کی شاخیں ہر شہر میں ہیں، ان کے اعلان کے مطابق رمضان اور عیدین ہوتی ہیں، کچھ لوگ سعودی عرب سے پڑھ کر آئے ہیں، جس کی بنا پر سعودی عرب کی پیروی کرتے ہیں، جو ہمارے ہاں سے بہت دور

ہے، ہوائی جہاز سے پانچ گھنٹہ کا راستہ ہے، اور وقت میں بھی ایک گھنٹہ کا فرق ہے، یعنی سعودی عرب ایک گھنٹہ آگے ہے، کینیا میں چاند کی رؤیت ہوتی ہے وہ پندرہ سو کلومیٹر دور ہے، ہمارے ہاں رؤیت نہیں ہوتی، اکثر تیس دن کا مہینہ ہوتا ہے، کبھی آسمان صاف ہو تو رؤیت ہوتی ہے، تو کچھ لوگ کینیا اور کچھ لوگ ہندوستان (جو ہمارے وقت سے ساڑھے تین گھنٹے آگے ہے) کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، یعنی وہاں کی رؤیت پر چاند کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں، تو کچھ لوگ مقامی حضرات کے ساتھ رمضان اور عید کرنا چاہتے ہیں، تو ہم کو کس کی پیروی کرنا چاہیے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''**صوموا لرؤيته و افطروا لرؤيته**'' .

(صحيح البخاري : ۱/۲۵٦)

چاند دیکھ کر روزہ رکھنا شروع کرو، اور چاند دیکھ کر افطار کرو، لہٰذا پابند شرع کچھ لوگوں نے چاند دیکھا اور انہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی بھی دی، تو اس جگہ کے تمام لوگوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح جس جگہ چاند دیکھا گیا وہاں سے دوسری جگہ شرعی طریقہ سے گواہی پہنچی، تو گواہی کا اعتبار کر کے دوسری جگہ کے لوگوں پر عمل کرنا ضروری ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: " **وقد تمسک بتعليق الصوم بالرؤية من ذهب إلى الزام البلد برؤية اهل البلد غيرها** '' . (فتح الباري شرح البخاري : ۴/۱۰۵)

علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " **وهو المعتمد عندنا وعند المالكية والحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرؤية فى حديث صوموا لرؤيته** '' .

(شامی : ۲/۳۹۳ ، مکتبہ سعید)

مگر یہ اس وقت ہے جب کہ رؤیت کی جگہ اتنی دور نہ ہو کہ وہاں کی رؤیت کا اعتبار کرنے پر یہاں مہینے کے دنوں میں ایک دن یا اس سے زیادہ کا فرق نہ ہوتا ہو، اور رؤیت کی جگہ پر چاند کا ثبوت شرعی طریقے پر ہوا ہو، اور وہاں سے شرعی طریقہ پر گواہی آئی ہو، تو اس رؤیت کا اعتبار ہوگا۔

اس بنا پر دور کے ممالک ایک جگہ کی رؤیت کی بنا پر دوسری کوئی ایسی دور جگہ کی رؤیت کا

فیصلہ نہیں کیا جائے گا، کہ جس سے مہینے کے دنوں کے شمار میں ۲۹/ یا ۳۰/ میں فرق آجائے، یعنی مہینہ ۲۸/دن کا یا ۳۱/دن کا ہوجائے، لہٰذا کسی جگہ کی رؤیت کا اعتبار کرنے سے اگر مہینہ ۲۸/ یا ۳۱/ دن کا ہوجاتا ہوتو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" ینبغي أن یعتبر اختلافها إن لزم التفاوت بین البلدتین بأكثر من یوم واحد، لأن النصوص مصرحة بكون الشهر تسعة وعشرین أو ثلاثین فلا تقبل ولا یعمل بها فیما أقل العدد ولا في ما أزید من أكثره " . (فتح الملهم :۳/۱۱۳)

یعنی مناسب یہ ہے کہ ایسی دور کی دو جگہوں میں ایک کی رؤیت کا اعتبار دوسری جگہ میں نہ ہوگا، جہاں چاند کی تاریخوں میں ایک دن سے زیادہ کا فرق ہو، اس لیے کہ نصوص میں صاف ہے کہ مہینہ ۲۹/کا یا ۳۰/دن کا ہوتا ہے (نہ کم نہ زیادہ)، لہٰذا ایسی جگہ کی گواہی پر عمل نہیں کیا جائے گا، جہاں کی گواہی پر عمل کرنے سے مہینہ ۲۹/دن سے کم یا ۳۰/دن سے زیادہ ہوجاتا ہو۔

آپ کے ہاں (کنگالی، رواندہ میں) جہاں سے بھی خبر آتی ہو، اگر ان دونوں جگہ کے درمیان چاند کی تاریخوں میں ایک دن کا فرق رہتا ہو، یعنی وہاں کا اعتبار کرنے سے مہینہ ۲۸/کا یا ۳۱/کا ہوجاتا ہوتو اعتبار نہیں کیا جائے گا، اگر اتنا فرق نہ ہوتو اگر ریڈیو کی خبر ہو، اور ریڈیو کی خبر کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ شرعی ثبوت کے بعد رؤیت کا اعلان کرتے ہیں تو اس پر عمل درست ہے۔

(رسالہ مسائل روزہ: ۳۸، رؤیت ہلال کا مسئلہ: ۹۶/۱۱۰، مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۵/شعبان المعظم/۱۴۱۹ھ

(۱۲۳۲) ایک ملک کی رؤیت سے دوسرے ملک میں چاند کا فیصلہ

سوال: انگلینڈ میں موسم کی خرابی کی بنا پر اکثر آسمان اَبر آلود رہتا ہے، جس کی وجہ سے رمضان اور عیدین کا چاند ثابت کرنے کے لیے ہر سال دوسرے ملک کی چاند کی خبر پر مدار رہتا ہے، مفتیانِ کرام سے اس کے متعلق استفتاء کیا گیا تو قریبی مسلم ملک کی رؤیت پر عمل کرنے کو احوط بتلایا گیا، لہٰذا

ہم ''مراکش'' کی خبر پر عمل کرتے ہیں، مگر وہاں کی خبر بہت تاخیر سے آتی ہے، جس سے تشویش رہتی ہے، اور لوگوں میں انتظار رہتا ہے، تو کیا ہم سعودی عرب کے ریڈیو کی خبر پر عمل کر سکتے ہیں؟

جواب: سعودی عرب میں مذہب حنفی پر عمل نہیں ہے، اور احناف اور دوسرے مسلکوں میں چاند ثابت کرنے کے طریقے الگ الگ ہیں، جیسے کہ فقہ کی کتابیں اور فتاویٰ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، اور احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ ایک ملک کی رؤیت سے دوسرے ملک میں چاند ثابت ہوتا ہے، جسے فقہ کی اصطلاح میں یوں کہا جاتا ہے کہ ''اختلاف مطالع شرعاً معتبر نہیں''۔ (درمختار مع الشامی:۲/۱۳۱)

مگر متأخرین احناف نے دور کے ملکوں میں، مثلاً علامہ فخر الدین عثمانی زیلعی رحمہ اللہ نے ''تبیین الحقائق:۱/۳۲۱'' میں، ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے ''بدائع الصنائع:۲/۸۳'' میں، علامہ آفندی رحمہ اللہ نے ''مجمع الانہر:۱/۲۳۹'' میں، اور آخری دور کے بلند درجہ کے محقق علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ''العرف الشذی:۳۰۳'' میں، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ''فتح الملہم:۳/۱۱۳''، وغیرہ نے اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے، لہٰذا ہر جگہ کے لوگوں کا اپنی رؤیت کا اعتبار ہوگا، دوسرے لوگوں کی رؤیت پر عمل کرنا لازم نہیں، جمعیۃ علماء ہند کے ۱۳۷۰ھ کے اجلاس میں کچھ شرطوں کے ساتھ ریڈیو کی خبر معتبر ہونے کا فیصلہ کیا گیا ہے، مگر یہ بھی ہندوستان و پاکستان کے لیے ہے، فیصلے کی عبارت: ''یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لیے ہے'' یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم دور کے ملکوں کے لیے نہیں۔ (رؤیت ہلال رمضان وعید کے مسائل ودلائل:ص/۱۰۰، از مولانا محمد میاں صاحب)

لہٰذا انگلینڈ کے لیے سعودی عرب حکومت کا فیصلہ خصوصاً عیدین کے لیے شرعاً معتبر نہ ہوگا، شرعی اصول کے مطابق علمائے کرام جس دن کو عیدین کے لیے متعین کریں، وہی آپ کے لیے عید کا دن ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه ؛ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ''الصوم يوم تصومون ، والفطر يوم تفطرون ، والأضحىٰ يوم تضحون '' .

(جامع الترمذي : ۱/۸۸)

’’روزے کا دن وہی ہے جس میں تم روزہ رکھو، اور عید الفطر کا دن وہی ہے جس میں تم عید مناؤ، اور قربانی کا دن وہی ہے جس میں تم قربانی کرو‘‘۔

اس بنا پر شریعت مطہرہ نے اصل بنیاد رؤیت یا شرعی شہادت پر رکھی ہے، یا دوسری صورت میں تمہارے قریب اسلامی ملک ’’مراکش‘‘ ہے، وہاں سے تحقیق کر کے عمل کیا جائے، زیادہ شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، علماء کا اجماع ہے کہ دور دور کے ممالک مثلاً ’’حجاز‘‘ اور ’’اندلس‘‘ میں ایک جگہ کی رؤیت کا اعتبار دوسرے ملک میں نہیں کیا جائے گا۔

أجمعوا انه لا يراعىٰ ذلک في البلدان النائية کالاندلس والحجاز .

(بداية المجتهد: ۲۷۸)

لہذا آپ حضرات کے لیے قریبی ملک کا اعتبار کیا جائے گا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۳۳) ماہر فلکیات کی گنتی کے مطابق چاند کی تاریخ متعین کرنا:

سوال: عموماً مسلمان چاند دیکھ کر مہینہ شروع کرتے ہیں، اور رؤیت ہلال کے بارے میں شریعت نے کچھ اصول بتائے ہیں، جس کے بغیر چاند ثابت نہیں ہوتا، پھر بھی مسلمانوں میں بعض فرقے رؤیت ہلال کا اہتمام نہیں کرتے، بل کہ ماہر فلکیات کی خاص گنتی کے مطابق چاند کی تاریخ متعین کر لیتے ہیں، اور اسی کے مطابق رمضان اور دوسرے مہینے شروع کرتے ہیں، اور تیس روزے پورے کر کے چاند دیکھے بغیر عید کر لیتے ہیں، اسی طرح ذی الحجہ کا چاند ثابت ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، عید الاضحیٰ بھی کر لیتے ہیں، چاند دیکھنے اور ان تاریخوں کے درمیان بہت فرق رہتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ماہر فلکیات کی گنتی کے مطابق چاند کی تاریخ متعین کر لینا، جیسے کہ مصری تاریخ، اور اس کے مطابق چاند دیکھے بغیر رمضان شروع کرنا اور عید کرنا شرعاً جائز ہے؟ اسی طرح ذی الحجہ کی تاریخیں متعین کر کے چاند دیکھے بغیر ۹؍ذی الحجہ متعین کر کے فریضۂ حج ادا کرنا وقت سے پہلے شمار ہوگا؟ اور وقت سے پہلے کسی فرض کی ادائیگی شرعاً معتبر ہے؟ موجودہ زمانے میں حج کی

تاریخیں جو متعین کی جاتی ہیں وہ مصری تاریخ کے ذریعہ متعین کی جاتی ہیں، یا رؤیت ہلال کے ذریعہ متعین کی جاتی ہیں؟

جواب: حدیث شریف میں ہے: " **صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته ..... فان اغمى عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلثين** " . (صحيح البخاري : ١/٢٥٦)

دوسری حدیث میں ہے: " **نحن امة اميّة لا نكتب ولا نحسب ، الشهر هكذا وهكذا ، يعنى مرة تسعا وعشرين ومرة ثلثين** " . (بخاري : ١/٢٥٦، مسلم : ١/٣٤٧)

مذکورہ حدیثوں میں عمل کا مدار رؤیت ہلال پر رکھا گیا ہے، چاند کے آسمان پر موجود ہونے کو معیار نہیں بنایا، حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے الفاظ " **أغمى عليكم** " جب چاند نہ دکھائی دے تو تیس کا عدد پورا کرو، یہ بتلاتا ہے کہ چاند آسمان پر موجود نہ ہو اور تم کو دکھائی نہ دے تو بھی تیس کا عدد پورا کرو، " **أكملوا عدة ثلاثين** "جس سے صاف معلوم ہوا کہ چاند کا صرف آسمان پر موجود ہونا شرعاً معتبر نہیں، بل کہ شرعاً رؤیت ضروری ہے، ترمذی میں ہے: **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لا تصوموا قبل رمضان ، وصوموا لرؤيته ، وأفطروا لرؤيته ، فان جاء ت دونه غيابة**[١] **فاكملوا ثلثين يومًا** " .

(جامع الترمذي : ١/١٠٧)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز رؤیت ہے، نہ کہ چاند کا آسمان پر ہونا، ان وجوہات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ بذریعہ ہوائی جہاز بادلوں کے اوپر چاند کا دیکھنا، یا جنتری کے ذریعہ یا اور کوئی آلہ کے ذریعہ چاند کا دیکھنا، یا شمار کے مطابق چاند کی تاریخ متعین کرنا، اور ماہر فلکیات کی گنتی کے مطابق چاند کا ثبوت مان لینا اور اس کے مطابق عمل کرنا، یہ تمام طریقے شریعت کے ساتھ مطابقت نہیں کرتے، جنتری اور ماہر فلکیات کے اصولوں سے چاند کی رؤیت کا اعتبار نہیں۔

---

(١) (الغيابة كل ما أخل الانسان كالسحامة أو الغيرة ؛ المنجد ماده غى)

" انا امة امية لا نكتب و لا نحسب .. الخ" کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ طیبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: " ان الاستقصاء في معرفة الشهر لا إلى الكتاب والحساب كما عليه أهل النجامة " . (مرقات شرح مشكوة : ۲۴۴/۴)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح ان الفاظ میں کی ہے: " وإن العمل ما يعتاده المنجّمون ليس من هدينا و سنّتنا بل علمها يتعلق برؤية الهلال فإنا نراه مرة تسعا و عشرين و مرة ثلثين (أيضا) " .

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے: " لا يعتبر قولهم (قول المنجّمين) بالاجماع ، ان الشارع لم يعتمد الحساب بل ألغاه بالكلية . (رد المحتار : ۹۲/۲)

خلاصہ یہ کہ حساب یا دوسرے آلات پر بھروسہ کرنا شرعاً معتبر نہیں، مگر رؤیت ہلال کے لیے غیر ضروری طریقے اختیار نہ کیے جائیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ گھروں میں بیٹھے رہیں اور چاند دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کریں، بل کہ حتی الامکان چاند دیکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے، اور رمضان کے چاند کا شعبان سے اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے: " احصوا هلال شعبان لرمضان " . (جامع الترمذي : ۱۰۷)

اور جس کو چاند دکھائی دے اس کی شرعاً ذمہ داری ہے کہ مفتی یا چاند کمیٹی کے سامنے حاضر ہو کر چاند دیکھنے کی شہادت دے اور اپنا فریضہ ادا کرے۔

یہاں ایک غلط فہمی بھی دور کی جاتی ہے، کہ بعض لوگوں کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ پوری دنیا میں ایک ہی دن عید منائی جائے، اور ایک ہی دن سے رمضان شروع ہو، مگر یہ ممکن نہیں، اس لیے کہ دنیا کے مشرق اور مغرب اور چاروں کناروں کے درمیان اتنا لمبا فاصلہ ہے کہ ایک جگہ پر سورج غروب ہوتا ہے اور چاند دکھائی دیتا ہے، تو دوسری جگہ اسی وقت سورج طلوع ہوتا ہے اور کسی جگہ نصف دن ہوتا ہے، تو جس جگہ عید کا چاند دکھائی دیا اور عید کا فیصلہ کیا گیا، تو دوسری جگہ جہاں زوال ہوا اور ظہر کا وقت شروع ہوا، تو عید کی نماز کا وقت بھی ختم ہو چکا ہوتا ہے، تو وہاں عید منانے کا فیصلہ کس طرح کیا

جائے؟ اور دوسری ایک بات بھی قابل غور ہے کہ عید فقط ایک تہوار نہیں ہے کہ جس میں آن بان اور شان کا اظہار کیا جائے، رنگ رَلیاں منائی جائیں، بل کہ عید؛ اطاعت، فرماں برداری اور عبادت میں داخل ہے، تو ایسے کام کیے جائیں جن میں عبدیت کی شان ظاہر ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کا مکمل پاس ولحاظ رکھا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " **لا تصوموا حتى تروا الهلال ، ولا تفطروا حتى تروه** ". (صحيح البخاري: ١/٢٥٦)

ایک دوسری حدیث میں ہے: " **صوموا لرؤيته ، وأفطروا لرؤيته ، فإن أغمي عليكم فاقدروا ثلثين** ". (الصحيح لمسلم: ١/٣٤٧)

یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اگر ابر وغیرہ کی بنا پر چاند نہ دکھائی دے، تو مہینے کے تیس دن پورے کرو۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام)

یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور مہینہ کبھی انتیس (۲۹) کا ہوتا ہے اور کبھی تیس (۳۰) کا۔

مذکورہ حدیثوں کی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ شریعت میں یا تو چاند دیکھنا دلیل ہے، یا چاند دیکھنے کی شرعی شہادت دلیل ہے، ان دو چیزوں کے ذریعہ سے چاند ثابت ہوسکتا ہے، اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو تیس دن پورے کیے جائیں، لہٰذا ماہر فلکیات کی گنتی یا مصری تاریخ یا جنتری پر عمل کر کے رمضان یا عید کرنا جائز نہیں، حج کی تاریخیں چاند دیکھ کر متعین کی جاتی ہیں۔

(ماخوذ از امداد الفتاوی: ۲/۹۰-۹۱، فتاویٰ سنگرہ: ۲/۳۱۰) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۲۳۴) چاند کے متعلق ماہر فلکیات کی گنتی کو ترجیح دینا

سوال: یہاں برطانیہ میں عوام اور بعض علماء کا عقیدہ ہے:

(۱) اوبزرویٹری (Observatory) کی پیشگوئی اور ان کا حساب محقق ہونے کی بنا پر

عمل کرنا ضروری ہے۔(۲)اوبزرویٹری (Observatory) کی پیشنگوئی کے خلاف چاند ہونے کے امکان سے پہلے اگر چاند کے ثبوت کی گواہی دی جائے تو وہ ردّ و باطل ہوگی۔(۳) چاند دیکھنے کی شہادت وہی معتبر ہوگی جو حساب کے مطابق چاند ہونے کے امکان کے بعد دی جائے، اور وہ بھی معتبر ہوگی جو اوبزرویٹری (Observatory) بتائے۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ اپنے عقیدہ کے مطابق سائنٹیفک تحقیقات اور انسان کے بنائے ہوئے ٹیکنیکل آلات اور گنتی بالکل صحیح اور محقق مان کر رؤیت ہلال کا مدار رکھتے ہیں، اور ان کے حساب یا متعینہ وقت سے پہلے کہیں سے بھی چاند ہونے کا شرعی ثبوت مل جائے، یا مفتیانِ کرام کی طرف سے چاند کا اعلان کیا جائے، تو بھی یہ لوگ ٹیکنیکل آلات اور اوبزرویٹری (Observatory) کی پیشنگوئی پر اعتماد رکھ کر خود عمل کرنے پر مجبور کرتے ہیں، تو یہ دین میں نئی بات ایجاد کرنا شمار ہوگا یا نہیں؟ ان کو مسجد و مدرسہ کے ذمہ دار بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث سے مفصل جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: شریعت مطہرہ میں روزے اور عید کا مدار رؤیت ہلال پر رکھا گیا ہے، کہ چاند دیکھا جائے یا شرعی گواہی سے چاند ہونا ثابت ہو، تو رمضان کے روزے شروع کیے جائیں اور عید منائی جائے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر ''بخاری شریف'' میں یہ باب قائم کیا ہے کہ ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ ختم کرو''۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور افطار نہ کرو، اگر ابر کی بنا پر چاند نہ دکھائی دے تو تیس دن پورے کرو''۔ اور فرمایا: ''جس نے یوم الشک میں روزہ رکھا، اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی''۔ (بخاری شریف: ۱/۲۵۵)

مختار اور پسندیدہ مذہب جس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ تیس دن پورے کرو، بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس سے مقصد چاند کی رفتار کا اندازہ اور ستاروں کے ذریعہ حساب کا بیان ہے، مگر یہ قول درست نہیں ہے، یہ کاہنوں کا قول ہے، جس کا اعتبار نہیں۔

'' و قال بعضهم : إن المراد تقدير منازل القمر والضبط حساب النجوم و هذا القول صديد فإن قول المنجّمين لا يعتمد عليه ''. (حاشيه بخاري : ۱/۲۵۶)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: " لا اتبـــاع قــول مــن ادعـى عـلـم حـروف المهجات لأنه في معنى الكاهن ". (شرح فقہ اکبر:ص/۱۳۵)

جولوگ علم حساب کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی اتباع نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ یہ نجومیوں کا حساب ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: " ان أحكام النجومين تخمين محض ".

(شامی : ۱/۴۵)

لہٰذا سوال میں عوام اور علماء کا رؤیت ہلال کے بارے میں جوعقیدہ تحریر کیا گیا ہے، وہ شرعاً اور عقلاً درست نہیں، اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل خلاف ہے۔

"باب قول النبي صلى الله عليه وسلم : اذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فـافـطـروا ، و قـال صِـلَةُ عن عمارمن صام يوم الشک فقد عصى ابا القاسم صلى الله عليه وسلم ".

عـن نـافـع عـن عبدالله ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر رمـضـان فـقـال : " لا تـصـومـوا حتى تروا الهلال و لا تفطروا حتى تروه فإن غم عليكم فاقدروا له ". (صحيح البخاري: ١/٢٥٥/٢٥٦)

" الـمـختار الذي عليه الجمهور أن المراد قدروا له تمام ثلاثين واكملوا هـذا الـعـدد فـي الشهـر الذي كنتم فيه ، قال في المواهب : هذا مذهبنا و مذهب مـالک و أبـي حـنيـفة وجـمهـور السـلف والخلف ، و قال بعضهم : إن المراد تقدير مـنـازل الـقـمـر وضبط حساب النجوم ، وهذا القول غير سديد فإن قول المنجّمين لا يعتمد عليه ". (حاشیۂ بخاری : ١/٢٥٦)

" الـكـاهـن السـاحـر و المنجّم إذا ادعى العلم بالحوادث الآتية فهو مثل الكاهن و لا اتباع قول من ادعى علم الحروف المهجات لانه فى معنى الكاهن".

(شرح الفقه الاكبر: ١٣٥)

اوبزرویٹری (Observatory) کی پیشنگوئی اوران کی گنتی کے یقینی اوراجماعی ہونے کا عقیدہ رکھنا شریعت کےخلاف ہے۔ **لقوله عليه السلام :**

" صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته ".

اور اوبزرویٹری (Observatory) کےخلاف شرعی گواہی کو نہ ماننا اور ردّ کرنا شرعی اصول کےخلاف ہے۔

" إن أحكام النجومين تخمين محض ". (شامی: ۱/۴۵)

اوبزرویٹری (Observatory) کے بالمقابل شرعی گواہی قبول نہ کرنا اور مفتیانِ کرام کےفتوے کو نہ ماننا اس میں فسق کی بوآرہی ہے، علماء یہاں تک فرماتے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کو یوں کہے کہ اس معاملے میں شریعت کا حکم یہ ہے، اوراس کے جواب میں یوں کہا جائے کہ ''میں رسم ورَواج پرعمل کرتا ہوں شریعت پرنہیں''، تو بعض علماء کےنزدیک وہ کافر ہوجاتا ہے۔

" إذا قال الرجل لغيره : حكم الشرع في هذه الحادثة كذا فقال : ''من برسم کارمی کنم نہ بشرع'' **يكفر عند بعض المشائخ ".** (الفتاوى الهندية: ۲/۲۷۲)

ایسے عقیدہ رکھنے والےکومسجد اور مدرسہ کا ذمہ دار بنانا درست نہیں ہے، جواحادیث کے بالمقابل دنیوی گنتی کوترجیح دیتا ہو۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳۱/جولائی/۲۰۰۰ء

(۱۲۳۶) چاند کی رؤیت کواوبزرویٹری (Observatory) پر پرکھنا:

سوال: چاند کی رؤیت کواوبزرویٹری (Observatory) پر پرکھنا ضروری ہے، اس کے موافق ہو توعمل کیا جائے، ورنہ نہیں؟ یاصرف دیندار مسلمانوں کی رؤیت کا اعتبار کیا جائے؟

جواب: آپ کا سوال ''چاند کی رؤیت کواوبزرویٹری (Observatory) پر پرکھنا ضروری ہے''

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ علم نجوم پر عمل کرنا ہمارا طریقہ نہیں، بل کہ ہمارا مدار رؤیتِ ہلال یا رؤیت ہلال کی شرعی شہادت پر ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " إنا أمة امية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا ". (السنن لأبی داود : ۳۱۷)

بالفاظِ دیگر شریعت نے چاند ثابت ہونے کا مدار چاند کی گنتی پر اس لیے نہیں رکھا کہ- وہ گنتی کتنی بھی محقق کیوں نہ ہو، مگر اس میں غلطی کا امکان رہتا ہے، لہٰذا شریعت مطہرہ نے چاند کے ثابت ہونے کا مدار رؤیت یا شرعی شہادت پر رکھا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول:" الدین یُسرٌ" کے بالکل موافق ہے، لہٰذا رمضان اور عیدین کے چاند کے لیے اوبزرویٹری (Observatory) کی رؤیت کا بالکل اعتبار نہ ہوگا، چاہے اس کی گنتی میں کبھی بھی غلطی نہ ہوئی ہو۔ (درس ترمذی) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/۱/۱۹۸۷ء

(۱۲۳۷) چاند کمیٹی کے اراکین کیسے ہونے چاہیے؟

سوال: "کٹھور" میں رمضان کے چاند کی خبر کچھ لوگوں نے دی جنہوں نے خبر دی وہ ہمارے گاؤں کے عالم کے پاس آئے تو انہوں نے قبول نہ کیا اور کہا: جب تک خبر لانے والے کے ساتھ بالمشافہ بات نہ کروں وہاں تک قبول نہیں کروں گا، بعد میں "کھولوڑ" گاؤں میں مائک میں چاند کا اعلان سنا تو سب لوگ تیار ہوگئے کہ "کھولوڑ" میں اعلان ہو رہا ہے تو اس اعتبار سے یہ خبر برابر ہے، تو اب آپ اس کا خلاصہ تحریر فرمائیں! گاؤں میں چاند کمیٹی رکھنا کیسا ہے؟ اس کے کیا شرائط وضوابط ہیں؟

جواب: شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایک شہر یا گاؤں میں روشنی یا مائک کے ذریعہ چاند کا اعلان کیا جائے تو دوسرے گاؤں والوں کو اس کو قبول کرکے روزہ رکھنا ضروری ہے، لہٰذا آپ کے گاؤں کے عالم صاحب نے قریبی گاؤں کے مائک کے ذریعہ سے دی ہوئی خبر کو قبول کیا یہ مناسب ہے۔

" والظاهر انه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن و غلبة الظن حجة موجبة للعمل" .

(رد المحتار : ٢/٣٨٦، مكتبه سعيد)

چاند کمیٹی کے اراکین دیندار، پابند شرع ہونا چاہیے، بہتر تو یہ ہے تمام اراکین عالم ہوں، اور یہ نہ ہوسکے تو کم از کم کمیٹی میں ایک عالم کا ہونا ضروری ہے، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی بناء پر دیندار، مسائل سے واقفیت رکھنے والا عالم، رؤیت ہلال میں مسلمان حاکم کے حکم میں ہے، لہٰذا دیندار عالم کے پاس شرعی گواہی ثابت ہونے کے بعد وہ چاند کا اعلان کرے تو اس پر گاؤں واطراف کے لوگوں کا عمل کرنا ضروری ہے۔

" والعالم الثقة في بلدة لا حاكم فيه قائم مقامه "

(عمدة الرعاية : ١/٣٠٩ ، احسن الفتاویٰ : ٣٤٢/٢) فقط

واللہ اعلم بالصواب

٢٣/رمضان/١٤٠٠ھ

(١٢٣٨) تیسویں کو چاند نہ دکھائی دے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ذیل کے مسئلہ میں کہ جن لوگوں نے ٢٩/ذیقعدۃ الحرام بروز بدھ ذی الحجہ کے چاند کے ہوجانے کا اعلان کرکے ١٦/اگست ١٩٨٦ء سنیچر کے دن عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لی اور قربانی بھی کرلی، اس اعتبار سے ٥/ستمبر ١٩٨٦ء بروز جمعہ ذی الحجہ کی تیس تاریخ ختم ہوگئی، ادلۂ شرعیہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ چاند یا تو انتیس کا ہوتا ہے یا تیس کا، تو ٥/ستمبر ١٩٨٦ء بروز جمعہ تیس دن مکمل ہوگئے، اور آسمان صاف تھا اس کے باوجود محرم کا چاند نہیں دکھائی دیا اور نہ کسی جگہ سے شرعی گواہی آئی، اس صورت میں ٥/ستمبر کو ذی الحجہ کی انتیس تاریخ مانی جائے یا تیس؟ اگر تیس مانی جائے تو چاند نہ ہونے کی صورت میں جن لوگوں نے ١٦/اگست بروز سنیچر عید کی نماز پڑھی اور قربانی کی، تو شرعاً ان کی نماز اور قربانی کا کیا حکم ہے؟ اور محرم الحرام ١٤٠٧ھ عاشورہ کا دن کونسا دن شمار ہوگا؟ دلائل

شرعیہ سے جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: فقہائے کرام کا متفق علیہ اصول ہے کہ ذی الحجہ کا چاند ابَر ہونے کی صورت میں دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے۔

"والأضحیٰ کالفطر أی هلال ذی الحجة کهلال شوال فلا یثبت بالغیم إلا برجلین أو رجل وامرأتین" . (البحر الرائق: ۲/ ۲۶۹، الفتاوی الهندیة: ۱۹۸)

اس اصول کو مدنظر رکھ کر ۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ آسمان ابر آلود ہونے کی بناء پر تین معتبر گواہوں کی قسمیہ گواہی پر ذی الحجہ کے چاند کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

اب ذی الحجہ کے تین دن ختم ہونے کے باوجود محرم کا چاند نہیں دکھائی دیا تو اس میں بے چینی و پریشانی کی کوئی وجہ نہیں، حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هریرة أن النبي صلى الله علیه وسلم قال: " الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون". قال أبوعیسیٰ: هذا حدیث غریب حسن، وفسر بعض أهل العلم هذا الحدیث فقال: إنما معنی هذا الصوم والفطر مع الجماعة وعظم الناس. (الجامع للترمذی: ۱/ ۸۸، السنن لأبی داؤد: ۳۱۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزہ کا دن وہی ہے جس میں تم روزہ رکھو اور عید الفطر کا دن وہی ہے جس میں تم عید مناؤ، اور عید الاضحیٰ کا دن وہی ہے جس میں تم قربانی کرو۔"

یعنی شرعی ثبوت کے بعد عید منائی اور قربانی کرلی تو عید اور قربانی صحیح ہوگئی، اب شک وشبہ میں مبتلا نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ اصل مدار شرعی ثبوت پر ہے۔

فقہ کا مسئلہ ہے کہ حاجیوں نے وقوف عرفہ کرلیا اس کے بعد کچھ لوگوں نے گواہی دی کہ حاجیوں نے دسویں ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کیا ہے۔ (گواہوں نے گواہی دی کہ ذیقعدہ کے ۲۹/ دن ہوئے تھے اور نویں کو وقوف عرفہ کرنا ہے مگر لوگوں نے تیس کا چاند شمار کرکے جو وقوف کیا ہے وہ غلط ہے، چاند ۲۹/ کا ہوا ہے، لہٰذا وقوف عرفہ دسویں کو ہوا) تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور

مسلمانوں نے اپنے اجتہاد اور مشورے سے جو وقوف عرفہ کیا ہے اللہ کے نزدیک معتبر ہے، اور حج صحیح ہو گیا، ورنہ اگر گواہی قبول کی جائے، تو سخت تکلیف اور حرج میں مبتلا ہونا پڑے گا، لہٰذا شریعت نے گواہی کا اعتبار نہیں کیا۔

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ ...... اهل عرفة اذا وقفوا فى يوم و يشهد قوم انهم وقفوا يوم النهر أجزأهم . (هداية : ۲۸۳)

" ان وقت الوقف بعرفة عند الله اليوم الذى يقف فيه الناس عن اجتهاد ورأى انه يوم عرفة فلو لم يحكم بالجواز بعد الاجتهاد لزم الحرج الشديد وقد نفاه بفضله الغنى عن المسلمين " . (فتح القدير : ۸۶/۳)

لہذا شرعی ثبوت کی بنا پر علماء حق نے چاند ثابت ہونے کا فیصلہ کیا کہ عید اور قربانی صحیح ہوگئی، حدیث شریف میں ہے: " ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن "، یعنی جو کام نیک، دیندار، پابند شرع مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲۲۰/۶)

یوم عاشورہ پندرہ ستمبر پیر کے دن متعین کیا گیا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۵/محرم الحرام/۱۴۰۷ھ

(۱۲۳۹) اختلاف سے بچنے کے لیے دسویں کے بجائے گیارہویں کو عید کرنا؟

سوال: ۱۴۱۴ھ کی عید الاضحیٰ بروز سنیچر ۲۱/۵/۱۹۹۴ء کو منائی گئی، مگر بہت سے لوگوں نے جہالت کی بنا پر ۲۹/ذیقعدہ کے چاند کا فیصلہ رد کر دیا اور گجرات کے بڑے بڑے شہر، بل کہ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں نے حتی کہ ایک مکان میں الگ الگ دن دو عیدیں منائی گئیں، اور جن لوگوں نے عید کی نماز بروز سنیچر پڑھی، ان میں اکثر لوگوں نے عید کی نماز بادلِ نخواستہ پڑھی، اور قربانی بروز اتوار کی، حالاں کہ قربانی کے لیے افضل دن عید کا دن ہے، اور امت میں عید کا جو شوق ہوتا ہے خصوصاً عید الاضحیٰ میں (ایام تشریق میں) لوگوں کو عبادت کا شوق اور مسجد سے لگاؤ جو ہر سال رہتا ہے وہ اختلاف کی بنا پر نہ رہا اور امت کے ناسمجھ اور جاہل لوگوں نے چاند کا فیصلہ کرنے والوں کو ہی نہیں، بل کہ پوری دعوت کی

محنت کرنے والوں اور عقائدِ دیوبند والوں کو برا بھلا کہا، بل کہ جنگ وجدال تک کی نوبت پہنچی، کتنے لوگوں نے مسجد میں آنا تک چھوڑ دیا، تو کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اب آئندہ ایسا موقع آئے تو مصلحتاً دسویں کے بجائے گیارہویں کو عید کی نماز پڑھی جائے، کیا شرعاً ایسا کرنا صحیح ہے؟ تا کہ امت میں اتحاد واتفاق باقی رہے، جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے۔

ایسے اختلاف کے موقع پر اسلام دشمن لوگ ہنسی مزاق کرتے ہیں اور دل سے ایسی نا اتفاقی کو پسند کرتے ہیں، تو اس طرح اختلاف کر کے دشمن کو خوش کریں گے، جاہل اور بے دینوں کے ساتھ دیندار بھی کچھ نہیں سمجھ سکتے؟

خصوصاً ہمارے ''داہود'' شہر میں جس میں مختلف قومیں، پٹھان، سید، ملک، قریشی وغیرہ رہتے ہیں، جب ایک ہی دن عید کی نماز پڑھی جاتی ہے تب غلط فہمی والے (بدعتی) وغیرہ ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز، عید کی نماز پڑھتے ہیں اور دین کی باتیں سنتے ہیں، وہ عقائد دیوبند سے مانوس ہوکر قریب آرہے ہیں، اور دعوت کے کام سے نفرت اور دشمنی دور ہورہی ہے، تو اب ایسے اختلاف کی بناء پر یہ دوسرے مسلک والے اہل دیوبند سے دور ہورہے ہیں، تو کچھ سمجھدار لوگوں کا کہنا ہے کہ جب ایسا موقع اور اختلاف پیدا ہو تو گجرات کے لوگ جس دن بھی عید منائیں مگر ہمارے قصبہ کے لوگ جمع ہوکر آپس میں ایک عید منائیں، اگر نا سمجھ اور دعوت کے کام سے الگ رہنے والے لوگ ان کی اکثریت یا اقلیت کی بناء پر نہ مانیں، تو دسویں کے بجائے گیارہویں کو عید کی جائے، تو ایسا کرنا صحیح ہے؟ تا کہ اتفاق واتحاد باقی رہے؟ تفصیلاً جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: اس سال ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴ء کو عید الاضحیٰ کے موقع پر چاند کے متعلق جو اختلاف ہوا، اور دو دن عید کی نماز ادا کی گئی یہ بہت رنج کی بات ہے، الحمد للہ علماء حق ہمیشہ اتفاق اور اتحاد کے لیے کوشش کرتے رہتے ہیں، مگر جہاں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہو، وہاں اس کے خلاف کرنا اور کسی کی بات ماننا جائز نہیں۔

قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ

اَمْراً اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ . (سورة الاحزاب: ٣٦)

ترجمہ: ’’جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو مومن مرد اور مومن عورت کے لیے اس میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔‘‘

روزے اور عیدین کے لیے جب آسمان پر اَبر ہو تو دو پابندِ شرع دیندار مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں رؤیت ہلال کی گواہی دیں، تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

’’ وإذا كان بالسماء علةٌ لم تقبل في هلال الفطر الا شهادة رجلين أو رجل و امرأتين والاضحیٰ كالفطر‘‘ . (هداية: ١/١٩٦)

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ . (سورة البقره: ٢٨٢)

عیدالاضحیٰ کے موقع پر اَبر ہونے کی بناء پر عام رؤیت نہ ہوسکی اور ایک دارالعلوم کے استاذ اور دینی طالب علموں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی (دو گواہ کافی ہونے کے باوجود چھ معتبر گواہوں نے گواہی دی) تو اللہ کے فرمان اور فقہاء کے مسلک کے مطابق ان کی گواہی نہ ماننے کی کیا وجہ؟ جن کے سامنے گواہی آئی اور شرعی گواہی کی بناء پر اس کو قبول کیا اور چاند کا فیصلہ کرنا ضروری ہوگیا، تو عید کی نماز ادا کرنا بھی واجب ہوگیا، عذر شرعی کے بغیر دوسرے دن عید کی نماز ادا کرنے سے عید کی نماز مکروہ ہوگی۔

’’ أن الاصل فيها أن لا تقضى كالجمعة وقد ورد بالتاخير إلى اليوم الثاني عند العذر وعند عدمه يقتصر على القياس ‘‘. (هداية: ١/١٥٤)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ’’شامی‘‘ میں لکھا ہے کہ عید کی نماز بغیر عذر شرعی مؤخر نہیں کی جائے گی۔

’’ و تؤخر بعذر كمطر ...... فلا تؤخر من غير عذر‘‘ .

(رد المحتار: ٢/١٧٦، مكتبة سعيد)

البحر الرائق میں ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز بغیر عذر کے پہلے دن سے مؤخر کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

" ان تاخیرها لغیر عذر عن الیوم الأول مکروه " . (البحرالرائق: ۱۶۳/۲)

"جامع الرموز" میں ہے کہ عیدالاضحیٰ کی نماز بغیر عذر کے پہلے دن سے مؤخر کرنا برا ہے، اور جو لوگ دوسرے دن پڑھنے کو کہتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

" اساء فی التاخیر عن الیوم الأول بغیر عذر کما في شرح الطحاوی وعنهم انه یصلی فی الیوم الثانی لا الثالث کالفطر وهذه الروایة غیر صحیحة " .

(جامع الرموز: ۱۶۹)

تو شرعی شہادت آنے کے بعد بارش وغیرہ کے عذر کے بغیر عید کی نماز دوسرے دن ادا کی جاتی تو شریعت کے خلاف ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ دیندار، معتبر اور دین کے مشہور تجربہ کار لوگوں کی جماعت پوری تحقیق کرنے کے بعد چاند کے ثبوت کا فیصلہ کرے، اب اس کے بعد جو قربانی کریں گے ان کی قربانی قبول ہوگی، چاہے ایسے لوگ کم ہی کیوں نہ ہوں۔

" عن أبی هریرة قال قال النبی صلی الله علیه وسلم : " والاضحیٰ یوم تضحون " (الحدیث) . أی مع الجماعة و عظیم الناس ای السواد الاعظم و لو کانت قلیلة بعدد " . (السنن للترمذی: ۸۸/۱)

" ان الاضحیٰ علی حسب ما تحققتم و صرتم منه علی یقین سواء کان برویة الهلال ای باخبار العدول الأخیار ولیس لکم عند الله مواخذة اذا استیقن". (الکوکب الدری شرح الترمذی)

مولانا وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کثرت رائے کو بعض سواد اعظم (بڑی جماعت) سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسی معنی کو بنائے جمہوریت قرار دیتے ہیں، حالاں کہ سواد اعظم سے مراد بیاض اعظم ہے، یعنی نور شریعت جس جماعت میں ہو" (وصیت العرفان: ۱۴/ اپریل ۱۹۹۲ء)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیا، مگر جہاں دینی کام میں نقصان ہوتا ہو، دین کے احکام ٹوٹتے ہوں تو اس کی سزا دیتے تھے، بل کہ ایسے موقع پر بددعا بھی فرمائی ہے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے کہ کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہٹائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد کافروں کے لیے بددعا فرمائی۔

عن عائشة : " ما انتقم رسول الله صلى الله عليه وسلم لنفسه إلا ان ينتهک حرمة الله فينتقم لله بها " . (مؤطا امام مالک)

عن عبد الله بن مسعود قال : " بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يصلى عند الكعبة وجمع قريش فى مجالسهم إذ قال قائل منهم أيكم يقوم إلى جزور آل فلان فيعمد إلى فرثها ودمها وسلاها فيجئ به ......فلما سجد رسول الله صلى الله عليه وسلم وضعه بين كتفيه ، وثبت النبي صلى الله عليه وسلم ساجداً ...... فلما قضىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلوة قال : اللهم عليک بقريش ، اللهم عليک بعمروبن هشام وعتبة بن ربيعة والوليد بن عتبة وأمية بن خلف وعقبة بن أبى معيط وعمارة بن الوليد " .

(الصحيح للبخارى : ۱/۳۷، باب إذا ألقى على ظهر المصلى قذر أو جيفة لم تفسد عليه صلاته، ۱/۷۴، باب المرأة تطرح عن المصلى شيئاً من الأذى)

یہاں بھی نماز اور قربانی کا معاملہ تھا، شرعی عذر کے بغیر دوسرے دن نماز ادا کی جاتی تو کیا ادا ہوتی؟ کچھ لوگ شریعت کی بات نہیں مانتے تو کیا شریعت ان کے تابع کر کے شریعت کا حکم رد کر کے ان کی بات مان لی جائے؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''چاند دیکھ کر یا عادل کی گواہی سے چاند کا پورا یقین ہو اور نیک دیندار لوگ چاہے ان کی تعداد قلیل ہو جس دن وہ روزہ رکھیں گے اور عید و قربانی کریں گے وہ قبول ہوگی۔''

عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : " فطركم يوم تفطرون وأضحاكم يوم تضحون" . (السنن لأبى داؤد: ۳۱۸، السنن للترمذى : ۱/۸۸)

مسجد کے ساتھ تعلق صرف عید کے دنوں ہی میں نہیں بل کہ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ عبادت کرتا رہے، اللہ تعالیٰ نے نماز سے مسجد کو آباد رکھنے کا حکم دیا ہے۔

﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾ .(التوبة: ۱۸)

ترجمہ: ’’اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے، جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اور نماز قائم کریں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے چاند کا معاملہ کسی کے سپرد نہیں کیا ہے، ۲۹ ؍ کا بھی ہوسکتا ہے اور ۳۰ ؍ کا بھی ہوسکتا ہے، اور ہوتا رہا ہے، تو عید کا آگے پیچھے ہونا ممکن ہے، عید یہ دوسری قوموں کی طرح کوئی تہوار نہیں ہے کہ ایک ہی دن میں منائی جائے بل کہ اللہ کی عبادت ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

مفسداتِ صوم

(۱۲۴۰) وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم ہوتی ہے:

سوال: وہ کونسی چیزیں ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور قضا لازم ہوتی ہے؟

جواب: جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

(۱) عمداً قے کرنا خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، (۲) وضو میں کلی کرتے وقت بغیر ارادہ کے گلے میں پانی کا چلا جانا، (۳) بیڑی، سگریٹ پینا، اور اگربتی یا گلاب کا دھواں لینا، (۴) دانتوں کے اندر کی چیز جو چنے یا اس سے بڑی ہو اس کو کھا جانا، (۵) ناک، کان میں تیل یا دوا کا ڈالنا، (۶) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کرنا، (۷) سورج غروب ہو گیا، سمجھ کر افطار کرنا، حالاں کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا، (۸) اگر عورت کو روزہ کی حالت میں حیض آئے تو روزہ توڑ کر بعد میں قضا کرلے۔

نوٹ: صبح صادق کے بعد عورت حیض سے پاک ہو تو باقی دن میں روزہ داروں کی طرح رہنا چاہیے، اور بعد میں کچھ دن روزے کی قضا بھی کرنا چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۴۱) روزہ کی حالت میں کان، آنکھ میں پانی کا چلا جانا:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں کان یا آنکھ میں پانی یا دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: روزہ کی حالت میں کان میں پانی خود چلا جائے یا قصداً ڈالا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹتا نہیں، البتہ کان میں تیل ڈالنے سے اگر پیٹ میں چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور سرمہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے دوا یا سرمہ کا اثر حلق میں معلوم ہو، اس لیے کہ آنکھ کے ذریعہ پیٹ میں کوئی چیز جانے کے لیے راستہ نہیں ہے، اور روزہ کی حالت میں پیٹ میں جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، آنکھ میں دوا، یا سرمہ ڈالنے سے باریک سوراخ کے ذریعہ حلق میں اثر معلوم ہوتا ہے۔ (ہدایہ: ۱/۱۹۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۴۲) کیا آنکھ یا کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

سوال: کیا روزہ کی حالت میں آنکھ یا کان میں دوا ڈالنا جائز ہے؟

جواب: روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

"**لو أقطر شيئاً من الدواء في عينه لا يفطر صومه**". (هندية: ۱/۱۹۰)

البتہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۴۳) روزہ کی حالت میں ناک میں دوا یا پانی کے قطرے ڈالنا:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں ناک میں دوا یا پانی کے قطرے ڈالنے سے روزہ فاسد ہوگا؟

جواب: روزہ کی حالت میں ناک میں دوا یا پانی کے قطرے نہیں ڈالنا چاہیے، البتہ دوا یا پانی کے قطرے ناک میں ڈالنے سے اگر دماغ تک پہنچ جائیں تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

"**احتقن أو استعط والعوط صب الدواء في الانف والحكم لا يخص صب الدواء بل لو استنشق الماء فوصل إلى دماغه افطره**".

(طحطاوی علی مراقی الفلاح : ۳۶۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۴۴) روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنا یا سرمہ لگانا:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈال سکتے ہیں؟ اور سرمہ لگا سکتے ہیں؟

جواب: آنکھ میں دوا ڈالنے یا سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے اس کا اثر حلق میں معلوم ہو، اسی طرح سر میں تیل ڈالنے سے روزے میں کوئی خرابی اور کراہت نہیں آتی۔

(ہدایہ: ۱/۱۹۷، جواہر الفقہ: ۱/۳۷۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۴۵) روزہ کی حالت میں آنکھوں میں دوا ڈالنا اور انجکشن لینا:

سوال: روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈال سکتے ہیں؟ اور ڈاکٹر کے کہنے سے انجکشن لے سکتے ہیں؟

جواب: روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور روزہ میں کوئی کراہت نہیں آتی، اسی طرح روزہ کی حالت میں انجکشن بھی لے سکتے ہیں۔

" لو أقطر شيئا من الدواء في عينيه لا يفطر صومه عندنا و ان وجد طعمه في حلقه " . (الفتاوی الهندية : ۱/ ۲۰۳) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۲۴۶) روزہ کی حالت میں مسواک یا منجن استعمال کرنا:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں مسواک یا منجن استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب: روزہ کی حالت میں مسواک کرنا درست ہے، چاہے مسواک تر ہو یا خشک، دن میں کسی بھی وقت مسواک کرنا درست ہے، البتہ منجن کرنے سے روزہ مکروہ ہوتا ہے۔

(ہدایہ: ۱/۲۰۱، مراقی الفلاح: ۲۱۰)

روزہ میں ٹوتھ پاؤڈر اور ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا مکروہ ہے۔ (جواہر الفقہ : ۱/۳۷۹) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۲۴۷) روزہ میں منجن یا کولگیٹ کرنا:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں منجن یا کولگیٹ کرنا جائز ہے؟

جواب: روزہ کی حالت میں دانت میں منجن کرنا مکروہ ہے، اگر حلق میں اتر جائے گا تو روزہ فاسد ہوگا، ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی، البتہ مسواک کرنا درست ہے، چاہے تر ہو یا خشک، چاہے نیم کا مسواک ہو اور اس کی کڑواہٹ معلوم ہو، تو بھی کراہت نہ ہوگی، کولگیٹ کرنے سے حلق میں اس کا مزہ معلوم پڑتا ہے، تو بغیر سخت ضرورت کے کولگیٹ کرنا مکروہ ہوگا۔ (جواہر الفقہ : ۱/۳۷۹) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۲۴۸) روزہ کی حالت میں انجکشن لینا:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں انجکشن لے سکتے ہیں؟

جواب: انجکشن لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس لیے کہ روزہ فاسد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی چیز پیٹ تک اصل راستے سے پہنچائی جائے، اور انجکشن کے ذریعہ دوا جسم کے ہر حصے میں پہنچتی ہے، لہٰذا دوا یا گلوکوز کا انجکشن روزہ کی حالت میں لینے سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام)

البتہ گلوکوز اور طاقت کا انجکشن لینے سے روزہ کا مقصد ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا مکروہ ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۴۹) رگ میں انجکشن لینا:

سوال: کیا رگ میں انجکشن لینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟

جواب: رگ میں انجکشن لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، انجکشن کے ذریعہ پیٹ میں دوا پہنچائی جائے تو روزہ فاسد ہوتا ہے۔ (کفایت المفتی) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۸/۸/۴ء / مطابق ۲۸ / شعبان / ۱۳۹۸ھ

(۱۲۵۰) روزہ کی حالت میں دھواں لینا، ''ایٹلوس'' دوا کا سونگھنا:

سوال: روزہ کی حالت میں اگربتی، لوبان، بیڑی کا دھواں سونگھنا جائز ہے؟ اور موگرا کا یا گلاب کا پھول سونگھنا جائز ہے؟ ایٹلوس نام کی دوا سونگھنا جائز ہے؟

جواب: روزہ کی حالت میں اگربتی، لوبان، بیڑی کا دھواں عمداً سونگھنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، قضا لازم ہوگی، اگر بغیر ارادے دھواں حلق میں چلا جائے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ عطر اور پھول جس میں دھواں نہیں ہوتا اس کا سونگھنا جائز ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۳۴، طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۶۱)

ایٹلوس نام کی دوا جو بوتل میں بھر کر سونگھی جاتی ہے اور اس کی تیزی دماغ تک پہنچتی ہے اس دوا کے سونگھنے سے روزہ فاسد ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۴۱۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۵۱) روزے کی حالت میں دمہ کے مریض کا پمپ استعمال کرنا:

سوال: کیا روزے کی حالت میں دمہ کا مریض پمپ استعمال کرسکتا ہے؟

جواب: روزے کی حالت میں غذا، دوا یا اور کوئی چیز روزہ دار کے اصل راستے سے معدہ میں داخل ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، پمپ کے ذریعہ منھ کے راستے سے دوا پھیپھڑے میں داخل ہوتی ہے، لہٰذا روزہ کی حالت میں پمپ استعمال کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۵۲) روزے کی حالت میں عطر یا پھول سونگھنا اور دھواں لینا:

سوال: روزے کی حالت میں عطر یا پھول کی خوشبو سونگھ سکتے ہیں؟ اور لوبان یا خوشبو یا اور کوئی دھواں روزے کی حالت میں لینا جائز ہے؟

جواب: روزے کی حالت میں عطر استعمال کرنا، پھول سونگھنا جائز ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، مگر خوشبو کی کوئی چیز سلگا کر اس کا دھواں لیا جائے یا سونگھا جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، البتہ روزہ دار کے حلق میں بغیر ارادے اور اختیار کے دھواں چلا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لوبان سلگا کر اور قریب میں رکھ کر سونگھتا رہا تو روزہ فاسد ہوجائے گا، قضا واجب ہوگی، البتہ عطر یا کیوڑا اور گلاب کا پھول وغیرہ کی خوشبو سونگھی جائے جس میں دھواں نہیں تو یہ درست ہے۔ (بہشتی زیور) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۵۳) کیا روزے کی حالت میں قے ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا؟

سوال: کیا روزے کی حالت میں قے ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا؟

جواب: خود بخود قے ہو گئی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، چاہے تھوڑی ہو یا منہ بھر کر، اگر عمداً قے کی تو روزہ فاسد ہوگا، منہ بھر کر ہو یا نہ ہو، عمداً قے کی گئی تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''**ومن استقاء عامداً فعليه القضاء**''.

(هدايه : ١٩٨/١)

اگر عمداً قے کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی قضا کا حکم فرمایا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۵۴) روزے کی حالت میں عمداً قے کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا:

سوال: محترم المقام واجب الاحترام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم (رحمۃ اللہ علیہ ہو گئے) ومدت فیوضہم! سورت سے شائع ہونے والا اخبار ''امید'' پڑھا، جناب والا کے فتاویٰ پڑھے، ایسا معلوم پڑتا ہے کہ ایک فتویٰ میں شاید پریس یا نقل کرنے والے سے غلطی ہو گئی ہے، امید ہے کہ حضرت والا صحیح رہنمائی فرمائیں گے!''سوال: عمداً قے کرنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے: جواب: اگر عمداً قے کی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، چاہے منہ بھر کر ہو یا نہ ہو، عمداً قے کی جائے تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور فتویٰ اسی قول پر ہے، حالاں کہ (بہشتی زیور: جلد ۳/مسئلہ نمبر: ۱۵) پر لکھا ہے: اگر اپنے اختیار سے قے کی اور منہ بھر کر ہو تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اگر منہ بھر سے کم ہو تو خود قے کرنے سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا''، (فتاویٰ اشرفیہ: ص/۲۰۱،) پر فتح القدیر کے حوالے سے روزہ نہ ٹوٹنا لکھا ہے؟

جواب: آپ کو عمداً قے کرنے کے مسئلہ میں اشکال پیدا ہوا، حقیقت میں پوری توجہ سے مسئلہ لکھا

ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ عمداً قے کرنے کی صورت میں جب کہ منہ بھر کر نہ ہو تو روزہ کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اختلاف تھا، مگر صاحبِ ہدایہ، عین الہدایہ، اور صاحب بذل المجہود کا رجحان یہ ہے کہ عمداً قے کی جائے تو اگر چہ منہ بھر کر نہ ہو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

" ويبطل صوم من تعمد اخراجه ولم يغلبه ويجب عليه القضاء وقد ذهب إلى هذا علي وابن عمر وزيد بن ارقم والشافعي وكذلك قالت الحنفية ".

(بذل المجهود: ۳/۳۵۷)

حدیث شریف میں ہے کہ اس شخص پر روزے کی قضا ضروری ہے جس نے عمداً قے کی تو اس میں منہ بھر کر ہو یا نہ ہو دونوں داخل ہیں، اور فتح القدیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہ ظاہر الروایۃ ہے۔

(عین الہدایہ: ۱/۹۰۰)

اگر عمداً قے کی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر قے زیادہ (منہ بھر کر) ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر تھوڑی (منہ بھر کر نہ) ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اور جمہور یعنی امام شافعی امام مالک امام احمد اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک مطلقاً قے کرنے پر روزہ فاسد ہو جاتا ہے، چاہے منہ بھر کر ہو یا نہ ہو، احناف کے نزدیک فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

(معارفِ مدنیہ: ۱۰/۳۲)

واللہ اعلم بالصواب

۱۶ / رمضان المبارک / ۱۴۱۶ھ

(۱۲۵۵) روزے کی حالت میں دانت نکلوانے سے روزہ فاسد ہوگا:

سوال: کیا روزے کی حالت میں دانت نکلوانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا؟

جواب: روزے کی حالت میں دانت نکلوایا تو اگر خون نکل کر پیٹ میں چلا گیا ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا۔ شامی میں ہے:

" **ومن هذا يعلم حكم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدم الى جوفه في النهار و لو نائما فيجب عليه القضاء** " . (شامی: ۲/ ۳۹۶، مكتبه سعید) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۲۵۶) روزے کی حالت میں دانت یا داڑھ نکلوانا اور منھ میں دوا لگانا:

سوال: کیا روزے کی حالت میں دانت یا داڑھ نکلوانا اور دوا لگانا جائز ہے؟

جواب: سخت ضرورت ہو تو جائز ہے، اور سخت ضرورت نہ ہو تو مکروہ ہوگا، دانت یا داڑھ نکلوائی اور دوا لگائی تو خون یا دوا پیٹ میں چلی جائے اور اس کا مزہ حلق میں معلوم ہوا تو روزہ فاسد ہوگا، اور قضا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے کے بدن میں سے خون نکال رہا تھا یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " **أفطر الحاجم والمحجوم** " اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے روزہ ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

(ابوداود شریف: ۳۲۲) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۲۵۷) روزے کی حالت میں ٹھنڈک کے لیے بھیگا ہوا کپڑا سر پر رکھنا:

سوال: کیا روزے کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے بھیگا کپڑا سر پر رکھنا جائز ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے: ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے "عرض" (مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) نامی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں گرمی کی بنا پر سر مبارک پر پانی ڈال رہے تھے۔ (ابوداود شریف: ۳۲۲)

اس سے ثابت ہوا کہ روزے کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنا یا سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنا یا بھیگا کپڑا رکھنا درست ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، صحیح مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔

(شامی) فقط

والله اعلم بالصواب

روزوں کی قضاء ، کفارہ اور فدیہ کا بیان

(۱۲۵۸) بیماری یا حیض کی بنا پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا:

سوال: اگر کوئی عورت بیماری یا حیض کی بنا پر رمضان کے روزے نہ رکھ سکے تو ان روزوں کی قضا ایک ساتھ کرنا ضروری ہے؟

جواب: رمضان کے چھوٹے ہوئے فرض روزے اپنے ذمہ سے ادا ہونے کے لیے جب تک ہو سکے جلد قضا کر لینی چاہیے، کہ ذمہ پر باقی نہ رہ جائے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، لہٰذا پے در پے متصلاً قضا کر لینا بہتر ہے، الگ الگ قضا کی جائے تو بھی درست ہے۔

" قضاء رمضان ان شاء فرقه وإن شاء تابعه " . (هدايه : ۲۰۲)

ایک عورت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رمضان کے روزے کی قضا کے متعلق دریافت کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جس طرح چاہو قضا کرلو، اللہ تعالیٰ آسانی کرنے والا ہے، سختی کرنے والا نہیں۔ (رسائل الارکان: ۲۱۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۵۹) ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھ لیا بعد میں شرعی گواہی سے چاند ثابت ہوا:

سوال: یہاں اطراف میں چاند نہیں دکھائی دیا اور شہادت بھی نہیں آئی، پھر بھی امام صاحب نے پاکستان، ممبئی، احمد آباد کے ریڈیو کی خبر کی بنا پر تراویح اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، کچھ لوگوں نے روزہ رکھا مگر اہل علم نے کہا کہ جب تک ثبوت نہ ہو روزہ نہیں رکھنا چاہیے، اگر شرعی ثبوت ہو جائے تو کیا امام صاحب کے کہنے سے جن لوگوں نے روزہ رکھا ان پر قضا لازم ہوگی؟

جواب: چاند کے ثبوت کے لیے ٹیلی گرام، ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا آپ کے امام صاحب نے ریڈیو کی خبر کی بنا پر تراویح اور روزہ رکھنے کا حکم دیا یہ خلاف شرع ہے، مگر بعد میں شرعاً چاند ثابت ہو گیا، تو جن لوگوں نے امام صاحب کے کہنے سے روزہ رکھا ان کا رمضان کا فرض روزہ ادا ہو گیا،

قضا لازم نہیں، راندیر میں شرعی گواہی کی بنا پر قریباً رات کے ایک بجے چاند ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔

" ولا یصومون یوم الشک الا تطوعا وھذہ المسئلة علی وجوہ : أحدھا أن ینوی صوم رمضان وھو مکروہ ثم ان ظھر ان الیوم من رمضان یجزیه...... "

(ھدایة: ۱/۱۹۳)

واللہ اعلم بالصواب

۱۵/رمضان المبارک/۱۳۹۵ھ

مطابق: ۲۲/۹/۱۹۷۵ء

(۱۲۶۰) ٹیلی فون کی خبر پر روزہ رکھا پھر توڑ دیا کیا اس کی قضا و کفارہ لازم ہے؟

سوال: یہاں "داہود" میں رات کے نو بجے "گودھرا" سے معتبر شرعی گواہی کے مطابق ٹیلیفون کے ذریعہ چاند کی خبر آئی، جس کا اعلان جامع مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے کیا گیا، اور گیارہ بجے تراویح پڑھی گئی، پھر کچھ لوگوں نے ایک بجے چاند نہ ہونے کا اعلان کرایا، اتوار کے دن لوگوں نے روزہ رکھا مگر کچھ لوگوں نے روزہ توڑ دیا یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے شام کے چار بجے روزہ توڑ دیا، اب جن لوگوں نے تراویح پڑھی اور روزہ رکھا ان کا روزہ ادا ہوا یا نہیں؟ اگر انتیسواں چاند ہو تو جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا تو کیا ان پر قضا لازم ہوگی؟

جواب: آپ کے وہاں اَبر کی بنا پر انتیسویں شعبان کو چاند نظر نہیں آیا، البتہ "گودھرا" سے ٹیلیفون کے ذریعہ خبر آئی، اور جیسا کہ سوال میں لکھا گیا کہ ٹیلیفون کی خبر پر چاند ہوجانے کا اعلان کیا گیا تو ٹیلیفون کی خبر چاند کے ثبوت کے لیے شرعاً معتبر نہیں، اگر ٹیلیفون کی خبر پر کسی کو یقین ہوجائے تو وہ خود اس پر عمل کرسکتا ہے، دوسرے کو نہیں کہہ سکتا، اور نہ تو عام طور پر ثبوت رمضان کا حکم دیا جاسکتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۴/۲۰۴)

جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا فقط اس بنا پر کہ ٹیلیفون کی خبر سے چاند کا ثبوت نہیں ہوتا، اور شرعی شہادت بھی نہیں آئی، تو ان پر روزہ توڑنے سے قضا لازم نہیں، اس لیے کہ یہ شک

کا روزہ ہے، مگر اب جب کہ انتیسو اں چاند ثابت ہو گیا ہے تو ایک روزہ چھوٹ جانے کی بنا پر قضا کرنا لازم ہے، اور شرعاً چاند ثابت ہو جانے کے بعد روزہ توڑ دیا جائے، تو رمضان کا روزہ عمداً توڑنے کی بنا پر قضا اور کفارہ لازم ہوگا۔

" ثم ان ظهر ان اليوم من رمضان يجزيه لانه شهد الشهر وصامه (و قال تعالى : ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ . و قال عليه السلام : " اذا انسلخ الشعبان فلا صوم الا رمضان " . و ان افطر لم يقضه لانه فى معنى المظنون ".

(هداية: ۱۹۳/۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۶۱) روزہ رکھنے کی قوت نہ ہو تو فدیہ دیا جائے:

سوال: میں نے نذر مانی کہ میرا کام ہو گیا تو میں دو مہینے کے روزہ رکھوں گا، وہ کام الحمد للہ ہو گیا، مگر میرے اندر روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے، تو کیا میری طرف سے دوسرا شخص روزہ رکھ سکتا ہے؟

جواب: اگر فی الحال روزہ رکھنے کی قوت نہ ہو اور آئندہ قوت آنے کی امید بھی نہیں تو ہر روزے کے بدلے فدیہ دیا جائے، دوسرے شخص کا روزہ رکھنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ عباداتِ بدنیہ میں نیابت درست نہیں۔

عن ابن عباس : " لا يصلى أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد ، نذر صوم رجب فضعف أفطر و كفر أي فدى " .

(الدرالمختار مع الشامية : ۱۷۴/۲ ، احسن الفتاویٰ: ۴۶۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۵/جنوری/۱۹۸۶ء

(۱۲۶۲) جو روزے چھوٹ گئے اس کا کتنا کفارہ دیا جائے؟

سوال: میری عمر ۳۸ر سال ہے، میں نے آج تک پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا نہیں کی، دو تین سال سے حج ادا کرنے کے بعد پابندی سے نماز پڑھتی ہوں، لیکن مجھ سے قضا نماز نہیں پڑھی جاتی، تو نماز کا کتنا فدیہ دیا جائے؟ حیض کی بنا پر رمضان کے روزے باقی ہیں، آج تک ان کی قضا نہیں کی، تو اس کے کفارے میں کتنا فدیہ دیا جائے؟

جواب: قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ .

''جو لوگ روزہ رکھنے طاقت نہ رکھتے ہوں، ان کے اوپر ایک مسکین کا کھانا کھلانا ہے۔''

(سورۂ بقرہ:۱۸۴)

لہٰذا جو لوگ اتنے بوڑھے ہوں کہ کمزوری بڑھتی جارہی ہو اور روزہ رکھنے کی قوت نہ ہو، قریب المرگ ہوں ایسے لوگ روزہ نہ رکھیں، اور ہر روزہ کے بدلے فدیہ دیں تو درست ہے، ان کے علاوہ دوسروں کو روزے کے بدلے فدیہ دینا درست نہیں، لہٰذا آپ کے جو روزے چھوٹ گئے ہیں ان کی قضا کرنا ضروری ہے، فدیہ دینا درست نہیں، گرمی میں روزہ نہ رکھ سکیں تو سردی میں رکھ لیں، نماز کا بھی یہی حکم ہے کہ قضا کرنے کی طاقت ہو تو قضا کرنا لازم، فدیہ دینا درست نہیں ہے، روزانہ فرض اور سنن کے بعد قضا کرتے رہنا چاہیے۔ (شامی:۲/۱۶۳، فتاوی عالمگیری:۱/۲۰۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۶۳) مرض کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکے تو کتنا فدیہ دے؟

سوال: اگر کوئی شخص مرض کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکے تو کتنا فدیہ دینا چاہیے؟

جواب: اتنا سخت بیمار ہو یا بوڑھا ہو گیا ہو اور روزہ نہ رکھ سکے، آئندہ بھی طاقت آنے کی امید نہ ہو، جس کو ''شیخ فانی'' کہا جاتا ہے، ایسا شخص ہر روزے کے بدلے صدقۂ فطر کے برابر پونے دو کلو گیہوں فقیر کو دے، یا ہر روزے کے بدلے ایک فقیر کو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، تو یہ درست

ہے، مگر یہ یادرکھنا ضروری ہے کہ مرتے دم تک طاقت نہ آئے تو ہی فدیہ ادا ہوگا، مگر جو فدیہ دینے کے بعد روزہ رکھنے کی طاقت آجائے تو روزہ رکھنا ضروری ہے، اور یہ فدیہ نفل ہوگا، اگر بیمار شخص ''شیخ فانی'' کے حکم میں نہ ہو تو صرف مرض کی بنا پر اپنی حیات میں فدیہ دینا جائز نہیں، ہاں! بیماری سے صحت حاصل ہونے کے بعد روزوں کی قضا کر لے۔ (ہدایہ:۲۰۲/۱،شامی:۱۶۳/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۶۴) بیماری کی بنا پر روزے کے بدلے فدیہ دینا:

سوال: رمضان میں مرض کی بنا پر کس حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے؟ روزے کا فدیہ کتنا دیا جائے؟ اور فدیہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: روزہ رکھنے سے مرض بڑھنے کا خطرہ ہو یا موت کا خطرہ ہو یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسے مریض کو رمضان میں روزہ نہ رکھنا اور رمضان کے بعد اس کی قضا کرنے کا حکم ہے، مگر روزہ نہ رکھنے کے لیے خود کا خیال کافی نہیں، بل کہ گمان غالب ہو، مثلاً پہلے کا تجربہ ہو کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنے سے مرض بڑھ گیا تھا، یا مسلمان، دیندار، تجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم روزہ نہ رکھنے کا مشورہ دے، ان دونوں صورتوں کے علاوہ صرف وہم کی بنا پر روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

'' ومنه المرض، المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالاجماع وإن خاف زيادة علة أو اعتماده فذلک عندنا وعليه القضاء إذا أفطر''.

(الفتاوى الهندية : ۲۰۷/۱، عمدة الفقه: ۳۳۷/۳)

'' ثم معرفة ذلک باجتهاد المريض'' . (الفتاوى الهندية: ۲۰۷/۱)

ایسا بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت کہ زیادہ عمر ہونے کی بنا پر اسے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور آئندہ طاقت آنے کی امید بھی نہ ہو تو اس پر روزہ رکھنا فرض نہیں، بل کہ ہر روزہ کے بدلے پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت مستحقِ زکوٰۃ کو دے، اگر فدیہ دینے کے بعد روزہ کی طاقت آجائے تو روزہ

رکھنا ضروری ہے، اور فدیہ نفل صدقہ ہوگا۔ (ہدایہ، عالمگیری: ۱/۲۰۷، عمدۃ الرعایۃ: ۳۴۲/۴)

فدیہ میں ہر فقیر کو پورے پونے دو کلو گیہوں دینا ضروری ہے، اگر اس سے کم دیا جائے تو ادا نہ ہوگا۔ (عمدۃ الرعایۃ: ۳۴۳/۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۶۳) روزے کے بدلے فدیہ:

سوال: ایک شخص زندگی کے آخری مرحلے پر ہے، کمزوری بہت زیادہ ہے، روزے کی طاقت نہیں، تو اب وہ کیا کرے؟

جواب: جو شخص زندگی کے آخری مرحلے پر پہنچ گیا، یعنی اتنا کمزور ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور طاقت آنے کی امید بھی نہ ہو، یا ایسا بیمار ہو کہ صحت کی امید نہ ہو، تو روزے کے بدلے فدیہ دینا جائز ہے، ہر روزے کے بدلے صدقۂ فطر کے برابر یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت دی جائے، نماز کا بھی یہی فدیہ ہے۔ (سورۂ بقرہ، ہدایہ)

ایک فدیہ میں سے تھوڑا تھوڑا ایک سے زائد فقیر کو دینا، یا ایک سے زائد روزے اور نماز کا فدیہ ایک فقیر کو دینا یہ بھی جائز ہے۔ (شامی) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۶۶) نذر کے روزے کے بدلے فدیہ دینا:

سوال: میں نے منت مانی تھی کہ اگر میں بیماری سے اچھا ہو گیا تو ایک مہینہ کا نفل روزہ رکھوں گا، اللہ تعالیٰ نے شفا دی، اب میں نے گیارہ روزے رکھ لیے اور انیس روزے باقی ہیں، میں نے نیت کی تھی کہ ایک ساتھ پورے مہینے کے روزہ رکھوں گا، اب میں نے الگ الگ گیارہ روزے رکھے، اور انیس باقی ہیں، لیکن فی الحال روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، کمزوری بہت زیادہ ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا ان روزوں کے بدلے میں فدیہ دینا درست ہے؟

جواب: آپ نے صحت کے بعد ایک مہینہ روزہ رکھنے کی منت مانی، اللہ تعالیٰ نے صحت عطا کی، تو نذر کے روزے رکھنا ضروری ہے، ایک ساتھ یا الگ الگ رکھ سکتے ہیں، گیارہ روزے رکھ لیے ہیں، انیس روزے باقی ہیں تو طاقت آنے کے بعد باقی روزے مکمل کرنا ضروری ہے، فدیہ دینا درست نہیں، اور روزے رکھنے میں واجب کی نیت کرنا ضروری ہے، نفل کی نیت کرنا درست نہیں۔

" **وإن صح ثم مات فدىٰ عنه وليه بقدر ما فات عنه ان عاش بعده (اى بعد الصحة) بقدره اى بقدر أيام فات صومها عنه و الا بقدرهما اى بقدر الصحة و الاقامة** ". (شرح الوقاية: ۱/۳۱۴)

عمدۃ الفقہ میں ہے کہ قضائے رمضان، نذر معین وغیرہ میں سحری کھانا، نیت کے قائم مقام نہیں، بل کہ ان روزوں کے لیے نیت کا ہونا اور نیت میں روزہ کا تعین کہ کونسا روزہ رکھ رہا ہے؟ لازم ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ۳/۲۰۲) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۲۶۷) نذر کے واجب روزے کے بدلے فدیہ یا فقیر کو کھانا کھلانا:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر امتحان میں کامیاب ہوگیا تو پانچ روزے رکھوں گا، اب وہ امتحان میں کامیاب ہوگیا اور اس شخص پر پانچ روزے واجب ہوگئے، مگر یہ شخص روزے نہ رکھے، تو کیا کوئی ایسی صورت ہے جس سے اس کے ذمہ سے نذر پوری ہوجائے؟ یعنی فقیر کو کھانا کھلا دے، یا پیسے وغیرہ دیدے تو کیا اس سے نذر پوری ہوجائے گی؟

جواب: امتحان میں کامیاب ہونے پر پانچ روزے رکھنے کی نذر مانی اور وہ کامیاب ہوگیا، تو شرط پوری ہونے کی بنا پر پانچ روزے رکھنا ضروری ہے، روزے کے بدلے فدیہ دینا، یا فقیر کو کھانا کھلانا درست نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جس شخص نے نذر مانی اور کوئی چیز متعین کرلی تو اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔"

علامہ رملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صاف طریقے سے بیان کیا گیا کہ جو نذر مانی اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز سے اس نذر کو پورا کرنا درست نہیں۔

"من نذراً مطلقا أو متعلقا بشرط ووجد وفیٰ به ای وفیٰ بالمنذور لقوله علیه السلام : " من نذر وسمی فعلیه الوفاء بما سمی " ، قال الرملی : هذا صریح فی تعیینه و عدم جواز البدل " . (البحر الرائق وبهامشه منحة الخالق: ۲۹۵/۴)

" وجد الشرط لزم الناذر أی لزمه الوفاء به والمراد انه یلزم الوفاء باصل القربة التی التزمها " . (رد المحتار: ۹۱/۳، مطلب فی احکام النذر) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹/۰۹/۱۹۸۹ء

(۱۲۶۸) فدیہ کے پیسے طالب علم کو دینا:

سوال: کیا نماز روزہ کا فدیہ طالب علم کو دینا جائز ہے؟

جواب: واجب فدیہ کا مستحق وہ شخص ہے جو زکوٰۃ کا مستحق ہے، لہٰذا اگر طالب علم حقدار ہو تو اس کو نماز روزے کا فدیہ دینا درست ہے۔

" مصرف الزکوٰة والعشر وهو مصرف إلینا لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة وهو فقیر ومسکین......".

(الدر المختار مع الشامیة: ۸۰/۷۹/۲، باب المصرف) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۶۹) فدیہ دینے کے دن گیہوں کی قیمت کا اعتبار کیا جائے:

سوال: ایک شخص مرض کی بنا پر کمزور ہو گیا، روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، اس کے ذمہ روزوں کا فدیہ باقی ہے، اب یہ رقم بڑی ہے، تھوڑی تھوڑی ادا کر رہا ہے، ایک سال تک ادا کرتا رہا، اب گیہوں کی

قیمت بڑھ گئی، تو بقیہ فدیہ میں پہلے کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا فی الحال کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟ کونسی قیمت سے فدیہ ادا کرے؟

جواب: روزوں کا فدیہ تھوڑا تھوڑا ادا کرنے کی صورت میں ادا کرتے وقت گیہوں کی جو قیمت ہو اس کا اعتبار ہوگا، تو ایک سال پہلے گیہوں کی جو قیمت تھی ایک سال کے بعد فدیہ ادا کرتے وقت اس کا حساب نہیں جوڑا جائے گا، بل کہ فدیہ ادا کرتے وقت گیہوں کی جو قیمت ہو اس کے اعتبار سے دینا ضروری ہے۔

"وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا : يوم الأداء وهو الأصح".

(در مختار مع الشامی: ۲/ ۲۸۶، مکتبہ سعید، فتاوی دار العلوم مکمل: ۶/ ۱۰۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۷/ ۰۶/ ۱۹۸۰ء

نفل روزوں کا بیان

(۱۲۷۰) شوال کے چھ روزوں کی فضیلت:

سوال: شوال کے چھ روزوں کا ثواب کیا ہے؟ یہ روزے کس طرح رکھے جائیں؟ کیا رمضان کے قضا روزے رکھنے سے شوال کے روزوں کا ثواب حاصل ہوگا؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے بھی چھ روزے رکھے تو اس کو ہمیشہ روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔'' (مشکوٰۃ المصابیح: ۱۷۹/۱)

مطلب یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے سے پورے سال روزہ رکھنے کا ثواب ملتا ہے، اور ہمیشہ روزہ رکھنے سے پوری زندگی روزہ رکھنے والا شمار ہوگا، شوال کے چھ روزے عید کے دوسرے دن سے ایک ساتھ رکھنا درست ہے، مگر شوال کے مہینے میں الگ الگ دنوں میں رکھنا افضل اور مستحب ہے۔ (شامی: ۱۷۱/۲)

رمضان کے قضا روزے شوال میں رکھنے سے شوال کے چھ روزوں کا ثواب حاصل نہ ہوگا، اس لیے کہ '' من صام رمضان ثم أتبعه السِّتَ من الشوال '' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھ روزے رمضان کے علاوہ ہونے چاہیے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نیکی کا ثواب کم سے کم دس گنا ملتا ہے، اس حساب سے رمضان کے روزوں کا ثواب دس مہینے کے برابر ہوا، اور شوال کے چھ روزوں کا ثواب دو مہینوں کے برابر ہوا، اس طرح دونوں مل کر پورا ایک سال ہوا، لہٰذا ہمیشہ روزوں کا ثواب حاصل کرنے کے لیے قضا روزوں کے علاوہ الگ سے شوال میں چھ روزے رکھنے چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۷۱) رجب، شعبان اور رمضان کے پے در پے روزے رکھنا:

سوال: کچھ نوجوان بہت سالوں سے لگا تار تین مہینے (رجب، شعبان اور رمضان) کے روزے رکھتے ہیں، تو کیا اس کے متعلق قرآن وحدیث کی رُو سے یہ عمل درست ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "خذوا من الأعمال ما تطیقون".

(الصحیح لمسلم: ۱/۳۶۵)

"تم میں جتنی طاقت ہو اتنے عمل کو اختیار کرو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے: "سوائے رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھتے ہوئے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔"

لہذا ہر سال پے در پے تین مہینے کے روزے رکھنا مناسب نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہینے تین دن روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اس پر عمل کرنا سنت کے موافق ہوگا، پے در پے روزے رکھنے سے کمزوری کی بنا پر عبادت میں اور اپنے ضروری کاموں اور ذمہ داریاں پوری کرنے میں خلل واقع ہو تو روزہ رکھنا مکروہ ہے، روزے تو پورے سال کبھی بھی رکھ سکتے ہیں، نفل روزے کے لیے کوئی دن متعین نہیں، اور اپنی طرف سے تین مہینے روزوں کے لیے متعین کر لینا خلاف شرع ہوگا۔

" ان صوم النفل غیر مختص بزمان المعین بل کل السنة صالحة له".

(شرح النووی علی مسلم: ۱/۳۶۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۴/رجب المرجب/۱۴۲۰ھ

(۱۲۷۲) یوم الشک کا روزہ:

سوال: انتیس شعبان کو چاند نہ دکھائی دے، تو کیا دوسرے دن روزہ رکھ سکتے ہیں؟ اور یوم الشک کا کیا معنٰی ہے؟

جواب: شک کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے میں شبہ ہو، یہاں اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ انتیسویں شعبان کو ابر کی بنا پر چاند نہ دکھائی دے تو اس کے بعد کا دن رمضان ہے یا نہیں اس میں شک ہونا، تو دوسرا دن یوم الشک کہلاتا ہے، اگر یوم الشک میں رمضان ثابت نہ ہونے کے باوجود رمضان کی نیت سے روزہ رکھا جائے تو مکروہِ تحریمی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے یوم الشک میں رمضان کی نیت سے روزہ رکھا تو اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی'' اور اس میں روافض کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کہ وہ لوگ چاند دیکھے بغیر جنتری سے روزہ شروع کردیتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یوم الشک میں منت وغیرہ کا کوئی روزہ باقی ہو اور وہ رکھا جائے تو بھی مکروہِ تنزیہی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نفل کی نیت سے اپنی عادت کے مطابق روزہ رکھا جائے، مثلاً ہر مہینے کی آخری تاریخ میں روزہ رکھنے کی عادت ہو تو ایسے شخص کو عادت کے مطابق نفل روزہ رکھنا جائز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''یوم الشک میں نفل کے علاوہ اور کوئی روزہ نہ رکھا جائے۔''

اگر نفل روزے کی عادت نہ ہو تو خواص جو مسئلے کو جانتے ہوں وہ نفل روزہ رکھ سکتے ہیں، اور عوام جن کو شبہ کا احتمال ہو، ان کو نفل روزے سے بھی منع کیا جائے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس طرح نیت کی جائے کہ اگر رمضان ثابت ہوا تو رمضان کا روزہ اگر رمضان ثابت نہ ہوا تو روزہ نہیں، اس طرح نیت کرنا بھی جائز نہیں، ایسی نیت سے اگر رمضان کا چاند ثابت ہو تو بھی رمضان کا روزہ ادا نہ ہوگا۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ اس طرح نیت کی جائے کہ اگر رمضان ثابت ہوا تو رمضان کا روزہ اور رمضان ثابت نہ ہوا تو نفل روزہ، اس طرح بھی نیت کرنا درست نہیں، مگر رمضان ثابت ہو جائے تو اس صورت میں رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا۔ (ترمذی، ہدایہ: ۱/۱۹۳/۱۹۴، عمدۃ الرعایۃ) فقط

واللہ اعلم بالصواب

سحر اور افطار کا بیان

(۱۲۷۳) سحری کا وقت کب تک رہتا ہے؟

سوال: کیا سحری کا وقت فجر کی اذان تک رہتا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں ہے: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ . (سورة البقره: ١٨٧)

''تم کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ صبح صادق کی سفید لکیر رات کی کالی لکیر سے الگ ہو جائے۔'' فجر دو قسم کی ہوتی ہے: ایک فجر صادق دوسری فجر کاذب۔

پہلے مغرب کی سمت سے آدھے آسمان تک لمبائی میں ستون کی طرح روشنی پھیلتی ہے، اس کو فجر کاذب کہتے ہیں، یہ روشنی فجر صادق سے آدھا گھنٹہ پہلے دکھائی دیتی ہے، اس کے بعد وہ غائب ہو جاتی ہے، پھر مشرق میں ایک روشنی آسمان کی چوڑائی میں پھیلتی ہے، اور وہ روشنی بڑھتی جاتی ہے وہ اصل فجر ہے جسے صبح صادق کہتے ہیں، اس فجر صادق سے پہلے روزہ دار کے لیے کھانا پینا درست ہے، فجر صادق کے بعد کھانا پینا درست نہیں ہے۔ (عنایہ مع فتح القدیر)

اسی فجر صادق سے روزہ کا وقت شروع ہوتا ہے، اور فجر کی نماز کا وقت بھی اسی فجر صادق سے شروع ہوتا ہے، لہٰذا روزہ کا وقت شروع ہونے کے بعد سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس سے پہلے پہلے سحری کا وقت رہتا ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

''وقت الصوم من حين طلوع الفجر الثانی إلی غروب الشمس'' .

(هدايه: ١/١٩٦)

شرعی روزے کا وقت فجرِ ثانی (صبح صادق) کے نکلنے سے لے کر سورج غروب ہونے تک ہے۔ فجر کی اذان صبح صادق کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا فجر کی اذان تک سحری کا وقت نہیں رہتا، بل کہ اس سے پہلے تک ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۷۴) فجر کی اذان تک سحری کھانا:

سوال: ایک شخص عمداً سحری میں تاخیر کرتا ہے، جب اس سے کہا جاتا ہے کہ سحری کا وقت ختم ہو گیا تو کہتا ہے میں جو کرتا ہوں وہ صحیح ہے، تو کیا سحری کا آخری وقت اور فجر کی اذان کا وقت ایک ہی ہے یا الگ الگ؟

جواب: آپ کو معلوم ہوگا کہ فجر دو قسم کی ہے: (۱) فجر کاذب۔ (۲) فجر صادق۔

فجر کاذب: اس فجر کو کہتے ہیں جس کی سفیدی لمبائی میں ہوتی ہے، تھوڑی دیر کے بعد یہ ختم ہو کر تاریکی آجاتی ہے یہ فجر کاذب ہے، اس سے نہ تو عشا کا وقت ختم ہوتا ہے، اور نہ تو دن کا حکم ثابت ہوتا ہے، اس وقت روزہ دار کے لیے کھانا جائز ہے۔

صبح صادق: جو سفیدی آسمان کے کنارے پر چوڑائی میں داہنی اور بائیں جانب پھیلتی ہے، اور اجالے میں زیادتی ہوتی رہتی ہے، اس فجر سے دن کا حکم ثابت ہوتا ہے، یہی فجر کا ابتدائی وقت ہے، اور روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔

فجر کی اذان صبح صادق کے بعد ہی ہوتی ہے، لہٰذا فجر کی اذان تک سحری کا وقت نہیں رہتا، بل کہ اس سے پہلے تک ہے، تو معلوم ہوا کہ سحری کا آخری وقت اور فجر کی اذان کا وقت الگ الگ ہے۔

" أول وقت الفجر حين يطلع الفجر المستطير. الفجر فجران : الأول؛ كاذب وهو البياض الذى يبدو ويعقبه ظلام لايخرج به وقت العشاء ولايثبت به شيء من أحكام النهار" .

" والثاني هو البياض الذى يستطير ويعترض في الأُفق لا يزال يزداد حتى ينتشر سمىٰ مستطيراً لذلك يثبت به أحكام النهار من حرمة الطعام والشراب للصائم وجواز أداء الفرض" . (فتاوی قاضی خان : ۱/ ۳۵، شامی : ۱/ ۳۳۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۴/۱۰/۱۹۸۹ء

(۱۲۷۵) دوتقویم میں فرق ہوتو ختم سحری کا مدار کس پر رکھا جائے؟

سوال: ہمارے وہاں دوتقویم ہے، ایک تقویم میں مغرب اور عشا اسی طرح صبح صادق اور طلوع آفتاب میں کم فاصلہ ہے، اور دوسری تقویم میں زیادہ فاصلہ ہے۔

کم فاصلہ والی تقویم ''دارالعلوم کنتھاریہ'' سے شائع ہوئی ہے، اور زیادہ فاصلہ والی تقویم کا مدار مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا وہ فتویٰ ہے جس میں شامی کے حوالے سے مفتی صاحب نے لکھا ہے: مغرب اور عشاء کے درمیان جتنا وقت رہتا ہے اتنا وقت صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان رہتا ہے، دونوں کا وقت برابر رہتا ہے، جو مفتی صاحب کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق ایک گھنٹہ ۲۱ رمنٹ سے کم اور ایک گھنٹہ ۳۸ رمنٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔

اب سوال عام مہینوں کے بجائے رمضان میں پیدا ہوتا ہے، کہ اگر رمضان میں ختم سحری ''کنتھاریہ'' والی تقویم کے مطابق کی جائے، تو مفتی صاحب کے فتویٰ کے اعتبار سے ختم سحری صبح صادق کے بعد ہوتی ہے، اور اگر مفتی صاحب کے فاصلہ کو صحیح مان کر عمل کیا جائے اور صبح صادق کے پانچ منٹ کے بعد اذان دی جائے تو دوسری تقویم کے اعتبار سے صبح صادق سے پہلے اذان دینا لازم آتا ہے، لہٰذا آپ اس کے متعلق صحیح رہنمائی فرمائیں؟

جواب: یہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ نماز اور روزے کے اوقات میں افطاری اور سحری کا مدار شریعت مطہّرہ یعنی قرآن وحدیث میں بتائی ہوئی علامتوں پر ہے، تقویم کا مدار حساب پر ہوتا ہے، لہٰذا شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر تقویم پر اعتماد کر لینا صحیح نہیں، اصل مدار احادیث میں بتائے ہوئے وقت پر ہے، تقویم تو صرف ایک سہارا ہے۔

لہٰذا اصل تو یہ ہے کہ آپ لوگ ہمت کر کے غروب آفتاب اور صبح صادق کو دیکھو اور رفقہ سے ملا کر عمل کرو، اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: " دع ما یُریبک إلی ما لا یُریبک ".

''جو چیز شک والی ہو اس کو چھوڑ دو اور بغیر شک والی چیز کو اختیار کرو۔''

لہذا شک والا معاملہ چھوڑ کر اطمینان اور دل کے سکون والی بات پر عمل کرو۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۵/ذی الحجۃ الحرام/۱۴۱۹ھ

(۱۲۷۶)ختم سحری کی اطلاع کے لیے اذان دینا:

سوال: رمضان میں سحری کا وقت ختم ہوا، اس کی اطلاع کے لیے اذان دینا شرعاً کیسا ہے؟ ہمارے وہاں ایک مولانا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کر کے اذان دینے کو سنت کہتے ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: ختم سحری کی اطلاع کے لیے اذان دینا سنت نہیں، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں دوسری حدیث میں صاف طور پر منع کیا گیا ہے، کہ اے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! صبح صادق سے پہلے اذان نہ دو، لہذا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کر کے اس اذان کو سنت کہنا درست نہیں۔

وعن أبي حنيفة ومحمد : لا يؤذن في الفجر قبله لما رواه البيهقي انه عليه الصلاة والسلام قال : " يا بلال ! لا تؤذن حتى يطلع الفجر قال في الامام رجال اسناده ثقاة ". (البحر الرائق : ۱/۲۶۲/۲۶۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۷۷)افطاری سے قبل اجتماعی دعا کرنا:

سوال: مسجد میں رمضان المبارک میں افطاری سے قبل امام یا خطیب دعا مانگے اور حاضرین آمین کہیں تو کیا اس طریقے سے مجموعی دعا کر سکتے ہیں؟

جواب: صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے زمانے میں جو رواج نہ ہو اور دین میں اس کو کیا جائے وہ بدعت ہے، بدعت بہت بری چیز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جب کوئی قوم بدعت

نکالتی ہے تو اس کی جگہ سنت اٹھالی جاتی ہے، لہٰذا سنت پر عمل کرنا بدعت نکالنے سے بہتر ہے۔"

قال علیه السلام : " ما أحدث قومٌ بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسک بسنة خیر من احداث بدعة " . (مشکوۃ المصابیح: ص/ ۳۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ " **لا إله إلا الله** " اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود زور سے پڑھتے تھے، تو ان کو مسجد سے نکال دیا، اور کہا کہ میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں۔

ملاقات کرنا سنت ہے، مگر نمازوں کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کرنے کو مکروہ تحریمی کہا ہے، اس لیے کہ نمازوں کے بعد ہمیشہ ملاقات کرنا ثابت نہیں۔ لہٰذا مذکورہ طریقے سے دعا کرنا بھی مکروہ ہوگا، اس لیے کہ یہ طریقہ اسلاف سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔

عن ابن مسعود أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبی صلی الله علیه وسلم جهراً ، وقال لهم : " ما أراكم إلا مبتدعين " .... وقد حرر المسألة فی الخیریة " . (شامی: ۳۹۸/۶، مکتبہ سعید)

" قد صرح بعض علمائنا وغیرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع ان المصافحة سنة وما ذاک الا لکونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع فالمواظبة علیها فیه توهم العوام بانها سنة فیه " .

(شامی: ۲۳۵/۲، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۰۰۴/۱۲/۱۴ء

(۱۲۷۸) غروب کے بعد کتنی تاخیر سے افطار کرنے سے روزہ مکروہ ہوتا ہے:

سوال: ہمارا ملک پہاڑ پر واقع ہے، سورج کا غروب ہونا دکھائی نہیں دیتا، لہٰذا افطار کا وقت غروب کے وقت سے پانچ دس منٹ زیادہ رکھا جاتا ہے تو کتنی تاخیر سے روزہ مکروہ ہوگا؟

جواب: پہاڑوں پر آبادی ہونے کی بناء پر سورج کا غروب ہونا دکھائی نہ دے تو جب غروب کا یقین ہو جائے افطار کر لینا چاہیے، غروب کے بعد آسمان پر ستاروں کے ظاہر ہونے سے پہلے روزہ افطار کر لینا چاہیے۔

"ولا يفطر ما لم يغلب على ظنه غروب الشمس".

(البحر الرائق عن البزازية: ۱/۱۵۷)

"وفيه التعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم أيضا...... والتعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم أى ظهورها وتبين كل نجم بانفرادها".

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۷۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۷۹) روزہ افطار کی دعا:

سوال: افطار کے وقت کونسی دعا پڑھی جائے؟

جواب: افطار کے وقت یہ دعا پڑھے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ".

افطار کے بعد یہ دعا پڑھے: "ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الاَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ". فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۸۰) افطار کی دعا افطار کے بعد پڑھنا:

سوال: افطار کی دعا: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ، اس کے متعلق ایک شخص کہتا ہے کہ یہ دعا افطار سے پہلے نہیں بل کہ بعد میں پڑھی جائے تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: جو شخص یہ کہتا ہے کہ افطار کی دعا روزہ افطار کرنے کے بعد پڑھنا سنت ہے تو یہ صحیح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ افطار کرنے کے بعد پڑھتے تھے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۲/۵۱۴، عون المعبود شرح السنن لأبی داود: ۲/۲۷۸)

" ان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أفطر قال: أى دعاء قال ابن الملک اى قرأ بعد الافطار : اللهم لک صمت وعلى رزقک افطرت .

(عون المعبود: ۲/۲۷۸، مرقاة المفاتيح: ۲/۵۱۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۸/۴/۱۶ء

روزہ کے متفرق مسائل

(۱۲۸۱) کیا حائضہ عورت رمضان میں کھا پی سکتی ہے؟

سوال: رمضان میں اگر عورت کو حیض آجائے اور روزہ نہ رکھ سکے تو وہ کھا اور پی سکتی ہے؟ یا روزہ دار کی طرح کھانا پینا درست نہیں؟

جواب: حیض کی بنا پر عورت رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے تو اس حالت میں روزہ ونماز حرام ہے، لہٰذا دن میں کھانا پینا درست ہے مگر روزہ دار کے سامنے نہ کھائے، اگر درمیان دن میں پاک ہو جائے تو باقی دن روزہ داروں کی مشابہت میں کھانے پینے سے رکی رہے، رمضان کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ روزہ داروں کی طرح رہے اور حیض کی حالت میں روزہ حرام ہے تو مشابہت بھی حرام ہوگی۔

"أن الصوم لها حرام فالتشبه به مثله". (شامی : ۱/ ۲۹۱، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۸۲) عید، رمضان کا انعام ہے:

سوال: عید الفطر کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: رمضان المبارک جو نفس کے ساتھ مجاہدہ، اللہ کی عبادت کے ذریعہ پاکی حاصل کرنے اور اپنی خواہشات پر قابو پانے اور اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرنے کا مہینہ ہے، تو اس مہینے کا اختتام اظہارِ خوشی کے ساتھ کیا جاتا ہے جسے عید کہتے ہیں۔

بندہ جب ایک مہینہ اللہ کے حکم کے مطابق رات دن گذارتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کے طور پر عید عطا کی گئی ہے، عید کی حقیقی خوشی اسی مسلمان کو حاصل ہوتی ہے، جس نے رمضان کا حق ادا کیا۔

روزہ رکھنے والے بندوں کے احترام اور بدلہ دینے کے متعلق اللہ تعالیٰ بروزِ عید فرشتوں

سے فرماتے ہیں: ان کا بدلہ یہی ہے کہ ان کو معاف کر دیا جائے، روزہ دار کے لیے اس سے زیادہ خوشی اور انعام کیا ہوسکتا ہے کہ بندہ اپنے مالک کے دربار میں اس طرح یاد کیا جائے، اور روزہ داروں کے اجر اور انعام کے متعلق اللہ تعالیٰ خود فرشتوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائیں کہ اخلاص نیت کے ساتھ روزہ داروں کے روزے اور عبادت کے بدلے میں ان سے خوش ہو گیا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

عید گاہ میں بندہ نماز ادا کر کے اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اپنے عمل سے یہ اظہار کرے کہ اے اللہ! اے میرے رب! جیسے روزے رکھنے چاہیے ویسے روزے میں نہیں رکھ سکا، اور جیسی عبادت کرنی چاہیے ویسی عبادت نہ کر سکا، اس کا ہمیں اقرار ہے، اور تیرے معبود ہونے کا حق ادا نہیں کر سکا، اے اللہ میں گنہگار ہوں مگر باغی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ اے میرے بندے! جو مانگنا چاہے مانگ! آج خوشی کے موقع پر جو مانگے گا میں عطا کروں گا، اور جس میں تیرا فائدہ ہو ایسا فیصلہ کروں گا، میری عزت کی قسم! جب تک تو میرے متعلق حُسنِ ظن رکھے گا میں تیرے گناہوں کی ستاری کرتا رہوں گا، اب تو اپنے گھر اس طرح لوٹ گویا کہ تیرے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عید کے دن فرشتے راستوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں اے ایمان والو! تم اپنے مہربان اللہ کے دربار (عید گاہ) میں آؤ، اس نے تم کو رمضان کے دنوں میں روزہ رکھنے اور رات کو عبادت کا حکم دیا اور تم نے اس حکم کو پورا کیا، اس کا انعام حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھو، اور جب بندے عید کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹتے ہیں تو فرشتے دوبارہ اعلان کرتے ہیں کہ اے ایمان والو! خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے، عید کا انعام حاصل کر کے تم اپنے گھر واپس جاؤ۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۸۳) رمضان کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا

سوال: اگر صدقہ فطر کی رقم رمضان کے بعد ادا کرے تو ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب: مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کردینا چاہیے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت پر صدقہ فطر واجب ہونے کی دو حکمتیں بیان کی ہیں:

(۱) روزے دار سے روزے کی حالت میں جو بے ہودہ افعال سرزد ہوئے یہ اسکا کفارہ ہوجاوے۔

(۲) غریبوں کے لیے کھانے کا انتظام ہوجاوے۔

لہٰذا اگر عید کے دن تک ادا نہ کیا تو معاف نہ ہوگا، بعد میں ادا کرنا ضروری ہے۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۸۴) پورے سال کے روزے رکھنے کی منت مانی اور اب طاقت نہیں:

سوال: ایک شخص بیچ دریا میں ڈوبنے لگا اس حالت میں اس نے منت مانی کہ اگر زندہ بچ گیا، تو ایک سال کے روزے رکھوں گا اور اب وہ زندہ بچ گیا، لیکن اس میں پورے سال روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے تو اب وہ کیا کرے؟

جواب: مذکورہ صورت میں اس شخص کو اپنی منت کے مطابق پورے سال روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے جسے شیخ فانی کہتے ہیں، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ فدیہ دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا رہے۔

"لو نذر صوم الأبد فضعف لاشتغاله بالمعيشة أفطر و كفر كما مر في شيخ الفاني من انه يطعم كالفطرة".

(رد المحتار: ۲/۴۳۷، مكتبه سعيد، أحسن الفتاوى قديم: ۴۶۴،۳۶۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳/ذی الحجۃ الحرام/۱۴۰۶ھ

اعتکاف کا بیان

(۱۲۸۵)اعتکاف کی فضیلت:

سوال: اعتکاف کی فضیلت تحریر فرمائیں!

جواب: معتکف کا پورا وقت نماز کے حکم میں شمار ہوتا ہے، اس لیے کہ مسجد میں رہ کر نماز باجماعت کے انتظار میں رہتا ہے، ایک موقع پر عشاء کی نماز میں ضرورتاً تاخیر ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**أما إنكم في صلاة ما انتظرتموها**'' جب تک تم لوگ نماز کے انتظار میں رہے نماز کے پڑھنے کے حکم میں رہے۔(بخاری شریف:۸۱)

معتکف میں فرشتوں کی صفت پیدا ہوتی ہے، ہر وقت اللہ کے ذکر اور اطاعت میں رہتا ہے، نافرمانی سے دور رہتا ہے، ضرورتاً کھانے میں مشغول ہوتا ہے، اعتکاف دنیوی کاموں سے دور رہنے کا ذریعہ ہے، اور اللہ کی عبادت میں رہتا ہے، اور اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، روزہ دار اور معتکف اللہ کا مہمان شمار ہوتا ہے، اعتکاف کرنے والا مسجد یعنی اللہ تعالیٰ کے مضبوط قلعے میں محفوظ ہوجاتا ہے، جس سے شیطان اور دنیا سے محفوظ رہتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۸۶)اعتکاف کی حقیقت:

سوال: اعتکاف کی حقیقت کیا ہے؟ اگر کوئی شخص دس دن سے کم کا اعتکاف کرے تو سنت اعتکاف شمار ہوگا یا نہیں؟ معتکف مسجد کے صحن میں نکل سکتا ہے؟

جواب: رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اگر بڑے شہر کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری آبادی میں سے کوئی شخص بھی اعتکاف نہیں کرے گا تو سب لوگ ترک سنت کی وجہ سے گنہگار رہوں گے، اور اگر کوئی ایک ادا کرلے گا تو سب کی طرف سے سنت ادا ہوجائے گی۔(جواہر الفقہ)

رمضان کے آخری پورے عشرہ کا اعتکاف سنت ہے، دس دن سے کم سنت اعتکاف نہیں ہوتا۔

"كان المسنون هو اعتكاف العشر بتمامه" . (شامی: ۲/۴۴۵، مكتبه سعيد)

اسی وجہ سے ائمہ اربعہ کے نزدیک بیسویں رمضان کو غروب سے پہلے معتکف مسجد میں داخل ہو جائے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۲/۵۰۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل رہا ہے، دس دن سے کم اعتکاف کرنے سے یا غروب آفتاب کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے سنت اعتکاف شمار نہ ہوگا، نفل شمار ہوگا، معتکف کو مسجد میں رہنا چاہیے، حاجتِ اصلیہ (پیشاب و پاخانہ) یا بغیر ضرورت (جمعہ کی نماز کے لیے) تھوڑی دیر کے لیے بھی مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو پانچ وقت کی نماز کے لیے متعین ہو، صحن اور برآمدہ اگر جماعت خانے میں داخل نہ ہو تو وہاں جانے سے بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا، ٹھنڈک حاصل کرنے اور جمعہ کے غسل کے لیے نکلنا جائز نہیں۔

(جواہر الفقہ) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۸۷) اعتکاف میں کیا کرنا چاہیے؟

سوال: اعتکاف میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اعتکاف میں زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن کرنا چاہیے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں روزانہ ایک قرآن ختم فرماتے تھے، بزرگوں سے رمضان میں قرآن پڑھنے کا معمول منقول ہے، عبداللہ بن ادریس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لڑکوں سے موت کے وقت کہا کہ روؤ نہیں! کیوں کہ میں نے اس کمرے میں چار ہزار قرآن ختم کیے ہیں۔

اعتکاف میں اللہ کا ذکر کیا جائے، " سبحان الله ، الحمد لله ، ولا إله إلا الله والله اكبر ، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم ، لاحول ولا قوة إلا بالله

العلی العظیم '' پڑھا جائے، اس کے علاوہ درود شریف پڑھا جائے اور اللہ کے جناب میں خوب گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی جائے۔

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے فرمایا: تراویح بہت عظیم چیز ہے، اس سے ہر مسلمان روزانہ دوسرے دنوں کے بہ نسبت اللہ کا زیادہ قرب حاصل کرتا ہے، اس لیے کہ تراویح میں بیس رکعتیں ہیں، جس میں چالیس سجدے کیے جاتے ہیں، اور سجدہ اللہ کے قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، قرب حاصل کرنے کا اس سے بڑا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، یہی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں دی گئی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں اتنا قرب حاصل ہوا کہ مومنوں کے لیے نماز کا تحفہ لائے جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

'' **الصلاۃ معراج المؤمن** '' کہ نماز مومن کی معراج ہے۔

جو مومن سجدہ میں اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے گا تو اسے معراج یعنی قرب حاصل ہوگا، اور یہی اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ﴾ .

''سجدہ سے اللہ کا قرب حاصل کر۔'' (سورۃ العلق: ۱۹)

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ اللہ سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، سجدہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، اور رمضان میں تراویح کے ذریعہ چالیس سجدے زیادہ عطا کیے گئے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۸۸) مسائل اعتکاف:

سوال: (۱) مسجد جس میں جماعت خانہ، صحن، وضوخانہ، بیت الخلا اور کھلی جگہ ہوتی ہے، تو اس میں سے کون سی جگہ اعتکاف کے لیے حد شمار ہوتی ہے؟

(۲) اس حد سے معتکف کس عذر کی بناء پر باہر نکل سکتا ہے؟

(۳) معتکف جماعت خانہ میں ملاقات کرنے والوں کے ساتھ بات چیت کر سکتا ہے؟

(۴) خطوط پڑھ سکتا ہے؟ ان کے جوابات تحریر کر سکتا ہے؟
(۵) کھانے پینے کے بعد ہاتھ دھونے، کلی کرنے اور برتن دھونے کے لیے معتکف باہر نکل سکتا ہے؟
(۶) معتکف کے لیے فرض غسل کے علاوہ اور غسل کرنے کی کیوں ممانعت ہے؟
(۷) اخبار جس میں دینی و دنیوی باتیں اور تصویریں ہوتی ہیں، معتکف اس کو پڑھ سکتا ہے؟ اور مسجد میں لا سکتا ہے؟
(۸) شبِ قدر کی تلاش میں عبادت کرنے کے بعد معتکف سو جائے تو اس کا سونا عبادت میں شمار ہوگا؟
(۹) کن وجوہات کی بناء پر اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے؟ اور کیا اس کی قضا کرنا ضروری ہے؟

جواب: ۱ر عام بول چال میں مسجد کی پوری حد کو جس میں مسجد کی ضرورت کے لیے صحن، حوض، غسل خانہ، بیت الخلاء، برآمدہ، ان تمام کو لوگ مسجد کہتے ہیں، مگر شرعاً جو جگہ پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے متعین کی جاتی ہے اور جہاں جنازے کی نماز نہیں پڑھی جاتی وہ حقیقتاً مسجد کہی جاتی ہے، ''امداد الفتاویٰ'' میں ہے: کہ مسجد وہ موضع ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، نہ کہ کل احاطہ۔ (امداد الفتاوی:۱۶۵/۲)

اعتکاف میں اصل یہ ہے کہ مسجد یعنی جماعت خانہ کی حد کے علاوہ بغیر عذر شرعی باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، واجب اور رمضان کا سنت مؤکدہ اعتکاف، دونوں کا حکم ایک ہی ہے، نفل اعتکاف تھوڑی دیر کے لیے بھی ہو سکتا ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لے اور نماز پڑھ لے اس کے بعد جماعت خانہ سے باہر نکل گیا تو اعتکاف پورا ہو گیا، اور یہ نفل اعتکاف شمار ہوگا۔

۲ر معتکف جماعت خانہ سے باہر قضائے حاجت، فرض غسل اور وضو نہ ہو تو وضو کے لیے نکل سکتا ہے، اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کیا ہو جہاں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو تو جمعہ کی نماز کے لیے اتنی جلدی نکل سکتا ہے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر خطبہ سے پہلے کی سنتیں پڑھ سکے، مؤذن یا غیر مؤذن اعتکاف کی حالت میں اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے۔ (ہدایہ:۲۱۰، شامی:۱۸۱/۲)

"لا يخرج من المسجد إلا لحاجة الانسان او الجمعة ... يخرج حين تزول الشمس لان الخطاب يتوجه بعده وان كان منزله بعيدا عنه يخرج في وقت يمكنه ادراكها ويصلى قبلها اربعا و فى رواية ستاً" . (هدايه : ٢١٠)

"(وحرم عليه الخروج الا لحاجة الانسان او) شرعية كعيد وأذان ولو مؤذنا" . (الدر المختار مع رد المحتار: ٢/٤٤٥، كتاب الصوم باب الاعتكاف)

۳/ معتکف کو چاہیے کہ حالت اعتکاف میں قرآن کریم کی تلاوت، اللہ کا ذکر، انبیاء علیہم السلام، سلف صالحین کے واقعات اور دینی کتابیں پڑھتے رہنا چاہیے، ضرورت کے مطابق بات چیت کرنا بھی جائز ہے، مگر فضول اور بے فائدہ باتیں کرنا مکروہ ہے، مسجد میں غیر ضروری باتیں کرنا معتکف کے علاوہ کے لیے بھی جائز نہیں، معتکف کو تو بدرجۂ اولیٰ پرہیز کرنا چاہیے، جماعت خانہ سے باہر فضول باتیں کرنا جائز نہیں تو مسجد میں کیسے جائز ہوسکتی ہیں۔

" يلازم قراءة القرآن والذكر والحديث والعلم ودراسته وسيرة النبى صلى الله عليه وسلم وقصص الانبياء وحكاية الصالحين وكتابة امور الدين ، واما التكلم بغير خير فلا يجوز لغير المعتكف فالمعتكف اولیٰ" .

(مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى: ٣٨٤)

" وكره احضار المبيع والصمت والتكلم الا بخير اى لا يتكلم الا بخير لقوله تعالیٰ: ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِىْ يَقُوْلُ الَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾. وهو لعمومه يقتضى ان لا يتكلم خارج المسجد الا بخير فالمسجد اولیٰ" . (البحر الرائق: ٢/٣٠٤)

۴/ معتکف کا مبیع کو مسجد میں لائے بغیر ضروری چیزوں کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے، ضروری خطوط تحریر کرنا بھی درست ہے۔

۵/ معتکف کے لیے کھانے کے بعد ہاتھ دھونے، کلی کرنے، برتن دھونے، جماعت خانہ سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، بل کہ مسجد میں کسی برتن میں اس طرح ہاتھ دھوئے کہ پانی باہر نہ گرے۔

(احسن الفتاویٰ: ۴/۵۰۰)

٦ر معتکف کے لیے سوائے فرض غسل کے، جمعہ کا سنت غسل یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے مسجد سے باہر نکل کر، غسل کے ممانعت کی اصل وجہ اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، کیوں کہ جو ضرورت مسجد میں پوری نہ ہوسکتی ہو اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر نکلتے تھے۔

عن عائشة أنها قالت : " ولايخرج لحاجة إلا لما لابد منه " اى لايتصور فعلها فى المسجد . (السنن لأبى داود : ٣٣٥)

عقلی دلیل یہ دی جاسکتی ہے کہ معتکف کی حالت کسی کے ساتھ محبت کرنے والے شخص کی طرح ہے، جس کی اپنے محبوب کے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اپنے جسم اور کپڑوں کا بھی خیال نہیں ہوتا اپنے محبوب کی محبت میں ہی وہ مست رہتا ہے، معتکف کی بھی ایسی ہی حالت ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندے کا مخلصانہ کام پسند ہے، جیسے شہید کا خون، روزہ دار کے منہ کی بدبو، اللہ کے خوف سے گرنے والے آنسو وغیرہ، غسل کے لیے نکلنے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خلل ہوتا ہے، اس لیے منع کیا گیا۔ (مصالح عقلیہ)

٧ر مسجد میں معتکف کے لیے بلاضرورت باتیں کرنا، تصویر والے اخبار لانا درست نہیں ہے، یہ عمل اعتکاف اور مسجد کی تعظیم کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں اور اس کی تعظیم کرنے میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے، اور تعظیم وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے، قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ .

(سورۃ الحج : ٣٠)

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرے گا، تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔''

٨ر معتکف کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کے دروازے پر بیٹھ جائے کہ جب تک میری مراد پوری نہ ہوگی یہاں سے نہیں جاؤں گا، معتکف بھی اپنی حالت سے اللہ کے حضور میں کہتا ہے کہ جب تک میری مراد پوری نہ ہوگی اور تکلیف وغم دور نہ ہوگا وہاں تک یہاں رہوں گا، اسی بنا پر

معتکف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے، اور معتکف جب اخلاص کے ساتھ اعتکاف کرتا ہے تو ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہتا ہے، لہٰذا ہر حالت میں نماز کا ثواب ملتا ہے، تو معتکف کا سونا، اٹھنا، بیٹھنا، ہر کام عبادت میں شمار ہوگا۔ (طحطاوی:۳۸۶/۳۸۷)

۹ر معتکف طبعی حاجت کے لیے نکلے اور جس حاجت کے لیے مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے تو وہ ضرورت پوری کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے بھی مسجد سے باہر رکے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، اسی طرح بغیر طبعی ضرورت کے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(شامی:۱۸۲/۲، ہدایہ)

اگر کسی ضرورت کی بنا پر روزہ افطار کرنا پڑے تو روزہ افطار کرنے سے بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا، اسی طرح رات سمجھ کر کھاتا رہا اور حقیقت میں صبح صادق ہو چکی تھی تو روزہ معتبر نہ ہوگا، اور اعتکاف بھی فاسد ہو جائے گا، اسی طرح سورج غروب ہو گیا ہے، یہ سمجھ کر افطار کر لیا تو بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا، روزہ کی حالت میں کلی کرنے سے پانی پیٹ میں چلا گیا تو روزہ اور اعتکاف دونوں فاسد ہو جائیں گے۔ (رسالہ احکام اعتکاف:۱۶/۱۵)

رمضان کا سنت اعتکاف فاسد ہو جائے تو ایک دن کی قضا واجب ہے۔

''اما علی قول غیرہ فیقضی الیوم الذی افسدہ لاستقلال کل یوم بنفسہ''.

(شامی: ۴۴۵/۲، مکتبہ سعید)

رمضان کا مسنون اعتکاف فاسد ہو جائے تو بھی مسجد سے باہر نکلنا ضروری نہیں، بل کہ باقی دنوں میں نفل اعتکاف کی نیت سے اعتکاف جاری رکھا جائے، اس سے رمضان کا سنت اعتکاف ادا تو نہیں ہوگا، البتہ نفل اعتکاف کا ثواب ملے گا۔ (رسالہ احکام اعتکاف از مولانا محمد تقی عثمانی:۱۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/۶۰/۱۹۹۰ء

(۱۲۸۹) اعتکاف میں بیماری کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکا تو اعتکاف کا کیا حکم ہے؟

سوال: اعتکاف میں بیمار ہو جانے کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکا لیکن مسجد ہی میں رہا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: سنتِ مؤکدہ یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے جس میں روزہ شرط ہے، لہٰذا بیماری کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکا تو یہ نفل ہوگا اور جس دن کا اعتکاف فاسد ہو گیا اس کی قضا واجب ہے، مگر دس دن کی قضا کر لینا بہتر ہے۔ (زبدۃ، امداد الفتاوی) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۹۰) مدرسے میں اعتکاف:

سوال: ہماری مسجد کھلی (بغیر دروازے کے) ہے اور مسجد کے داہنی جانب عام راستہ ہے جس کی بنا پر چوری بھی ہوتی رہتی ہے، قریب میں آٹا پیسنے کی چکی بھی ہے، اس کا بھی شور ہوتا ہے، ریڈیو کی آواز بھی آتی ہے، مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے مسجد کا ادب باقی نہیں رہتا، مسجد کے متصل ایک مدرسہ ہے وہاں تنہائی کی بنا پر شور وغیرہ نہیں ہوتا، عبادت میں دل لگتا ہے، ایسی حالت میں مسجد میں اعتکاف نہ کرتے ہوئے مدرسہ میں اعتکاف کیا جائے، تو کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

جواب: اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے مسجد کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا مسجد ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ کر مدرسہ میں اعتکاف کرنا درست نہیں، اگر مسجد کے داہنی جانب عام راستہ ہونے کی بنا پر شور ہوتا ہے تو ایسی جانب اعتکاف کرنا چاہیے جہاں شور کم ہوتا ہو، مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ اعتکاف کرنا مرد کے لیے جائز نہیں، اعتکاف کی حالت میں فضول باتیں اور دنیوی کاموں سے بچنا چاہیے۔

"وھو ای الاعتکاف شرعا (اللبث) ای لبث المعتکف فی مسجد جماعۃ صلی فیہ الخمس وقیل تقوم فیہ الجماعۃ ولو مرۃ فی یوم، والصحیح انہ یصح فیما اذن واقیم (مع القیام) فالرکن اللبث والکون فی المسجد والنیۃ شرطان للصحۃ".

(مجمع الانہر) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۳/۱۰/۱۷ء

(۱۲۹۱) نمازِ جنازہ اور تیمارداری کے لیے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا:

سوال: زید نے رمضان میں آخری عشرہ کا اعتکاف اس نیت کے ساتھ کیا کہ اگر مسجد میں جنازہ حاضر ہوگا تو نماز جنازہ کے لیے باہر نکلوں گا، اور تیمارداری کے لیے جانے کی نیت کی، تو کیا وہ مسجد سے نکل سکتا ہے؟

جواب: معتکف اپنی شرعی یا طبعی حاجت کے لیے نکل سکتا ہے، مثلاً جمعہ کی نماز اور قضائے حاجت وغیرہ کے لیے نکل سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور کام کے لیے نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، لہٰذا جنازہ کی نماز ادا کرنے یا تیمارداری کے لیے نیت کے باوجود مسجد میں سے خاص اسی کے لیے باہر نکلے گا تو سنت اعتکاف ادا نہ ہوگا۔ (احسن الفتاوی:۴/۴۹۹)

”ولایخرج المعتکف من المسجد إلا لحاجة لازمة شرعية كالجمعة و لحاجة طبعية كالبول والغائط ولا يعود المعتكف ولا يشهد جنازة“.

(خلاصه الفتاوی: ۱/۲۶۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۷/۷/۰۷/۱۹۸۷ء

(۱۲۹۲) معتکف کا جماعت خانہ کے باہر کا زینہ استعمال کرنا:

سوال: مسجد میں رمضان المبارک میں اوپر کے جماعت خانہ میں کچھ لوگ اعتکاف کرتے ہیں، نماز کی جماعت نیچے کے جماعت خانہ میں ہوتی ہے اوپر سے نیچے آنے کے لیے مسجد کے باہر حصہ میں زینہ ہے، تو اگر معتکف اس زینہ کے ذریعہ سے جماعت خانہ میں جائے تو کیا اعتکاف فاسد ہو جائے گا؟

جواب: معتکف شرعی ضرورت کی بنا پر اپنے اعتکاف کی جگہ سے نکل سکتا ہے، باجماعت نماز پڑھنا یہ بھی شرعی ضرورت ہے، لہٰذا اوپر کے جماعت خانہ سے باہر کے زینہ کے ذریعہ نیچے جماعت خانہ میں باجماعت نماز پڑھنے کے لیے آنا درست ہے۔ (امداد الفتاوی:۲/۱۶۳)

ہمیشہ نماز با جماعت نیچے جماعت خانہ میں ہوتی ہو، تو بغیر عذر کے اوپر کے جماعت خانہ میں اعتکاف کرنا مناسب نہیں ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۸۰/۲/۱۸ء

(۱۲۹۳) معتکف مسجد کے غسل خانے میں غسل کے لیے جا سکتا ہے:

سوال: معتکف مسجد کے غسل خانے میں غسل کے لیے جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: فرض غسل کے علاوہ صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کی نیت سے جانا جائز نہیں، خاص غسل کے لیے نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، البتہ پیشاب، پاخانہ کی حاجت ہو، اور اس کے لیے مسجد سے نکلے اور طبعی ضرورت سے فارغ ہو کر جتنے وقت میں وضو ہو سکتا ہے اس سے بھی کم وقت میں غسل خانہ میں جا کر جسم پر پانی ڈال دے تو درست ہے، کپڑے بھی اعتکاف کی جگہ میں نکال کر جائے تا کہ اتنا وقت بھی غسل خانہ میں ٹھہر نہ سکے، لیکن خاص غسل کی نیت سے جانا درست نہیں۔ (زبدۃ المسالک) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۹۴) اعتکاف کی حالت میں اخبار پڑھنا:

سوال: رمضان میں اعتکاف کی حالت میں اخبار پڑھنا کیسا ہے؟ اس لیے کہ کام کاج اور تجارت کے متعلق بہت سی خبریں ہوتی ہیں؟

جواب: اعتکاف کا مقصد اور اس کی حکمت اور روح یہ ہے کہ ہر جانب سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا دل لگانا اور اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول رہنا۔ (آداب الاعتکاف: ۱۸/۱۴)

حضرت عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں: اعتکاف کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو کسی بادشاہ کے دروازے پر اپنی

ضرورت کے لیے بیٹھ جائے کہ جب تک ضرورت پوری نہ ہوگی یہاں سے جاؤں گا نہیں، اسی طرح معتکف بھی اعتکاف کرکے اپنی حالت کے ذریعہ سے اللہ کی جناب میں کہتا ہے کہ جب تک میرے گناہ معاف نہیں کریں گے اور تکالیف وفکریں دور نہیں کریں گے وہاں تک یہاں سے نہیں جاؤنگا۔

(نورالایضاح)

لہذا اعتکاف کی حالت میں مسجد میں اخبار نہیں پڑھنا چاہیے، خصوصاً گجراتی اخبار جس میں برہنہ تصویریں ہوتی ہیں، جس کو مسجد میں لے جانا جائز نہیں، گناہ کا کام ہے، معتکف اپنی ضرورت کی بنا پر خرید وفروخت کرسکتا ہے، مگر مبیع مسجد میں لانا جائز نہیں، سخت ضرورت کی بنا پر صرف زبانی خرید و فروخت کرنے کی اجازت ہے، لہٰذا مسجد میں اخبار لانا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۸۴/۰۴/۲۵ء

(۱۲۹۵) اعتکاف کی حالت میں کورٹ میں جانا جائز ہے؟ اعتکاف کی حالت میں کھانا لینے کے لیے گھر جانا؟ حجام کو مسجد میں بلا کر بال کٹوانا؟

سوال: میں نے ایک مہینہ کا اعتکاف کیا ہے، تو یہ سنت ہے یا نفل؟ رمضان میں کورٹ کے اندر میرے مقدمے کی تاریخ ہے تو کیا میں اعتکاف کی حالت میں کورٹ میں جاسکتا ہوں؟ کوئی کھانا لانے والا نہیں ہے تو کیا میں کھانا لینے کے لیے گھر جاسکتا ہوں؟ کیا جمعہ کا سنت غسل کرسکتا ہوں اور حجام کو مسجد میں بلوا کر حجامت کرواسکتا ہوں؟

جواب: رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے، آپ نے پورے مہینے کا اعتکاف کیا ہے تو باقی بیس دن کا اعتکاف نفل ہوگا۔

حاجت طبعی کے علاوہ اعتکاف کی حالت میں نکلنا جائز نہیں، لہٰذا آپ کورٹ میں جائیں گے تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا، پھر دوبارہ اعتکاف کروگے، تو یہ نیا اعتکاف ہوگا، اوراس صورت

میں پورے مہینے کا اعتکاف شمار نہ ہوگا۔

"وحرم عليه أى على المعتكف اعتكافا واجبا، أما النفل فله الخروج لان منه لا مبطل" . (الدر المختار مع الشامية: ۲/۱۸۰)

کھانا لانے کے لیے کسی کو متعین کرنا چاہیے، اگر کوئی نہ ہو تو کھانا لانے کے لیے گھر جانا جائز ہے، مگر کھانا مسجد میں ہی کھانا چاہیے، اگر کھانا لینے کے لیے جاتے وقت بغیر ضرورت کے تھوڑی دیر کے لیے بھی ٹھہرا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

" فی الفتاویٰ الظهيرية : وقيل يخرج بعد الغروب للاكل والشرب وينبغى حمله على ما إذا لم يجد من يأتى له به فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط" . (شامی: ۲/۴۴۹، مکتبه سعيد، البحر الرائق: ۲/۳۰۳)

اعتکاف کی حالت میں فرض غسل کے علاوہ سنت غسل کے لیے نکلنا جائز نہیں، اور بال بھی نہیں کٹوانا چاہیے اس سے مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۵/۰۹/۲۰ء

(۱۲۹۶) معتکف کا غسل کے لیے گھر جانا:

سوال: کیا معتکف غسل کے لیے گھر جاسکتا ہے؟ بیڑی پینے کے لیے باہر نکل سکتا ہے؟ معتکف دنیوی باتیں کرتا رہتا ہے، اور مسجد میں گھومتا رہتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مسجد میں بال کٹانے کا کیا حکم ہے؟ معتکف کے ساتھ غیر معتکف شخص کا مسجد میں کھانا کھانے کا حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: شریعت کا اصول یہ ہے کہ معتکف کو جماعت خانہ میں ہی رہنا چاہیے، طبعی حاجت کے لیے جماعت خانہ سے باہر نکل سکتا ہے، بغیر عذر کے ایک گھڑی بھی مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، صرف بیڑی پینے کی نیت سے اگر نکلے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اور اگر مسجد میں غسل کا

انتظام ہوتو اس کو چھوڑ کر گھر تک فرض غسل کے لیے جائے گا تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

" واما فی قول ابی حنیفة فاعتکافه فاسد اذا خرج ساعة بغیر غائط او بول أو جمعة ". (فتح القدیر تحت قول الهدایة) ولو خرج من المسجد ساعة من لیل أو نهار" . (فتاوی دار العلوم: ۶/ ۵۰۵، کفایت المفتی: ۴/ ۲۳۲)

معتکف کو مسجد میں فضول باتیں اور بال وغیرہ نہیں کٹوانا چاہیے، اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ ہے، معتکف جس مسجد میں اعتکاف کرے تو جماعت خانہ میں کسی بھی جگہ گھوم سکتا ہے۔ (فتاوی دار العلوم: ۶/ ۵۰۳)

غیر معتکف کو بغیر اعتکاف کی نیت کے مسجد میں کھانا درست نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۶/۱۰/۲۱ء

(۱۲۹۷) اعتکاف کی حالت میں بیڑی سگریٹ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا؟ سنت اعتکاف فاسد ہو جائے تو اس کی قضاء کس طرح کی جائے؟

سوال: اگر کوئی شخص اعتکاف کی حالت میں جماعت خانہ سے باہر بات چیت کرے اور بیڑی سگریٹ پیئے تو اس کا حکم شرعی کیا ہے؟ اگر اعتکاف فاسد ہو جائے تو اس کی قضا لازم ہے؟ اور قضا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں انسانی ضرورت کے علاوہ حجرے میں تشریف نہیں لاتے تھے۔‘‘ (ابوداود شریف: ۳۳۴)

لہٰذا معتکف کو انسانی ضرورت اور شرعی ضرورت مثلاً جمعہ کی نماز کے علاوہ جماعت خانہ سے باہر تھوڑی دیر کے لیے بھی نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

’’ولو خرج من المسجد ساعة بغیر عذر فسد اعتکافه‘‘. (هدایة : ۱/ ۲۱۰)

لہذا بات چیت کرنے یا بیڑی سگریٹ پینے کے لیے جماعت خانہ سے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا، اور وضو کے لیے حوض پر گیا اور وہاں بات چیت کرنے کے لیے ٹھہر گیا تو بغیر ضرورت کے جماعت خانہ سے باہر ٹھہرنے کی بناء پر اعتکاف فاسد ہوجائے گا، البتہ پیشاب کے لیے نکلے اور راستہ میں چلتے چلتے کسی سے بات چیت کرلی اور بیڑی سگریٹ پی لی، خصوصاً اس کے لیے نہیں ٹھہرا تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں جب ضرورت کے لیے نکلتے اور کسی بیمار کے پاس سے گزرتے تو چلتے چلتے بیمار پرسی کرلیتے۔ (ابوداود شریف: ۳۳۵)

تو معتکف بغیر ٹھہرے بات چیت کرلے، یا بیڑی پی لے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا، اگر کسی کو بیڑی پینے کی سخت عادت ہو کہ نہ پینے سے طبیعت خراب ہونے کا خطرہ ہو، تو بیڑی پینے کے لیے نکل سکتا ہے، کلی کرکے منھ صاف کرکے مسجد میں آجائے۔ (فتاوی رشیدیہ)

اگر رمضان کا سنت اعتکاف فاسد ہوجائے تو رمضان کے جس دن کا اعتکاف فاسد ہوا اس دن کی قضا روزے کے ساتھ کرنا ضروری ہے، مگر پورے دس دن یا کم سے کم باقی دنوں کے اعتکاف کی احتیاطاً قضا کرلے۔

" لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وان لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول ابى يوسف اما على قول غيره (اى عند ابى حنيفة) فيقضى اليوم الذى افسده لاستقلال كل يوم بنفسه ". (شامى: ۲/۴۴۴/۴۴۵، مكتبه سعيد) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۰/۹۰/۱۹۹۰ء

(۱۲۹۸) معتکف جمعہ کے غسل کے لیے نکلے تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا؟

سوال: معتکف جمعہ کے غسل کے لیے نکلے تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا؟ اگر فاسد ہوجائے گا تو قضا لازم ہے؟

جواب: معتکف فرض غسل کے لیے نکل سکتا ہے، فرض کے علاوہ غسل کرنے کے لیے نکلنے کی اجازت نہیں، اگر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا، اگر سنت اعتکاف نہ ہوتو قضا کرنا واجب تو نہیں، مگر قضا کرلے تو بہتر ہے، اوراگر رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف ہوتو رمضان کے جس دن کا اعتکاف فاسد ہوگیا اس دن کی قضا روزے کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔

" اذا اعتكف الرجل من غير ان يجب على نفسه ثم خرج من المسجد لا شيء عليه ". (فتاوى سنگره مسلم گجرات ، فتاوى خانية : ٢٠٦)

" لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع و ان لزوم قضاء جميعه او باقيه مخرج على قول ابى يوسف اما على قول غيره (اى عند ابى حنيفة) فيقضى اليوم الذى افسده لاستقلال كل يوم بنفسه ". (شامى: ۲/۴۴۴،۴۴۵، مكتبة سعيد) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۹۹) اعتکاف میں پردہ کرنا اور مسجد میں غیر معتکف کا کھانا:

سوال: رمضان المبارک میں ہمارے گاؤں کی دونوں مسجد میں لوگ اعتکاف میں ایک پردہ لگا کر بیٹھتے ہیں، سب ایک ہی پردے میں رہتے ہیں، مسجد میں بہت جگہ ہے، تو بیچ میں بغیر پردہ کے رہنا کیسا ہے؟ معتکف کے ساتھ غیر معتکف بعد تراویح مسجد میں کھانا کھاتے ہیں تو کیا مسجد میں کھانا جائز ہے؟

جواب: اعتکاف میں پردہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ کھانے اور سونے کی حالت میں لوگوں سے پردہ رہے اور تنہائی میں رہ کر ذکر اور عبادت اچھی طرح کرسکے، تو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، کہ ضرورت سے زائد جگہ روکی نہ جائے، جس سے مصلیوں کو تکلیف پہنچے اور تمام معتکفین کو ایک ساتھ رہنا درست ہے، مگر ہر ایک کے درمیان پردہ کردینا بہتر ہے، تاکہ تنہائی میں اچھی طرح عبادت ہوسکے، ایک دوسرے کو تکلیف نہ ہو، اور پردہ کا بھی خیال رہے، معتکف کے ساتھ غیر معتکف کو خصوصاً

کھانے کے لیے مسجد میں جمع ہونا اور کھانا کھانا جائز نہیں، مسجد کے ادب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

عن زيد بن ثابت انه قال : احتجر اى اتخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد حجرة من حصير لصلوته تطوعا و انفراده للذكر والفكر تضرعا والظاهر انه كان معتكفا فجعل الحصير ليحجزه عن الناس حال الاكل والنوم والسآمة ، ويؤخذ منه جواز اتخاذ الحجرة فى المسجد من حصير ونحوه لكن يشترط كما هو ظاهر ان لا يحجزه على أكثر مما يسعه والاحرام لان اخذه اكثر من ذلك فيه تضييق على المصلين". (بذل المجهود: ۳۶۶/۲)

" قال فى متن الوقاية : ويأكل اى المعتكف ويشرب وينام ويبيع ويشترى فيه لا غيره ، قال ملا على القارى فى شرحه : اى لا يفعل غير المعتكف شيئا من هذه الامور فى المسجد ". (شامی: ۱۸۵/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۰۰) صرف رات کے اعتکاف کی نذر ماننا صحیح نہیں:

سوال: اگر کسی نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو مغرب سے فجر تک اعتکاف کروں گا، تو کیا اس پر نذر کا پورا کرنا ضروری ہے؟

جواب: نذر کے اعتکاف کے لیے روزہ ضروری ہے اور روزہ دن میں ہوتا ہے رات میں نہیں، لہٰذا دن کی نیت کے بغیر صرف رات کے اعتکاف کی نذر ماننا صحیح نہیں اور مغرب سے فجر تک کے اعتکاف کی نذر ماننے پر کوئی چیز لازم نہیں۔

" رجل قال : لله علىّ ان اعتكف ليلة و نوى اليوم يلزمه الاعتكاف وإن لم ينو لا شيء عليه ". (فتاوى قاضى خان: ۱۰۸/۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲/ صفر المظفر / ۱۴۰۷ھ

(۱۳۰۱) رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف:

سوال: رمضان المبارک میں اعتکاف کا شریعت میں کیا درجہ ہے؟ اپنے شہر کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے شہر یا دیہات کی مسجد میں اپنے شیخ ومرشد کی وجہ سے یا اور کسی علت کی وجہ سے ہر سال رمضان میں دس دن کا یا ایک مہینہ کا اجتماعی اعتکاف کرنا قرآن وحدیث کے اعتبار سے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اعتکاف کیا ہے اور جس سال وفات پائی اس سال بیس دن کا اعتکاف کیا تھا، لہٰذا رمضان المبارک کے اخیری عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، محلّہ کی مسجد میں ایک شخص بھی اعتکاف کرلے گا تو سنت ادا ہوجائے گی، ہدایت اور فیض حاصل کرنے اور سنت کی نیت سے اعتکاف کے لیے جمع ہونا درست ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام کا اعتکاف کرنا یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳رشوال المکرّم ر ۱۴۰۷ھ

(۱۳۰۲) اعتکاف ختم ہونے پر اجتماعی دعا:

سوال: جب عید کا چاند ہوتا ہے اور معتکف حضرات اعتکاف سے نکلتے ہیں تو آبادی میں سے ایک شخص، یا معتکف حضرات میں سے ایک شخص اجتماعی دعا کراتا ہے، کیا شرعاً یہ طریقہ درست ہے؟

جواب: جو کام شریعت سے ثابت نہ ہو وہ کام ردو باطل ہے، اور جس کام کی مثال اکابر میں نہ ہو اس کو ضروری سمجھ لی جائے، یا ضروری جیسا برتاؤ کیا جائے، اس کو بدعت کہتے ہیں، مشہور محدث امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق ، و في الشرع : احداث ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم" . (حاشية مشكوة المصابيح: ۲۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد'' . (مشکوۃ المصابیح : ۲۷)

''جس نے شریعت میں کوئی نئی بات نکالی جو شریعت سے ثابت نہ ہو، وہ رد ہے۔''

لہذا اعتکاف ختم ہونے کے بعد اجتماعی دعا کرنا اس کا کوئی ثبوت نہیں، عید کی رات مبارک رات ہے، دعا کے قبولیت کی زیادہ امید ہے، لہذا خود تنہا تنہا دعا کرنی چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۳ رشوال المکرّم ۱۴۱۸ھ

(۱۳۰۳) معتکف کو مسجد کا ادب واحترام کرنا چاہیے:

سوال: رمضان کے اخیر عشرہ میں لوگ اعتکاف کرتے ہیں، مگر مسجد میں جہاں چاہیں سوجاتے ہیں، افطار کے وقت اور کھانا کھاتے وقت بات چیت کرتے ہیں، قرآن شریف زور سے پڑھتے ہیں تو اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: معتکف کو ضرورتاً مسجد میں کھانے پینے کی اجازت ہے، مگر معتکف کا مسجد کو گھر نہیں بنانا چاہئے، بل کہ مسجد کا احترام ضروری ہے، قرآن حکیم میں ہے: ''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بندوں سے کہدو کہ وہ وہی باتیں کریں جس میں بھلائی وخیر ہو۔'' (سورۂ بنی اسرائیل) تو جب کہ مسجد کے باہر بھلائی کے علاوہ اور باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے، تو مسجد میں ایسی باتیں کرنے سے بچنا بہت ضروری ہے، خصوصاً معتکف کے لیے، معتکف کو قرآن کی تلاوت، حدیث اور دینی کتابیں پڑھنی چاہیے۔ (البحر الرائق: ۲/۳۰۴)

فتح القدیر میں ہے کہ مسجد میں دنیوی باتیں نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہیں، جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے، جو شخص مسجد میں دنیوی باتیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چالیس دن کے عمل کو ختم کر دیتا ہے۔ (آداب المساجد: ۳۰)

مسجد میں قرآن کی تلاوت بھی اس طرح کرنی چاہیے کہ دوسرے مصلی اور ذکر کرنے والے

کو خلل نہ ہو، لہٰذا معتکف کو آداب الاعتکاف اور آداب المسجد کی رعایت کرنا بہت ہی ضروری ہے۔

"وأما الثالث وهو أنه لا يتكلم الا بخير فلقوله تعالى : ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِىْ يَقُوْلُ الَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾ و هو بعمومه يقتضى ان لا يتكلم خارج المسجد الا بخير فالمسجد اولى . كذا فى غاية البيان و فى التبيين . و اما التكلم بخير خبر فانه يكره لغير المعتكف فما ظنك للمعتكف؟ قالوا : و يلزم قراة القرآن و الحديث و العلم و التدريس و سير النبى صلى الله عليه وسلم و قصص الانبياء و حكايات الصالحين و كتابة امور الدين" .

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۸۴، البحر الرائق: ۲/۳۰۴)

" ولا يتكلم الا بخير اى بما لا اثم فيه ، فان حرمة التكلم بالشر فى وقت الاعتكاف اشد منه فى غيره ". (جامع الرموز، قبيل كتاب الحج) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۳/۱۲/۱۹۷۷ء

(۱۳۰۴) اعتکاف میں کھانا پینا:

سوال: کیا معتکف مسجد میں کھا پی سکتا ہے؟

جواب: معتکف مسجد میں کھا پی سکتا ہے، اگر کوئی شخص تھوڑی دیر کے لیے بھی اعتکاف کی نیت کرے اس کو بھی مسجد میں کھانا پینا درست ہے، جس کے اعتکاف کی نیت نہ ہو اس کے لیے کھانا جائز نہیں، اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو اور کچھ اللہ کا ذکر کر لے، اس کے بعد آرام کرنا چاہے تو آرام کر سکتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۰۵) غیر معتکف کا مسجد میں کھانا:

سوال: ہمارے محلّہ کی مسجد میں رمضان کے اخیر عشرہ میں لوگ اعتکاف کرتے ہیں، تمام معتکفین ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں، بعض مرتبہ پہچان والوں کو، امام اور مؤذن کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ بھی مسجد میں کھاتے ہیں، بعض مرتبہ سفیر حضرات کو بھی اپنے ساتھ کھانا کھلاتے ہیں، تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: مسجد، عبادت، تلاوت، ذکر و وعظ اور دینی تعلیم کے لیے ہوتی ہے، مسجد میں نیکی اور بھلائی کی بات جس میں گناہ نہ ہو وہی کی جائے، بہ ضرورت مباح بات کرنا درست ہے، دینی بات کے علاوہ بغیر ضرورت کے دوسری باتیں کرنا جائز نہیں، مکروہ ہے، بغیر ضرورت کے دنیا کی باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح ختم کر دیتی ہیں جیسے کہ آگ لکڑی کو ختم کر دیتی ہے۔ (درمختار مع الشامی: ۱۸۵/۲)

معتکف کو سوائے مسجد کے دوسری جگہ کھانا پینا جائز نہیں، مسجد میں کھانا پینا معتکف کے لیے خاص ہے، یا مسافر جس کے لیے مسجد سے باہر انتظام نہ ہو، اس کو مسجد میں ضرورت کے وقت کھانا جائز ہے۔ (الاشباہ والنظائر)

"وخص المعتكف بأكل وشرب ونوم". (الدر المختار: ۴۴۸/۲، مکتبہ سعید)

لہٰذا غیر معتکف کو مسجد میں کھانا پینا درست نہیں، معتکف کو بھی چاہیے کہ وہ دوست واحباب کو نہ بلائے، مسجد کا احترام کرے، جنرل ہال جیسا معاملہ نہ کرے، کھانا کھانے میں مسجد کی اتنی جگہ استعمال نہ کرے جس سے مصلی کو خلل پہنچے، اور مسجد کا فرش خراب نہ ہو اس کا پورا خیال کیا جائے، اس لیے کہ مسجد کو پاک صاف رکھنا واجب ہے۔

"والظاهر ان مثل النوم الاكل والشرب إذا لم يشغل مسجد ولم يلوثه لان تنظيفه واجب". (شامی: ۴۴۹/۲، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

کتاب الحج

حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان

(۱۳۰۶) حج کی فضیلت اور آداب:

سوال: حج کی فضیلت و آداب اور حج میں جانے سے پہلے و آنے کے بعد کن کن چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟

جواب: حج ایک اعتبار سے افضل عبادت ہے، تو دوسرے عبادت سے ایک محبت کا سفر ہے، حج سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، تو اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ معمولی نافرمانی بھی اللہ کی ناراضگی کا سبب بن جاتی ہے، ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق نہ بنے، لہٰذا حج کے مبارک سفر میں ہر ہر قدم پر احتیاط کی ضرورت ہے۔

اس بادشاہ کے دربار کی حاضری کے کچھ آداب بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) حج میں جانے سے قبل حاجی صاحب کو اپنی نیت کی تصحیح کر لینی چاہیے کہ حج صرف اللہ کی رضا اور ایک فرض ادا کرنے کی نیت سے کیا جائے، لوگوں کی تعریف یا نام و نمود کی نیت نہ ہو۔

(۲) حج کے سفر میں روانہ ہونے سے پہلے تمام گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے، جن لوگوں کے حقوق باقی ہوں ان کو ادا کر دینا چاہیے، اور جس کسی کی امانت ہو اس کو سونپ دینی چاہیے، جس سے خالق اور مخلوق کے حق اور ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر صحیح معنی میں حج کی روح اور مزہ حاصل ہو۔

(۳) حج کے قبول ہونے کا مدار اس پر ہے کہ حج کے خرچ میں ذرہ برابر بھی حرام مال ملا ہوا نہ ہو، صرف حلال مال استعمال کیا جائے، اگر کسی نے حرام مال سے حج کیا تو فرض اس سے ادا ہو جائے گا، مگر حج کا ثواب نہیں ملے گا۔

(۴) حج کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ حج کے ضروری خرچ میں بخل نہ کرے، اس لیے کہ حج کے خرچ پر برکت اور ثواب کا وعدہ ہے، جیسا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''حج میں مال

خرچ کرنا فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے برابر ہے، کہ ایک روپیہ کے بدلے سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حج وعمرہ ایک ساتھ ادا کرو، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک فقیری اور گناہوں سے اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح آگ کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دور کرتی ہے، اور مقبول حج کا ثواب جنت کے علاوہ کچھ نہیں۔" (مشکوٰۃ شریف)

حج اور عمرہ ایک ساتھ ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے عمرہ کیا اس کے بعد حج بھی کرو، اور اگر حج ادا کیا ہے تو اس کے بعد عمرہ بھی کرو، اس لیے کہ یہ گناہوں اور فقیری کو دور کرتے ہیں، فقیری دور کرنے کا مطلب ظاہری فقیری بھی ہوسکتی ہے، اور باطنی فقر بھی ہوسکتا ہے، یعنی حج کرنے سے اللہ تعالیٰ مال ودولت دیتا ہے، یا دل غنی کر دیتا ہے۔

(۵) حج کے آداب میں سے یہ ہے کہ حج میں جانے والا حج کے سفر کے درمیان گناہوں اور غلط کاموں سے پوری طرح دور رہے، بدزبانی نہ کرے، بے حیائی کے کام، لڑائی جھگڑا نہ کرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "حج کے متعین مہینے ہیں جس نے اپنے اوپر حج فرض کیا وہ بے حیائی کے کاموں، گناہ اور لڑائی جھگڑا نہ کرے۔" (سورۂ بقرہ: ۱۹۷)

مطلب یہ ہے کہ حج کے درمیان صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے، اور گذشتہ گناہوں پر افسوس کے ساتھ توبہ کرے، اس لیے کہ گناہوں سے توبہ نہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، اسی طرح کوئی نماز قضا نہ ہو، اور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس مبارک سفر میں ہر نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کی جائے۔

جو شخص حج کے شرائط، فرائض، واجبات، سنن، مستحباب اور آداب کا خیال رکھ کر حج ادا کرے گا اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اللہ کے لیے حج کرے اور حج کے احرام کی حالت میں اپنی بیوی سے الگ رہے، اور برائیوں میں مبتلا نہ ہو تو وہ اس طرح وہ لوٹتا ہے جس

طرح پیدا ہونے کے دن گناہوں سے پاک تھا۔''

جب کوئی شخص حلال مال سے حج کے لیے جاتا ہے اور تلبیہ پڑھتا ہے تو آسمان سے فرشتہ آواز دے کر کہتا ہے'' **لبیک وسعدیک** ''میں تیری خدمت کے لیے حاضر ہوں، اور کہتا ہے: تیرے حج کے سفر کا خرچ حلال ہے، تو تیرا حج مقبول اور تیری کوشش مبرور ہے، اور حرام مال سے حج میں جانے والا جب تلبیہ پڑھتا ہے تو آسمان سے فرشتہ کہتا ہے: تیرا خرچ حرام ہے لہٰذا تیرا حج مقبول نہیں، اور تیری کوشش بے کار ہے۔

''لا یقبل اللہ الا کل طیبۃ ما کل من حج بیت اللہ مبرور''.

''اللہ تعالیٰ پاک اور صاف مال قبول کرتا ہے، لہٰذا ہر حاجی کا حج مبرور نہیں ہوتا۔''

(۶) حاجی کے لیے مناسب ہے کہ ہر مسلمان کے لیے مغفرت کی دعا کرے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حاجی کو اور حاجی جس کے لیے مغفرت چاہے اس کی بھی مغفرت کر دیتا ہے''۔ (ہدایہ: ۲۳۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۰۷) حج مبرور کسے کہتے ہیں؟

سوال: حج کے لیے جانے والے کو کونسی چیزیں ضروری ہیں؟ کونسی باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ حج مبرور کسے کہتے ہیں؟ اس کے فوائد کیا کیا ہیں؟

جواب: حج ایک اہم عبادت ہے، حج کا سفر ایک محبت کا سفر ہے، حج سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، یہ بھی خطرہ ہے کہ معمولی کوتاہی متبرّک جگہ کی بے حرمتی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جائے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: (۱) حج میں جانے والا سب سے پہلے اپنی نیت صحیح کرلے، اللہ کی رضا اور حج کا فریضہ ادا کرنے کی نیت ہونی چاہیے، لوگوں کی تعریف یا حاجی صاحب کہا جائے اس کا خیال نہ ہونا چاہیے، (۲) حج میں جانے سے پہلے گناہوں کی توبہ کرلے، حقوق العباد ادا کر دے، غیبت، دشمنی

اور رشتہ داروں کے گھر جا کر معافی مانگ کر حقوق ادا کر دے، تا کہ اس شعر کا مصداق نہ بنے:

بہ طوافِ رفتم بہ حرم رحم ندارد ☆ بیرونِ خانہ چہ کردی کہ درون خانہ می آئی

ترجمہ: بیت اللہ کے طواف کے لیے گیا مگر یہ کہہ کر ٹھکرایا گیا کہ باہر کیسے کیسے کام کیے کہ اب طواف کے لیے تو آیا۔

(۳) حج کا پورا خرچ حلال مال سے ہونا چاہیے، ذرہ برابر بھی حرام مال نہ ہو، حج کے قبول ہونے کا مدار حلال مال پر ہے، جب حاجی حلال مال سے حج کرتا ہے، اور تلبیہ پڑھتا ہے تو آسمان سے ایک پکارنے والا آواز دیتا ہے کہ "**لَبیک وسعدیک**" اور کہتا ہے کہ تیرے سفر کا خرچ اور تیری سواری حلال مال سے ہے، تیرا حج مقبول اور تیری کوشش کامیاب، اور حرام مال سے حج کرنے والے کو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں تیرے سفر کا خرچ حرام اور ناجائز مال سے ہے، لہٰذا تیرا حج قبول نہیں، اور تیری کوشش کامیاب نہیں، لہٰذا حرام مال سے حج کرنے والے کے ذمہ سے حج کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا مگر حج کا ثواب نہیں ملے گا۔

"**یسقط الفرض عنه ...... وإن كانت مغصوبة فلا يصاب لعدم القبول**".

(البحر الرائق: ۲/ ۳۰۹)

حج مبرور اس حج کو کہا جاتا ہے جو حلال مال سے کیا جائے اور حج میں کوئی گناہ کا کام نہ کیا جائے، حج کے بعد زندگی میں اس طرح تبدیلی آئے کہ دنیا کی رغبت نہ رہے اور آخرت کی طرف توجہ رہے۔ (اوجز المسالک: ۲/ ۳۹۲، مرقاۃ المفاتیح: ۳/ ۱۶۶)

حج کے دینی فوائد یہ ہیں: حاجی دل کی خوشی کے ساتھ جو کچھ خرچ کرے گا اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "حج میں خرچ کرنا فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے برابر ہے، ایک روپیہ کے بدلے سات سو کا ثواب ملے گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جو اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرے اور حج کے درمیان لڑائی جھگڑا اور بے حیائی کی باتیں نہ کرے تو گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے بچہ ماں کے

پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، جو گناہوں سے پاک ہوتا ہے''، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''حج مقبول کا ثواب تو جنت ہی ہے۔'' (مشکوٰۃ:۲۲۱) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۳۰۸) حج کا معنیٰ اور فضیلت:

سوال: حج کا معنیٰ کیا ہے؟ حج کس پر فرض ہے؟ حج کب کیا جائے؟ اور حج کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً﴾ . (سورۂ آل عمران)

یعنی اللہ کو راضی کرنے کے لیے اس گھر کا حج ان لوگوں پر فرض کیا گیا ہے، جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب خانۂ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کرو! تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ''ابی قبیس'' پر چڑھ کر اعلان کیا آگاہ ہوجاؤ! کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر بنانے کا حکم دیا، اور وہ بن گیا، آگاہ ہوجاؤ! خانۂ کعبہ کا حج کرو، تو جو لوگ پشت پدر اور رحم مادر میں تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے آواز پہنچا دیا، تو جن لوگوں نے ایک، دو یا جتنی مرتبہ جواب دیا ہوگا اس اعتبار سے حج کریں گے۔ (عنایہ شرح الہدایہ)

قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتُونَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾. (سورۂ حج:۲۷)

ترجمہ: ''اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو! لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستے سے پہنچی ہوں گی۔''

اسی روحانی شوق کی بنا پر لوگ ہزاروں میل دور سے چاہے کتنی ہی تکلیف پہنچے مگر خانۂ کعبہ تک پہنچتے ہیں۔

حج کا معنی ارادہ کرنا اور شرعاً: حج کی نیت سے احرام کے ساتھ طواف زیارت اور وقوف عرفہ کو حج کہا جاتا ہے۔(البحر الرائق)

اسلام کے چار ستونوں میں سے ایک حج بھی ہے، یہ وہ عبادت ہے جو خانۂ کعبہ کے علاوہ دوسری کسی اور جگہ پر ادا نہیں ہو سکتی، جیسے کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، کسی بھی جگہ ان کی شرائط کے مطابق ادا ہو سکتے ہیں، جس کے پاس اپنی اولاد اور جن کا نفقہ اس پر لازم ہے ان کے کھانے پینے رہنے کا مکان، کپڑے اور آنے جانے کا کرایہ ہو تو اس پر حج فرض ہے، عورت کے لیے حج ادا کرنے کے لیے دیندار محرم کا ہونا ضروری ہے، جس سے ہمیشہ نکاح کرنا جائز نہ ہو۔(الدر المختار مع الشامی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کو راضی کرنے کے لیے ان لوگوں پر حج فرض ہے، جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں، آج کل عام طور پر ایسا خیال ہو گیا ہے کہ حج میں جانے والے کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کی تمام ضروریات سے فارغ ہو جائے، اولاد کی شادی وغیرہ ہو جائے جب دنیوی کوئی ضرورت باقی نہ رہے تب اللہ کے گھر کا سفر کرنا چاہیے، مگر قرآنی تعلیم کے مطابق جب بھی حج کے لیے طاقت آ جائے اس وقت تمام کاموں کو چھوڑ کر حج کے لیے جانا ضروری ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کے پاس حج کرنے کی طاقت ہے، اور نکاح کرنے کی بھی ضرورت ہے، تو اب وہ پہلے حج ادا کرے یا نکاح کرے؟ تو جواب دیا کہ پہلے حج ادا کر لے، لہٰذا حج فرض ہونے کے بعد فوراً حج کے لیے کوشش کرنا اور حج ادا کرنا ضروری ہے، تاخیر کرنا جائز نہیں، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔(فتح القدیر: ۲/۳۲۳)

حدیث شریف میں ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے کہ طاقت ہونے کے باوجود حج میں نہ جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’جو شخص صحت مند ہو اور حج کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس کے باوجود حج نہ کرے تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے‘‘، یعنی حج چھوڑنے کی بنا پر سخت گناہ کے ساتھ مرے گا۔(مشکوٰۃ شریف)

حج اللہ کی طرف سے اس کی رحمتیں اور مغفرت حاصل کرنے کا پیغام ہے، اور مسلمانوں کی

کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جس نے حج کیا اور گناہوں سے پرہیز کیا، تو گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر واپس آئے گا جیسے کہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔‘‘ (بخاری شریف)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’حج وعمرہ یکے بعد دیگرے کرتے رہو اس لیے کہ یہ دونوں محتاجگی اور گناہوں سے اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دور کرتی ہے، اور مقبول حج کا بدلہ تو جنت ہی ہے۔‘‘ (ترمذی شریف)

حج میں روانہ ہونے سے پہلے فکر کے ساتھ حقوق العباد ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، ان کے حقوق ادا کردیئے جائیں یا معاف کرالیے جائیں، اور اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنا چاہیے، دوست احباب اور رشتہ داروں کے پاس جاکر ان سے دعا کی درخواست کرنا چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۰۹) حج سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں:

سوال: حج ادا کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں تو کونسے گناہ معاف ہوتے ہیں؟ کیا قضا نماز اور روزے بھی معاف ہوجاتے ہیں؟

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولد ته امه‘‘ (متفق علیه)

(مشکوۃ المصابیح: ۲۲۱)

’’جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور حج کے درمیان گالی گلوچ، فسق اور کسی سے جدال نہیں کیا تو حج کرنے سے نوزائیدہ بچہ کی طرح گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے۔‘‘

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ اخلاص کے ساتھ حج کے تمام ارکان صحیح طریقے سے ادا کرنے سے حج سے پہلے کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں مگر اس سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، البتہ وقت پر نماز نہ پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے اور زکوۃ ادا نہ کرنے سے جو گناہ ہوتا ہے حج کرنے سے یہ

گناہ معاف ہوگا، مگر نماز روزے معاف نہ ہوں گے، اس کی قضا کرنا لازم ہے، اور حقوق العباد مثلاً قرض وغیرہ ادا کرنا ضروری ہے، حج کرنے سے وہ معاف نہ ہوگا۔

(مرقاۃ المفاتیح فی شرح مشکوۃ المصابیح: ۲۲۱/۳)

علامہ ابن نُجیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بندوں کا قرض معاف ہوجاتا ہے اور نماز روزے اور زکوۃ معاف ہوجاتے ہیں، مگر حج کرنے سے یہ معاف نہیں ہوتے، اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ (والدین کی نافرمانی اور جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا سحر کرنا شراب پینا وغیرہ) سوائے توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ (درالمختار شرح ردالمحتار ۳۵۰/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۱۰) حج کے پانچ دنوں کے افعال کی تفصیل:

سوال: حج کے جو پانچ دن ہیں، ان میں کون کون سے کام کس طرح کیے جائیں؟ اس کو مفصل تحریر فرمائیں!

جواب: حج کا پہلا دن یعنی آٹھویں ذی الحجہ اس میں غسل کر کے احرام پہن لے، احرام کی نیت سے دو رکعت پڑھ کر سر پر سے چادر ہٹالے اور حج کی نیت کرے: ''**اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی**'' اس کے بعد بلند آواز سے تلبیہ پڑھے: ''**لبیک اللھم لبیک ، لبیک لا شریک لک لبیک ، ان الحمد والنعمة لک والملک ، لا شریک لک**''

حرم میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد منیٰ روانہ ہو، منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور نویں ذی الحجہ کی فجر، اس طرح پانچ نمازیں ادا کرنا ہے۔

اس کے بعد دوسرے دن منیٰ میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہو، وقتاً فوقتاً تلبیہ پڑھتا رہے، وقوف عرفہ کا وقت زوال آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک ہے، قبل الغروب روانہ ہوجانے سے دم واجب ہوگا، عرفات میں ظہر اور عصر اپنے اپنے وقت میں اپنی قیام گاہ پر ساتھیوں کے ساتھ مع جماعت ادا کرے، امامِ حج کی اقتدا میں جماعت کے ساتھ پڑھنا درست نہیں۔

عرفات میں قبلہ کی طرف منہ کر کے سومرتبہ چوتھا کلمہ اور سومرتبہ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' مکمل مع بسم اللہ پڑھے، اور سومرتبہ درود ابراہیمی پڑھے، ان کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پڑھنے والا جس کی سفارش کرے گا وہ قبول کی جائے گی، عرفات سے غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ روانہ ہو جائے اور مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا کی نماز جمعِ تاخیر کے طور پر ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کی جائے، ایک اقامت بھی چل سکتی ہے، دونوں فرض پڑھ لینے کے بعد پہلے مغرب کی سنتیں اور اسکے بعد عشا کی سنتیں اور وتر پڑھی جاوے، مزدلفہ کی رات شب قدر سے بھی زیادہ افضل ہے، دسویں کو رمیِ جمار کے لیے مزدلفہ سے چنے کے دانے کے برابر کنکریاں چُن لینا سنت ہے، دوسرے دن کی کنکریاں جمرات کے علاوہ جہاں سے چاہے لے سکتا ہے۔

تیسرے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز اولِ وقت میں پڑھ کر ذکر اور دعا وغیرہ میں مشغول رہے، اور طلوع شمس سے کچھ پہلے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہو، منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کرے، رمی کے وقت یہ پڑھے: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطٰنِ وَرِضاً لِلرَّحْمٰنِ''.

پہلی کنکری مارنے کے ساتھ تلبیہ بند کر دے، رمی کے بعد قربانی کرے، اسکے بعد حلق کرے، یہ سب کام بالترتیب کرنا واجب ہے، تقدیم وتاخیر سے دم واجب ہوگا، حلق کرنے سے احرام ختم ہوگیا، اب سِلے ہوئے کپڑے پہننا جائز ہے، اس کے بعد ''مکۃ المکرّمہ'' آ کر طواف زیارت کرے، یہ طواف فرض ہے۔ اگر دسویں کو طوافِ زیارت نہ ہو سکے تو گیارہویں اور بارہویں کو ہو سکتا ہے، طوافِ زیارت میں رمل کرنا اور صفا ومروہ کی سعی کرنا لازم ہے، اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد نفل طواف، رمل اور صفا ومروہ کی سعی کر لی ہو تو طوافِ زیارت کے بعد صفا ومروہ کی سعی کرنا لازم نہیں۔

دسویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبحِ صادق سے زوال تک ہے، زوال سے لیکر غروب تک وقت جواز ہے، اور غروب کے بعد مکروہ ہے، مگر بیمار یا عورت اور ضعیف لوگ بھیڑ کی بنا پر رات کو رمی کرے تو مکروہ نہ ہوگا۔

جمرہ سے کم از کم پانچ ہاتھ دور رہ کر کنکری ماری جاوے، کنکری مارتے وقت ہاتھ اتنا بلند کیا جاوے کہ بغل کا حصہ دکھائی دیوے۔

حج کا چوتھا دن یعنی گیارہویں کو تینوں جمرات کی رمی کی جاوے، سب سے پہلے جمرۂ اُولیٰ اور وُسطیٰ اور اخیر میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرے، رمی کے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرے، شیطان کے بالکل سامنے کھڑے نہ رہے، ہر کنکری کے وقت "**بسم اللہ اللہ اکبر ، رغما للشیطان ورضا للرحمن**" پڑھے۔

حج کا پانچواں دن یعنی بارہویں ذی الحجہ کو گیارہویں کی طرح تینوں جمرات کی بالترتیب رمی کرے، گیارہویں اور بارہویں کو رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، قبل الزوال رمی کرنا جائز نہیں، زوال سے لیکر غروب تک سنت وقت ہے، غروب سے صبح صادق تک مکروہ وقت ہے، مگر عورتوں اور کمزوروں کے لیے رات کو رمی کرنا مکروہ نہیں، اگر رات کو بھی رمی نہیں کی یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی تو اس کے بعد رمی کی قضا لازم اور دم بھی واجب ہوگا، بارہویں کو غروب سے پہلے مکۃ المکرّمہ آجاوے، غروب کے بعد تیرہویں کی رمی کے بغیر منیٰ سے آجانا مکروہ ہے، اگر منیٰ میں تیرہویں کی صبح صادق ہوجاوے تو تیرہویں کی رمی کرنا واجب ہوگا، اگر رمی نہیں کی تو دم واجب ہوگا، البتہ تیرہویں کو قبل الزوال رمی کرنا درست ہے۔

مکۃ المکرّمہ سے روانہ ہوتے وقت طواف وداع کرنا واجب ہے، اگر عورت کو حیض آگیا اور ٹھہر نہیں سکتی تو اس پر سے طواف وداع معاف ہوجائے گا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۱۱) حج کا طریقہ:

سوال: حج کرنے والے کے لیے آٹھویں ذوالحجہ سے لیکر بارہویں ذوالحجہ تک جو افعال کرنے ہیں انہیں مفصل بیان کریں!

جواب: حج کا پہلا دن یعنی آٹھویں ذوالحجہ:

حج کا احرام رات سے یا آٹھویں کی صبح غسل کرکے پہن لے، اسکے بعد اگر آسانی ہو تو حرم شریف میں، یا جہاں آسان ہو وہاں دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھے، اس نماز میں احرام کی چادر سر پر ڈالے رکھے، سلام کے بعد چادر کو سر سے ہٹالے، اس کے بعد نیت کرے:

"اللهم انی ارید الحج فیسره لی وتقبله منی" .

اس کے بعد تلبیہ پڑھے: **"لبیک اللهم لبیک ، لبیک لا شریک لک لبیک ، ان الحمد والنعمة لک والملک ، لا شریک لک"**

مرد زور سے تلبیہ پڑھے اور عورت آہستہ پڑھے۔

طلوع آفتاب کے بعد مکۃ المکرّمہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہو، منیٰ میں ظہر وعصر، مغرب، عشا اور فجر پانچ نمازیں پڑھنا ہے، اور کوئی خاص کام نہیں ہے، دوسرے دن کی صبح تک منیٰ میں قیام کرنا عبادت ہے، ذکر، دعا اور استغفار میں مشغول رہنا چاہیے۔

حج کا دوسرا دن یعنی نویں ذوالحجہ:

نویں ذی الحجہ کو منی میں فجر کی نماز ادا کرکے بعد طلوع تلبیہ پڑھتے ہوئے عرفات کی طرف روانہ ہو، ہو سکے تو عرفات میں قبل الزوال غسل کرلے ورنہ صرف وضو کافی ہے مگر غسل کرنا مستحب ہے۔

" یستحب ان یغتسل قبل الوقوف بعرفة ....اما الا غتسا ل فهو سنة ولیس بواجب ولو اکتفی بالوضوء جاز". (ہدایہ:۱/۲۲۶،مکتبہ رشیدیہ)

نویں ذی الحجہ کو عرفات میں مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ظہر کے وقت میں جمع

تقدیم کے طور پر ادا ہوگی، ہو سکے تو اس میں شریک ہو اور دونوں نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لے، اگر مسجد نمرہ کی اس جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو ظہر اور عصر اپنے اپنے وقت میں اپنے خیمہ میں جماعت کے ساتھ ادا کر لینا چاہیے۔ نویں ذی الحجہ کو وقوف عرفہ فرض ہے، اسکا وقت زوال کے بعد سے دسویں ذوالحجہ کی صبح صادق تک ہے، اس وقت کے درمیان تھوڑی دیر کے لیے بھی عرفات میں پہنچ جائے تو حج ادا ہو جائے گا ورنہ حج ادا نہیں ہوگا۔

فائدہ: عرفات میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو ظہر کے وقت میں جمع کرنے کے لیے کچھ شرائط ہیں:

(۱) امام الحاج کا ہونا (۲) دونوں نمازوں میں احرام کا ہونا (۳) دونوں نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھنا (۴) عرفات کا ہونا۔ غروب آفتاب تک وقوف کرنا چاہیے، غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ روانہ ہو، غروب سے پہلے روانہ ہوا تو دم دینا پڑے گا، مزدلفہ پہنچ کر عشا کے وقت میں مغرب اور عشا کی نماز ایک ساتھ جمع تاخیر کے طور پر ادا کرے، دونوں نمازوں کے درمیان سنت یا نفل نہ پڑھے، عشا کی فرض کے بعد مغرب اور عشا کی سنت اور وتر پڑھے، مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستے میں یا کوئی اور جگہ مغرب کی نماز پڑھ لے تو صبح صادق سے پہلے مغرب کا اعادہ کرنا ہوگا، مغرب میں ادا کی نیت کی جائے گی نہ کہ قضا کی۔ (ہدایہ: ۲۲۸/۱)

یہ رات مزدلفہ میں گزارے، یہ رات بہت بابرکت ہے، بعض علماء نے شب قدر سے بھی افضل بتایا ہے، لہٰذا اس کو بھی اللہ کے ذکر، دعا اور استغفار میں گزارنا چاہیے، منیٰ میں تیسرے جمرے کی رمی کے لیے مزدلفہ سے سات کنکری لینا مستحب ہے، دوسرے اور تیسرے دن کی رمی کے لیے جہاں سے چاہے کنکری لے، فجر کی نماز مزدلفہ میں ادا کرے، طلوع آفتاب میں دو رکعت ادا ہو سکے اتنا وقت باقی ہو، تب منیٰ سے روانہ ہو۔ صبح صادق سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوا تو دم دینا پڑے گا۔

حج کا تیسرا دن یعنی دسویں ذوالحجہ:

دسویں ذی الحجہ کو منیٰ پہنچ کر طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے تیسرے جمرے (جمرۂ

عقبہ) کی رمی کرے، اس دن رمی کا وقت طلوع آفتاب سے لیکر گیارہویں کی صبح صادق تک ہے، مگر پہلے رمی کرنا بہتر ہے، رمی کے لیے جمرہ سے دو تین گز دور اس طرح کھڑا رہنا چاہیے کہ منیٰ داہنی طرف اور مکۃ المکرّمہ بائیں طرف رہے، شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑ کر سات کنکری مارے، ہر کنکری مارتے وقت ''بسم اللہ اللہ اکبر'' پڑھنا چاہیے، ساتھ میں یہ دعا پڑھے تو بہتر ہے ''**بسم الله الله اكبر ، رغماً للشيطان ، ورضاً للرحمن ، اللهم اجعله حجاً مبروراً وذنباً مغفوراً وسعياً مشكوراً**'' .

پہلے دن کی رمی کرتے ہی تلبیہ بند کردینا چاہیے، اس کے بدلے اللہ کا ذکر اور استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ رمی سے فارغ ہونے کے بعد حجِ تمتع یا حج قران ہو تو قربانی کرنا چاہیے، یہ قربانی واجب ہے۔ مفرد بالحج پر یہ قربانی واجب نہیں، قربانی کے بعد حلق کرنا یا قصر کرنا واجب ہے، منیٰ میں حلق کرنے کے بعد مکۃ المکرّمہ جاکر طواف زیارت کرے، طواف زیارت فرض ہے، طواف زیارت کا وقت دسویں سے لیکر بارہویں کے غروب سے پہلے تک ہے، مگر دسویں ذی الحجہ کو کرنا افضل ہے۔ اگر طواف قدوم میں رمل اور سعی نہ کی ہو تو طواف زیارت میں رمل کرے اور حج کی سعی کرلے۔

حج کا چوتھا دن یعنی گیارہویں ذوالحجہ:

مکۃ المعظّمہ میں طوافِ زیارت سے فارغ ہوکر منیٰ آجاوے، منیٰ میں گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے، اس کا وقت زوال کے بعد ہے، زوال سے پہلے جائز نہیں، رمی اس ترتیب سے کرے کہ پہلے جمرۂ اولیٰ، اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ، اس کے بعد جمرۂ عقبہ، بارہویں کو مکۃ المکرّمہ آجانا جائز ہے، اگر تیرہویں کی صبح صادق منیٰ میں ہوگئی تو تیرہویں کو بھی رمی کرنا واجب ہوگا، اب رمی کے بغیر جانا جائز نہیں۔

حج کا پانچواں دن یعنی بارہویں ذوالحجہ:

بارہویں ذی الحجہ کو بھی تینوں جمرات کی بالترتیب رمی کرنا واجب ہے، گیارہویں اور

بارہویں کو رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، زوال سے پہلے جائز نہیں، غروب آفتاب تک وقت سنت ہے، اور غروب سے لیکر صبح صادق تک مکروہ وقت ہے، مگر عورتوں اور ضعیف لوگوں کے لیے رات کو رمی کرنا مکروہ نہیں، اگر رات کو بھی رمی نہیں کی یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی تو بھی رمی کی قضا لازم ہے اور دم بھی واجب ہے۔ بارہویں کو غروب آفتاب سے پہلے مکۃ المکرّمہ آ جانا چاہیے، غروب کے بعد تیرہویں کی رمی کیے بغیر منیٰ سے مکۃ المکرّمہ آنا مکروہ ہے، اگر منیٰ میں تیرہویں کی صبح صادق ہوگئی تو تیرہویں کی بھی رمی واجب ہے، اگر نہیں کی تو دم واجب ہوگا، البتہ تیرہویں کو زوال سے پہلے رمی کرنا درست ہے۔ مکۃ المکرّمہ سے روانہ ہوتے وقت طواف وداع کرنا واجب ہے، اگر عورت کو حیض آ جاوے اور ٹھہر نہ سکے تو اس پر معاف ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۱۲) کیا حج سے پہلے کی نمازیں معاف ہو جائیں گی؟

سوال : حدیث میں ہے کہ جو شخص حج ادا کرے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور نوزائیدہ بچہ کی طرح پاک صاف ہو جاتا ہے، تو اگر پہلے کی نمازیں رہ گئیں ہوں تو بھی معاف ہو جاتی ہیں؟

جواب : حدیث شریف میں ہے کہ حج کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، مگر حج کرنے سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔ نماز، روزے، زکوۃ معاف نہیں ہوتے۔ حج کے بعد بھی ان کی قضا کرنا ضروری ہے۔ البتہ وقت پر نماز نہ پڑھنے کا، روزہ نہ رکھنے کا اور زکوۃ نہ دینے کا جو گناہ ہوتا وہ حج کرنے سے معاف ہوگا۔ حج کرنے کے باوجود نماز معاف نہ ہوگی، اس کی قضا لازم ہے، اسی طرح بندوں کا قرض معاف نہ ہوگا۔

"الحاصل ان تاخير الدين وغيره و تاخير نحو الصلوة من حقوقه تعالىٰ فيسقط اثم التاخير فقط عما مضى دون الاصل ودون التاخير المستقبل قال فى البحر : فليس معنى التكفير كما يتوهمه كثير من الناس ان الدين يسقط عنه و

کذا قضاء الصلوۃ والصوم والزکوۃ اذ لم یقل احد بذلک"

(الدر المختار مع الشامیة:ایضا مطلب فی تکفیر الحج الکبائرَ :۲/۲۲۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۱۳) کیا جمعہ کا حج، ''حج اکبر'' کہلائے گا؟

سوال : جمعہ کے دن حج ہوتو لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ''حج اکبر'' ہے تو اس کی کیا فضیلت ہے؟

جواب : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن ''حجۃ الوداع'' کیا وہ جمعہ کا دن تھا، دوسرے دنوں کی بہ نسبت جمعہ کے دن کا حج ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اس وجہ سے جمعہ کے دن کے حج کی فضیلت آئی ہے، اس لیے اس کو ''حج اکبر'' کہا جاتا ہے، عمرہ کو ''حج اصغر'' کہا جاتا ہے، لہٰذا عمرہ کے مقابلہ میں کسی بھی دن کے حج کو ''حج اکبر'' کہا جا سکتا ہے۔ (درمختار مع الشامی:۲/۶۲۲)

" فی حدیث رزین ان افضل الایام یوم عرفة فان وافق یوم الجمعة فهو افضل من سبعین حجا فی غیر یوم الجمعة ". (مرقاة : ۲۱۰، معارف مدنیه : ۱/۱۱۶)

" قد صح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال : افضل الایام یوم عرفة اذا وافق یوم جمعة وهو افضل من سبعین حجةً " (شامی :۲/۳۴۴) " لوقفة الجمعة مزیة سبعین حجة ویغفر فیها لکل فرد وورد ان الوقفة یوم الجمعة تعدل سبعین حجة وهو الحج الاکبر و وصف الحج بالاکبر لأن العمرة تسمی الحج الاصغر" . (تفسیر روح البیان:۱/۸۶۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۱۴) حرام مال سے حج کرنا کیسا ہے؟ حج مبرور کسے کہتے ہیں؟

سوال: حرام مال سے حج کرنا کیسا ہے؟ حج ادا ہوگا یا نہیں؟ حج مبرور کسے کہتے ہیں؟

جواب: حلال مال سے حج ادا کرے تو حج ادا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حج مبرور کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا کہ جو حج حلال مال سے ادا کیا جاوے۔

عن الحسن انه قيل له : أى الحج حج مبرور؟ قال : يكو ن بمال حلال .

(اوجز المسالک: ۳۲۹/۳)

حرام مال سے حج کیا جاوے تو فرض ساقط ہو جائے گا مگر حج کا ثواب نہیں ملے گا۔

(البحر: ۳۰۹/۲)

مسئلہ : حرام مال سے حج کرنا حرام ہے، اگر کسی نے حج کیا تو فرض ساقط ہو جائے گا، مگر حج مقبول نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج: ص ۸۱)۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۸۲/۴/۳ء

حج کی فرضیت ، شرائط اور ارکان

(۱۳۱۵) حج کا نصاب:

سوال: حج کس پر فرض ہے؟ کیا عورت کے لیے محرم کے خرچ کا ہونا بھی ضروری ہے؟

جواب: جس کے پاس اپنے اہل وعیال کا اوران لوگوں کا نفقہ جن کا نفقہ اس پر لازم ہے، اور مکان وکپڑے، اس کے علاوہ سفر کے آنے جانے کا خرچہ ہو اس پر حج فرض ہے۔

عورت کے حج ادا کرنے کے لیے ایسے دیندار محرم کا ہونا ضروری ہے، جس کے ساتھ کبھی بھی نکاح کرنا جائز نہ ہو۔ (فتح القدیر، شامی)

اگر محرم اپنے خرچ سے عورت کے ساتھ حج کے لیے جانے کو تیار نہ ہو، تو محرم کا خرچ بھی عورت کے ذمہ ہوگا، ایسی صورت میں حج ادا کرنے کے لیے اپنا اور محرم کا خرچ ہونا ضروری ہے۔ (معلم الحجاج)

اگر عورت کے پاس اپنا خرچہ تو ہو مگر محرم کو ساتھ لے جانے کا خرچہ نہ ہو تو حج فرض ہوگا، مگر محرم کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے حج نہ کرنے کا گناہ نہ ہوگا، البتہ موت کے وقت حج کی وصیت کرنا ضروری ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۱۶) حج کس پر فرض ہے؟ حج فرض نہ ہو اور اس نے حج کیا تو کیا دوبارہ ضروری ہے؟

سوال: حج کس پر فرض ہے؟ اگر کسی پر حج فرض نہ ہو، اور اس نے حج کیا تو کیا حج فرض ہونے کے بعد اس کو دوبارہ حج کرنا ضروری ہے؟

جواب: جس کے پاس اپنے اہل وعیال اور جن کا نفقہ ضروری ہے ان کا نفقہ اور رہنے کے لیے مکان، آنے جانے کا سفر خرچ ہو اور وہ عاقل و بالغ ہو، تو اس پر حج فرض ہے۔ حج فرض ہونے کے باوجود ادا نہ کرے تو سخت گناہ گار ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کے پاس بیت اللہ تک

پہنچنے کا خرچ ہو اور حج نہ کرے اور کوئی بیماری وغیرہ مانع نہ ہو، تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔'' مطلب یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ ایمان نہ لانے کی بنا پر جتنے سخت گناہوں کے ساتھ مرتے ہیں، اسی طرح شرعی عذر کے بغیر حج نہ کرنے والا اللہ کی طرف سے ملے ہوئے مال کی نعمت کی ناشکری اور حج نہ کرنے کی بنا پر سخت گناہوں کے ساتھ مرتا ہے۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : '' من ملک زاداً وراحلۃً تبلغہ الی بیت اللّٰہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یھودیاً او نصرانیاً ، وذلک اَن اللّٰہ تبارک وتعالٰی یقول: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ . (مشکوۃ المصابیح:۱/۲۲۲)

اگر عاقل بالغ پر حج فرض نہ ہو اور مکۃ المکرّمہ پہنچ کر فرض حج کی نیت سے حج ادا کرے، یا فرض اور نفل کی نیت کے بغیر صرف حج کی نیت سے حج ادا کرے تو فرض حج ادا ہو جائے گا، مال آنے کے بعد دوبارہ حج فرض نہ ہوگا، مگر فقیر آدمی جس پر حج فرض نہ ہو اور نفل حج کی نیت سے حج ادا کرے تو مال آنے کے بعد فرض حج ادا کرنا ضروری ہے۔ (رسائل الارکان:۲۳۶، شامی:۲/۱۹۵، معلم الحجاج:۸۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۱۷) جس کے پاس ضرورت سے زائد زمین ہو تو کیا اس پر حج فرض ہے؟

سوال: ایک شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زائد زمین ہے، نقد روپئے نہیں ہیں، تو کیا اس پر حج فرض ہوگا؟

جواب: جس شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زائد زمین اور مکان ہو، اور حج کے خرچ کے برابر زمین فروخت کی جاوے تو باقی زمین کی پیداوار سے اپنا گزر اور خرچ چل سکتا ہے، یا گذر اوقات کے لیے اس زمین کا بالکل استعمال نہ ہوتا ہو، تو زمین فروخت کر کے حج کے لیے جانا فرض ہے۔ اور اگر ضرورت سے زائد مکان ہو اور اس کو فروخت کرنے سے اپنے اور اہل وعیال کے رہنے میں تکلیف نہ ہو تو حج کے خرچے کے برابر مکان فروخت کر کے حج کے لیے جانا فرض ہے۔

" وان کان صاحب ضیعة له من الضیاع ما لو باع مقدار ما یکفیه الزاد والراحلة افترض علیه الحج والّا فلا ". (فتاوی عالمگیری:۲۱۸/۲ شامی:۱۹۶/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۱۸) پہلی شوال کو جو شخص مکہ مکرمہ میں ہو، کیا اس پر حج فرض ہو جاتا ہے؟

سوال: یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص عید الفطر (پہلی شوال) مکۃ المکرّمہ میں کرے، تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غریب شخص جس پر حج فرض نہیں ہے مگر شوق اور محبت میں مکۃ المکرّمہ کے لیے روانہ ہوا، اور حج کے مہینے: شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ کے درمیان مکۃ المکرّمہ پہنچ گیا، اور حج کرنے تک اس کے پاس خرچ موجود ہے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ اگر خرچہ نہ ہو یا حکومت کی طرف سے ادائیگیٔ حج تک رہنے کی اور حج ادا کرنے کی اجازت نہ ہو تو حج فرض نہ ہوگا۔ (زبدۃ المناسک:۱۴/۱) فقط۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۱/شعبان المعظم/ ۱۴۲۳ھ

(۱۳۱۹) مالدار ہونے پر دوبارہ حج فرض ہوگا؟

سوال: اگر کوئی مالدار شخص کسی غریب کو جس پر حج فرض نہ ہو، اپنے ساتھ حج کے لیے لے جاوے، تو کیا غریب کا فرض حج ادا ہوگا یا نفل؟ اور اس کو مال آنے کے بعد دوبارہ حج کے لیے جانا پڑے گا؟

جواب: اگر غریب شخص نے حج کرتے وقت فرض حج کی نیت کی یا مطلق حج کی نیت کی، تو اس کا یہ حج فرض حج شمار ہوگا، اس کے بعد اس کے پاس مال آجاوے تو دوبارہ حج کرنا فرض نہ ہوگا، اگر نفل کی نیت سے حج کیا تو مال آنے کے بعد دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔ (معلم الحجاج: ۸۱، زبدۃ المناسک:۱۲)

" ومن لم یجب علیه الحج لفقد الاستطاعة وصل الی مكة فقد افترض

علیہ الحج لوجدان الاستطاعة فان حج یقع فرضا ثم بعد ذلک لا یفترض مرة ثانیة وان وجد الاستطاعة". (رسائل الارکان : ۲۳۶) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۵/ ۷/ ۱۹۷۲ء

(۱۳۲۰) جس کے پاس کاشتکاری کی زمین ہو کیا اس پر حج فرض ہے؟

سوال: میرے پاس کاشت کی بڑی زمین ہے، جس میں سے کچھ حصہ میں کاشتکاری کرتا ہوں، اس میں سے جو پیداوار ہوتی ہے اس سے میرا گذر اوقات ہوتا ہے، مجھ پر قرضہ بھی ہے، میرے پاس نقد روپئے اور زیورات نہیں ہیں، جس کی بنا پر زکوۃ فرض نہیں ہے، تو کیا مجھ پر حج فرض ہے؟

جواب: آپ اپنا قرض ادا کرنے کے بعد اپنی زمین میں سے حج کے خرچ کے برابر زمین فروخت کریں اور حج کے سفر کے درمیان اہل وعیال کا نفقہ ادا کریں، اور زمین فروخت کرنے کے بعد باقی زمین سے گذر اوقات ہوسکتا ہو، تو آپ پر حج فرض ہوگا، اور اگر زمین فروخت کرنے بعد گذر اوقات نہ ہوسکتا ہو تو حج فرض نہ ہوگا۔

" وان کان صاحب ضیعة ان کان له من الضیاع ما لو باع مقدار ما یکفی الزاد و الراحلة ذاهبا وجائیا و نفقة عیالِه و اولاده و یبقی له من الضیعة قدر ما یعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج و الا فلا".

(فتاوی عالمگیری: ۱/۲۳۱، ۲۳۲، باب الاول فی تفسیر الحج وشرائطہ، معلم الحجاج: ۹۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۹/ ۸/ ۱۹۷۲ء

(۱۳۲۱) دوکان میں مال ہے اور قرض بھی ہے، تو کیا حج فرض ہے؟

سوال: ایک شخص کی کپڑے کی دوکان ہے، جس میں ۸/ ہزار کا سامان ہے اور لوگوں کے ۷/ ہزار روپئے باقی ہیں، اور اس پر ۱۵/ ہزار کا قرضہ ہے، اس کی اولاد میں ۶/ لڑکے ہیں، سب نکاح کی عمر کو

پہنچ چکے ہیں اور اس کی بیوی مجنونہ ہے، تو کیا یہ شخص حج کے لیے جا سکتا ہے؟ اگر جا سکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

جواب: جس کے پاس اپنی ضرورت اور قرض ادا کرنے کے علاوہ اتنا مال ہو کہ مکۃ المکرّمہ تک آنے جانے کا خرچ کافی ہو سکتا ہو، اپنے اہل وعیال کا نفقہ دے کر جا سکتا ہو، تو اس حج فرض ہے۔
(فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۱۷)

لہذا دوکان کا سامان اور لوگوں پر جو قرضہ ہے اس کو وصول کر کے اس میں سے قرضہ ادا کرے اس کے بعد اتنا مال بچے کہ جس سے حج کا ضروری خرچ اور واپس آنے تک نفقہ نکل سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے، اور حج فرض ہو گیا ہو اور اولاد نکاح کی عمر کو پہنچ گئی ہو تو پہلے حج کرنا ضروری ہے۔

"سئل عمن له مال ا يحج ام يتزوج قال بل يحج" (حاشیه هدایه: ۲۱۲)

"اذا وجد ما يحج به و قد قصد التزوج يحج به و لا يتزوج لان الحج فريضة"
(الفتاوی الهندية: ۲۱۷)

بیوی اور اولاد کو معتمد رشتہ دار کے سپرد کر دینا چاہیے، بیوی اور اولاد حج کے لیے مانع شرعی نہیں۔

"تفسير ملک الزاد و الراحلة ان يكون له مال فاضل عن حاجته الاصلية وهو ما سوى مسكنه و لبسه وخدمه واثاث بيته قدر ما يبلغه الى مكة ذاهبا وجا ئيا را كبا لا ماشيا و سوى ما يقضى به ديونه و يمسک لنفقة عياله ومرمة مسكنه ونحوه الى وقت انصرافه. (عالمگیری: ۱/۲۱۷)

و كذا ان كرهت خروجه زوجته و اولاده او من سواهم ممن تلزمه نفقته و هو لا يخاف الضيعة عليهم فلا بأس بان يخرج" . (عالمگیری: ۱/۲۲۱)

واللہ اعلم بالصواب

۳۱/۷/۱۹۷۴ء

(۱۳۲۲) تجارت میں لگائے ہوئے پیسوں کے ذریعہ حج کی ادائیگی:

سوال: ایک شخص کے پاس حج ادا کرنے کی مقدار مال ہے، مگر وہ مال تجارت میں لگایا ہوا ہے، فی الحال وصول نہیں ہوسکتا تو کیا اس پر حج فرض ہے؟

جواب: درمختار اور شامی میں ہے:

" **يشترط بقاء راس مال لحرفته ان احتاجت لذلک والا لا . در مختار . وفي الشامية : قال العلامة الشامي : كتاجر و هقان و مزارع والمراد ما يمكنه الاكتساب به قدر كفايته عياله لا اكثر لأنه لا نهاية له** ". (شامی: ۱۹۷/۲)

تاجر کا اپنا نفقہ حاجت اصلیہ میں داخل ہے، اس سے زیادہ راس المال حاجت اصلیہ میں سے نہیں، لہٰذا اس سے زیادہ تجارت میں مال لگایا ہو تو حج کے لیے جانا ضروری ہے۔

" **قال بعض العلماء : إن كان الرجل تاجرا يعيش بالتجارة فملک ما لا مقدار ما لو رفع منه الزاد والراحلة ......** ". (عالمگیری: ۲۱۸/۱) فقط۔

والله اعلم بالصواب

۴/رجب المرجب/ ۱۴۰۵ھ

(۱۳۲۳) "جوا" سے حاصل شدہ مال سے حج کی ادائیگی:

سوال: حرام مال (جوا) سے حج ادا ہوگا؟

جواب: حج حلال مال سے فرض ہوتا ہے، اور حلال مال سے ادا کرنا چاہیے، اس کے باجود حرام مال سے حج کرے تو حج ادا ہوجائے گا مگر حج کا ثواب نہیں ملے گا۔

" **انه لا يجب بالمال الحرام لكن لو حج به جاز لأن المعاصى لا تمنع طاعات ، فاذا اطابها لا يقال انها غير مقبو لة** ". (جامع الرموز: ۲۳۲)

" **ويجتهد فى تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد فى**

الحديث (ان اللّٰه طيّب لا يقبل الا طيّباً) مع انه يسقط الفرض عنه معها وان كانت مغصوبة و لا تنافي بين سقوطه و عدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب في الآخرة عقاب تارك الحج " . (البحر الرائق :۲/ ۳۰۹) ومن شرطها أداء حقوق الله الفائتة كالصلوة والزكوة وغيرهما وقضاء حقوق العبادالمالية والبدنية والعرضية ". (مرقاة :۳/ ۲۲۱) عن عباس بن مرداس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دعا لامتة ...... الخ ". (الفصل الثالث) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۷/ ۴/ ۱۹۸۰ء

(۱۳۲۴) کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: تمام سال میں جب بھی عمرہ کیا جاوے تو عمرہ کی بنا پر حج فرض ہوجانے کا خیال غلط ہے، البتہ جو فقیر حج کے مہینوں میں یعنی شوال المکرّم، ذی القعدہ اور ذی الحجۃ الحرام کے دس دنوں میں مکۃ المکرّمہ پہنچ گیا اور ایام حج کا نفقہ اس کے پاس ہو تو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے۔ (زبدۃ المناسک: ۱/ ۱۴)

"ومن لم يجب عليه الحج لفقد الاستطاعة ووصل الى مكة فقد افترض عليه الحج لوجدان الاستطاعة " . (معلم الحجاج : ۹۲، ۳۶، رسائل الاركان : ۲۳۶) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۲۵) غریب شخص کا حج فرض ہوگا یا نفل؟

سوال: فتاویٰ مسلم گجرات، "فتاویٰ سنگرہ: ص ۳۴۰" پر لکھا ہے کہ ایک شخص پر حج فرض نہ تھا، اس کا دوست اپنے خرچ سے حج کے لیے لے گیا، اور اس نے حج ادا کیا، بعد میں اس کے پاس مال آیا اور حج فرض ہوا، تو دوست کے ساتھ کیا ہوا حج فرض شمار ہوگا یا دوبارہ حج کرنا ہوگا؟ پہلے کیا ہوا حج فرض ادا

ہو گیا، اب جائے گا تو نفل حج کا ثواب ملے گا، تو مجھے اشکال یہ ہے کہ جب پہلا حج اس پر نفل تھا تو وہ فرض کس طرح ادا ہو گا؟

جواب: اصل مسئلہ یہ ہے کہ جس پر حج فرض نہ ہوا اور وہ پیدل یا کوئی شخص اسے حج کے لیے لے گیا، اور وہ حج کے دنوں میں میقات تک پہنچ گیا اور اب حج کرنے تک اس کے پاس پیسے ہوں، تو اس پر حج فرض ہو گیا، لہٰذا غریب شخص نے حج کرتے وقت اگر فرض حج کی نیت کی ہو یا فرض اور نفل میں سے کسی کی نیت کے بغیر فقط حج کی نیت کی ہو تو یہ اس کا فرض حج شمار ہو گا، لہٰذا صاحب مال ہونے کے بعد دوبارہ حج فرض نہ ہو گا، اس لیے کہ میقات تک پہنچ جانے سے اس پر حج فرض ہو گیا تھا، البتہ اگر غریب شخص نے حج کرتے وقت نفل حج کی نیت کی ہو، تو مالدار ہونے کے بعد دوبارہ فرض حج ادا کرنا پڑے گا۔

" الاٰفاقی إذا وصل إلی میقات فھو کالمکی حیث لا یشترط فی حقه الا الزاد والراحلة ان لم یکن عاجزا عن المشی ......فلو نواہ نفلا لزمه ثانیا ".

(رد المحتار: ۲/ ۴۶۰، مکتبہ سعید، معلم الحجاج: ۷۸)

" شرائط وقوع الحج عن الفرض وھی تسعة ...... وعدم نیة النفل" .

(رد المحتار: ۲/ ۴۵۸، مکتبہ سعید)

معلم الحجاج میں ہے: اگر آفاقی فقیر شخص میقات تک پہنچ گیا اور چلنے پر قادر ہے، تو اس کے لیے بھی مکی کی طرح سواری شرط نہیں، زادِ راہ شرط ہے۔ (ص: ۷۸) (یعنی زادِ راہ ہو گا تو حج فرض ہو جائے گا) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۲۶) والدین کی طرف سے بالغ لڑکے کا حج:

سوال: والدین اگر اپنے بالغ لڑکے کو حج کرائیں تو فرض حج ادا ہو گا یا نہیں؟ اور والدین کا اپنے ساتھ لے جاتے وقت ہدیہ کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: حج فرض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مکۃ المکرّمہ تک آنے اور جانے کا کرایہ اور ضروری خرچ ہو، اور جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہے حج سے واپس آنے تک دے کر جائے، اگر اتنی استطاعت نہ ہو تو حج فرض نہ ہوگا، ایسی صورت میں والدین بالغ اولاد کو اپنے خرچ سے حج کرائیں تو حج فرض نہ ہوگا، صاحب استطاعت ہونے کے بعد اپنا فرض حج ادا کرنا ضروری ہوگا، البتہ حج کے لیے جتنی رقم ہدیہ کے طور پر دے اور وہ قبول کرے اور اپنے قبضے میں لے، پھر اس رقم سے فرض حج ادا کرے تو فرض حج ادا ہو جائے گا۔

" ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك والاجارة دون الاعارة والاباحة سواء كانت الاباحة من جهة من لا مِنَّةَ له عليه كالوالدين والمولودين او غيرهم كالاجانب ولو وهب له مال ليحج به لا يجب عليه قبوله".

(الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۷)

" فلا يجب بالاباحة أو العارية كما في البحر".

(شامی: ۲/۴۵۹، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۹/ذی الحجۃ الحرام/ ۱۴۲۰ھ

(۱۳۲۷) حج کے لیے پیسے جمع کیے لیکن بیماری کی بنا پر جا نہیں سکتا:

سوال: ایک شخص نے حج کے لیے پیسے الگ جمع کیے تھے اب صحت برابر نہ ہونے کی بنا پر حج کے لیے نہیں جا سکتا تو ان پیسوں کو مسجد کی تعمیر میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حالت صحت میں حج فرض تھا اور حج کے لیے پیسے بھی جمع کیے تھے اب بیماری کی بنا پر حج کے لیے نہیں جا سکتا، تو ان پیسوں سے دوسرے کو حج بدل کے لیے بھیجنا ضروری ہے، اگر حج بدل کرانے کے بعد خود حج کرنے پر قادر ہو جائے، تو پھر سے حج کرنا ضروری ہوگا، اور حج بدل نفل ہوگا، لہٰذا حج

کے لیے جمع کی ہوئی رقم مسجد کی تعمیر میں استعمال کی جائے تو بھی فرض حج ادا نہ ہوگا۔

" **ولو ملک الزاد والراحلة وهو صحيح البدن ولم يحج حتى صار زمنا أو مفلوجا لزمه الاحجاج بالمال بلا خلاف . كذا في المحيط .** "

(الفتاوى الهندية : ۱/۸/۲۱۸، كتاب المناسك ، الباب الاول في تفسير الحج)

"**(و منها) استدامة العجز من وقت الاحجاج الى وقت الموت . هكذا في البدائع . حتى لو احج عن نفسه وهو مريض يكون مراعىً فان مات اجزأه وإن تعافى بطل** " . (الفتاوى الهندية : ۱/۲۵۷ ، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲/۲۳/ ۱۹۸۰ء

(۱۳۲۸) کیا نابالغ حج کرے تو بالغ ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے؟

سوال: میرا ایک نابالغ لڑکا ہے،اس کو میں اپنے ساتھ حج میں لے جانا چاہتا ہوں،تو اس کا فرض حج ادا ہوجائے گا؟ اگر مستقبل میں وہ صاحب استطاعت ہوا تو نابالغ ہونے کی حالت میں جو حج کیا ہے وہ معتبر ہوگا یا دوبارہ حج کرنا پڑے گا؟

جواب: شریعت میں جتنی عبادتیں ہیں مثلاً نماز،روزہ،زکوٰۃ وہ تمام بالغ کے اوپر لازم ہیں،نابالغ پر فرض نہیں،حج بھی ایک عبادت ہے تو نابالغ پر فرض نہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تین قسم کے لوگ شریعت کے احکام کے پابند نہیں،منجملہ ان میں سے ایک نابالغ ہے۔

" **الحج واجب على البالغين** " . (هدايه: ۱/۲۱۲)

قال علي لعمر : " أما علمت أن القلم رفع عن المجنون حتى يفيق ، وعن الصبي حتى يدرك ، وعن النائم حتى يستيقظ " . (بخاری : ۲/۱۰۰۶، قدیمی)

لہٰذا آپ نابالغ لڑکے کو حج میں لے جانا چاہتے ہوں،تو اگر بالغ ہونے کی علامت یعنی احتلام وغیرہ ظاہر ہو تو بالغ شمار ہوگا،اور اگر اتنے پیسوں کا مالک بنا دیا جس سے وہ حج ادا کر سکے تو حج

میں لے جانے سے فرض ادا ہو جائے گا، اگر لڑکے میں بالغ ہونے کی علامت ظاہر نہ ہو اور قمری سال کے اعتبار سے پورے پندرہ سال ہو گئے ہوں، تو بھی بالغ شمار ہوگا، ورنہ نابالغ، ایسی صورت میں نفل حج ہوگا، اور بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض ہو تو حج ادا کرنا ضروری ہوگا، نابالغ ہونے کی حالت میں جو حج کیا ہے وہ فرض حج شمار نہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ’’جس نابالغ نے دس حج کیے اس کے بعد وہ بالغ ہوا تو اس کو فرض حج ادا کرنا لازم ہوگا۔‘‘

’’ أيما صبى حج عشر حجج فعليه حجة الاسلام ‘‘. (هداية: ۲۱۲)

’’ اذا احرم الصبى أو العبد بالحج وأدياه يتادى منهما تطوعا لا يجزيهما عن الفرض فبعد البلوغ والعتق إن قدرا على الزاد وغيره وجب عليهما الحج ‘‘.

(عمدة الرعاية: ۳۲۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/۱۹/ ۱۹۹۲ء

(۱۳۲۹) کیا والدین کو چھوڑ کر حج کے لیے جا سکتا ہے؟

سوال: ایک شخص پر حج فرض ہے مگر اپنے والد کی ذمہ داری کی بنا پر حج کے لیے نہیں جا سکتا، اور والد کو بھی نہیں لے جا سکتا، تو اکیلا حج کے لیے جا سکتا ہے؟ کیا اگر جائے گا تو گنہگار ہوگا؟

جواب: اگر والد اپنا گذر اوقات کر سکتا ہو، اتنے پیسے ہو یا محنت مزدوری کر کے اپنا گذارا کر سکتا ہو، یا حج میں جانے والا حج کے سفر کے درمیان اپنے والد کو نفقہ دے کر جاوے تو حج کے لیے جانا درست ہے۔

اگر والد اپنے گذر اوقات کی طاقت نہ رکھتا ہو (بیماری یا بڑھاپے) کی وجہ سے، اور یہ لڑکا بھی نفقہ دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اور نفقہ کا انتظام کیے بغیر جانے سے والد کو یا والدین دونوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو جب تک نفقہ کا انتظام نہ ہو وہاں تک حج کو نہ جاوے۔

’’اذا اراد الرجل ان يسافر الى حج او عمرة وكره ذلك ابواه فان كان

یخاف الضیعة الیهما بان کانا معسرین ونفقتهما الیه فانه لا یخرج".

(فتاوی عالمگیری: ۳۶۵/۵)

جب کوئی شخص حج یا عمرہ کے سفر کا ارادہ کرے اور اس کے جانے سے والدین ناراض ہوں، تو اگر ان کے فقیر ہونے کی وجہ سے والدین کا نفقہ لڑکے کے ذمہ ہو اور لڑکے کے جانے سے والدین کو تکلیف ہو تو حج کے لیے نہ جاوے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۳۰) والد اپنا نفقہ نہ ہونے کی بنا پر فرض حج کے لیے منع کرتے ہیں تو کیا کرے؟

سوال : ایک شخص پر حج فرض ہے مگر اس کے والد اپنا گذر اوقات نہ ہونے کی بنا پر منع کرتے ہیں، تو والد کے منع کرنے کے باوجود حج میں جائے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟

جواب : اگر والد کے پاس اپنا نفقہ نہ ہو اور خود کمانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، جس کی بنا پر والد کا نفقہ لڑکے پر لازم ہو اور لڑکے کے پاس حج کے اخراجات کے علاوہ اتنا مال نہ ہو کہ والدین کو نفقہ دیکر جاوے، اور حج میں جانے سے والدین کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو، تو جب تک والدین کے نفقہ کا انتظام نہ ہو حج کے لیے نہ جاوے۔

اور اگر والد خود کمانے کی طاقت رکھتا ہو، یا لڑکا حج کے سفر کے درمیان کا نفقہ دے سکتا ہو، تو والدین کو نفقہ دے کر والدین کی اجازت کے بغیر فرض حج کے لیے جا سکتا ہے۔ (عالمگیری ۳۶۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۳۱) ماں کو بیماری کی حالت میں چھوڑ کر حج کے لیے جانا:

سوال : مجھ پر حج فرض ہے، میں حج کے لیے جانے والا تھا، ٹکٹ بھی بُک ہو چکا تھا، مگر میری والدہ سخت بیمار ہوگئیں، علاج جاری ہے، مگر صحت یابی نہیں ہو رہی ہے، تو کیا مجھے فرض حج چھوڑ کر ماں کی خدمت میں رہنا چاہیے یا حج میں جانا چاہیے، ویسے میرے دوسرے بھائی خدمت کے لیے موجود ہیں؟

جواب: ماں کمزور اور سخت بیمار ہو اور آپ کی خدمت کی ضرورت ہو، تو ماں کی اجازت سے فرض حج کے لیے جانا جائز ہے، بغیر اجازت کے مکروہِ تحریمی ہے، اگر دوسرے بھائی موجود ہوں، اور آپ کی غیر حاضری سے خدمت میں کوئی کمی نہ ہو کہ آپ کی ضرورت نہ رہتی ہو، تو فرض حج کے لیے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

" وفي السير الكبير : إذا لم يخف عليه الضعف فلا بأس به ". (شامی:۲/۱۹۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/ذی القعدۃ الحرام/ ۱۴۰۷ھ

(۱۳۳۲) قرض ادا کیے بغیر حج کے لیے جانا:

سوال: ایک شخص تاجر تھا وہ مقروض ہو گیا، اب اس کے پاس کچھ روپئے آئے ہیں، تو کیا قرض ادا کیے بغیر حج کو جا سکتا ہے؟

جواب: تاجر کے مقروض ہونے کا مطلب تجارت میں نقصان ہوا، ور قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں، ایسے شخص کا حکم یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میرے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں، تو اس کی تحقیق کی جاوے، اس کو قید بھی کیا جا سکتا ہے، پوری تحقیق کے بعد جب یہ یقین ہو جاوے کہ قرض ادا کرنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں ہے، تو اب اس کو مہلت دی جاوے، اور جب جب اس کے پاس مال آوے اس سے قرض ادا کرنا ضروری ہے۔

" ان ادع الفقر حبسه هذه يغلب على ظنه انه لو كان له مال لا ظهره ".

(مجمع الا نهر : ۲/۴۳۰)

حج ادا کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے، مذکور قرض دار کے پاس جو پیسے آئے ہیں اس سے قرض ادا کرے، پھر اس کے بعد حج کرے، اس لیے کہ پہلے قرض خواہوں کا حق ہے، اور اس پر حج فرض نہیں، ایسی صورت میں اگر حج ادا کرے گا تو نفل ہوگا، اور قرض ادا نہیں کریگا،

تو اللہ باز پرس کرے گا، اور نفل حج ادا نہیں کیا تو کوئی باز پرس نہیں، اس کے باوجود یہ مقروض شخص حج میں جانا چاہے، تو قرض خواہ سے اجازت لیوے، یا اپنا کوئی کفیل بناوے تو حج میں جا سکتا ہے۔

’’**یکره الخروج للحج لمدیون إن لم یکن له مال یقضی به الا ان یاذن الغریم**‘‘. (البحر الرائق)

اگر قرض دار کے پاس قرض ادا کرنے کے برابر مال نہ ہو، تو اس کو حج کے لیے جانا مکروہ ہے، البتہ قرض خواہ اجازت دے تو حج کے لیے جانے میں کراہت نہیں۔ فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۳۳۳) جس پر قرض ہو اس پر حج فرض ہے؟

سوال: یہاں U.K (برطانیہ) میں انسان کو گھر خریدنے کے لیے پوری رقم نہ ہو، تو کچھ رقم دیکر باقی گورنمنٹ سے قرض ملتا ہے، اور یہ قسط وار ادا کرنا ہوتا ہے، میں نے بھی گھر خریدنے کے لیے قرض لیا ہے، اب میرے پاس حج ادا کرنے کی استطاعت ہے، تو کیا مجھ پر حج فرض ہے؟

جواب: جس کے پاس رہنے کا مکان اور کپڑے اور ضروری سامان ہو، اور قرض ادا کرنے کے علاوہ اتنا مال ہو کہ مکۃ المکرّمہ آنے جانے تک کافی ہو سکتا ہو، اور حج سے واپسی تک کا اہل وعیال کا نفقہ دے کر جا سکتا ہو، تو اس پر حج فرض ہے، مذکورہ صورت میں مکان خریدنے کے لئے جو قرض لیا ہے اس کو وضع کرنے کے بعد اتنا مال باقی رہے کہ متوسط خرچ کے ساتھ حج کر سکتے ہو، اور واپسی تک اہل وعیال کا خرچ دے کر جا سکتے ہو تو آپ پر حج کرنا فرض ہے۔

’’ **(ومنها القدرة على الزاد والراحلة....) و تفسیر ملک الزاد والراحلة ان یکون له مال فاضل عن حاجته وهو ما سوی مسکنه و لبسه وخدمه واثاث بیته قدر ما یبلغه الی مکة ذاهبا و جائیا راکبا لا ما شیا و سوی ما یقضی به دیونه و یمسک لنفقة عیاله و مرمة مسکنه و نحوه الی وقت انصرافه و یعتبر فی نفقته و**

نفقة عياله الوسط من غير تبذير و لا تقتير كذا في التبيين " .

(عالمگیری : ۱/ ۲۱۷، الباب الاول شرائط و جوب الحج)فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۳/۹/۱۹۷۷ء

(۱۳۳۴)نفل حج کی نیت کرے تو فرض حج ادا ہوگا؟

سوال: ایک عورت پر حج فرض تھا،حج ادا کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا،اور وصیت بھی نہیں کی، اس کے لڑکوں نے اپنے خرچ سے اپنے والدہ کی طرف سے نفل حج کرایا،تو کیا مرحومہ کے ذمہ سے فرض حج ادا ہو جائے گا؟

جواب: جب مرحومہ عورت پر حج فرض تھا،تو فرض کی نیت سے حج کرانا ضروری تھا،نفل حج کرانے سے فرض حج ذمہ سے ساقط نہ ہوگا،علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرض حج ادا ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی بیان کی ہے کہ نفل کی نیت نہ ہو۔

" النوع الرابع شرائط وقوع الحج عن الفرض ......وعدم نية النفل" .

(شامی :۱۹۳/۲ ، عثمانیہ)فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۱/جمادی الثانی/ ۱۴۱۹ھ

(۱۳۳۵)حرام مال سے حج ادا کرنا:

سوال: اگر کوئی شخص حرام مال سے حج ادا کرے تو حج ادا ہوگا یا نہیں؟

جواب: حج اللہ کی طرف سے مسلمانوں پر ایک مقرر کیا ہوا فریضہ ہے،اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، جو حلال مال سے فرض ہوتا ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزوں قبول کرتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:ص/۲۱۴)

حرام مال سے حج فرض نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ حرام مال سے حج قبول نہیں کرتا، لہٰذا حلال مال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، پھر بھی حرام مال سے حج ادا کیا تو فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر ثواب نہیں ملے گا۔

" یجتهد فی تحصیل نفقة حلا ل فانه لا یقبل بنفقة مع انه یسقط الفرض عنه معها و ان کا نت مغصو بة فلا یثاب لعدم القبو ل" .

(بحر : ۲/۳۰۹، مجمع الانهر : ۱/۱۳۲، جا مع الرمو ز : ۲۳۲) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۳۳۶) حرام مال سے حج کرنا:

سوال: اگر کوئی شخص حرام مال سے حج ادا کرے تو حج ادا ہوگا یا نہیں؟ یا حلال اور حرام دونوں مال جمع ہوں، اور اس مال سے حج کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: انسان کو حلال مال حاصل کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے، حرام مال اللہ قبول نہیں کرتا، حدیث شریف میں ہے: " **ان اللــه طیـب لا یقبل الا طیبـا** " اللہ تمام عیبوں سے پاک ہے پاک اور حلال مال قبول کرتا ہے۔

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، جو حلال مال سے فرض ہوتا ہے اور حلال مال سے ہی ادا کرنا چاہیے، اور حلال مال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص حرام مال سے حج ادا کرے تو حج ادا ہو جائے گا، اور ذمہ سے فریضہ ساقط ہو جائے گا، اور آخرت میں حج نہ کرنے والا شمار نہیں ہوگا، مگر حج کا ثواب نہیں ملے گا، اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آخرت میں حج نہ کرنے کی سزا نہیں ملے گی۔

" انه لا یجب بالمال الحرام لکن لو حج به جاز " .

(جامع الرمو ز : ۲۳۲، مجمع الانهر : ۱۳۲)

"و یجتهد فی تحصیل نفقة حلال فانه لا یقبل بنفقة الحرام .. فلا یثاب لعدم القبول" . (بحر: ۲/ ۳۰۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۶/ نومبر/ ۱۹۹۳ء

(۱۳۳۷) حج کے فرائض اور واجبات:

سوال: حج کے فرائض و واجبات کیا کیا ہیں؟ ان میں سے اگر کوئی رہ جائے تو اس کا کیا کفارہ ہے؟

جواب: حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، شریعت کے اصول کے مطابق جس طرح نماز میں فرائض، واجبات اور سنن ہیں، اسی طرح حج میں بھی ہیں، فرض رہ جانے سے حج ادا نہ ہوگا، واجب رہ جانے سے دم دینا واجب، جس کا حرم میں کرنا ضروری ہے، حرم کے علاوہ کسی اور جگہ قربانی کرنا یا قربانی کے بدلے قیمت دینا درست نہیں۔

حج میں تین فرض ہیں: (۱) احرام باندھنا۔ (۲) وقوف عرفہ۔ (۳) طواف زیارت۔

حج کے واجبات گیارہ ہیں: (۱) غروب آفتاب تک وقوف عرفہ کرنا۔ (۲) مزدلفہ میں دسویں ذوالحجہ کو صبح صادق کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرنا۔ (۳) صفا و مروہ کی سعی کرنا (یہ سعی طواف قدوم یا طواف زیارت کے بعد بھی ہوسکتی ہے، ان دو میں سے کسی ایک کے بعد کر لینے سے سعی ادا ہو جائے گی) (۴) رمی جمار یعنی شیطان کو کنکری مارنا۔ (۵) حلق یا قصر حرم میں کرنا، جدہ میں یا حرم کے باہر حلق کرنے سے دم واجب ہوگا۔ (۶) قارن اور متمتع پر دم شکر ادا کرنا "یعنی قربانی کرنا"۔ (۷) قران اور تمتع کرنے والے کا یہ چار کام بالترتیب کرنا: رمی جمار، قربانی، حلق اور طواف زیارت۔ (۸) قارن اور متمتع کو بارہویں ذی الحجہ کو غروب سے پہلے قربانی کرنا۔ (۹) طواف زیارت جو کہ فرض طواف ہے وہ بارہویں ذی الحجہ کو غروب سے پہلے کر لینا۔ (۱۰) حلق یا قصر بارہویں ذی الحجہ کو غروب سے پہلے کرنا۔ (۱۱) طواف وداع کرنا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۳۸) عرفات میں پڑھنے کی دعا:

سوال: عرفات میں پڑھنے کی دعا اور اس کی فضیلت بتایئے؟

جواب: وقوف عرفہ میں جتنا ہو سکے ذکر اور دعا کرنی چاہیے، اس میں کمی نہ کرنا چاہیے، بار بار ایسا موقع نہیں ملتا، اس کے لیے کوئی مخصوص دعا متعین نہیں، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل دعائیں پڑھنا ثابت ہے:

" لا اله الا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على کل شيء قدير" .

"اللهم لک الحمد کالذی تقول وخيراً مما نقول ، اللهم لک صلوتی ونسکی و محيای ومماتی واليک مابی و لک ربی تراثی" .

" اللهم انی اعوذبک من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشطاحة الامر" .

"اللهم انی اسئلک خير ما تجیء به الريح واعوذ بک من شر ما تجیء به الريح".

"اللهم اجعل فی قلبی نورا وفی سمعی نورا وفی بصری نورا ".

" اللهم اشرح لی صدری و يسرلی امری واعوذ بک من وساوس فی الصدر وشطاة الامر وعذاب القبر".

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص عرفہ کے دن زوال کے بعد کھڑا ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے سو مرتبہ

"لا اله الا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على کل شیء قدير "

اور سو مرتبہ " قل هو الله احد" اور سو مرتبہ درودِ ابراہیمی پڑھے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! اس بندے کا کیا بدلہ ہوسکتا ہے جس نے میری پاکی اور بڑائی بیان کی اور میری تعریف کی اور میرے نبی پر درود بھیجا، میں نے اس کو بخش دیا، اور میں نے اس کے لیے اس کی سفارش قبول کی، اگر میرا یہ بندہ وقوف عرفہ کرنے والے تمام بندوں کے لیے سفارش کریگا، تو میں قبول کروں گا اور جو دعا چاہے مانگے۔ (معلم الحجاج)

" وينبغی ان يستغفر للمؤمنين فی دعائه فی هذه المواقف لأن النبی عليه

السلا م قال : " اللهم اغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج ".

اورمناسب ہے کہ حاجی تمام مومنوں کے لیےاپنی دعامیں استغفار کرے،اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ حاجی کی اورحاجی جس کے لیےاستغفارکرےسب کی مغفرت فرمادے۔

(ہدایہ:۲۳۲/۱)فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۳۹) حج میں طواف کتنی قسم کے ہیں؟

سوال: حج میں طواف کتنی قسم کے ہیں؟

جواب: حج میں طواف ۳رقسم کے ہیں: (۱) طواف قدوم (۲) طواف زیارت (۳) طواف وداع۔

طواف زیارت سب حاجیوں پرفرض ہے،قرآن پاک میں ہے: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ اس سےطواف کافرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔

آفاقی (میقات سے باہر رہنے والے حاجی) پرطواف قدوم مکۃ المکرّمہ آتے ہی کرنا سنت ہے۔

اورآفاقی (میقات سے باہر رہنے والے حاجی) پرطوافِ وداع کرنا واجب ہے،طواف وداع کا ابتدائی وقت طوافِ زیارت کے بعد ہے،لہٰذا طوافِ وداع کے بعدمکۃ المعظّمہ میں کچھ وقت قیام کرنے کے بعداپنے وطن کی طرف لوٹے تو بھی طواف وداع معتبرشمار ہوگا،اورمستحب وقت ایامِ نحراورحج کےتمام افعال اداکر کے جب اپنے وطن کی طرف لوٹنے کاارادہ ہو،اس وقت طواف وداع کرنامستحب ہے،اوراس طواف کے بعدفوراً سفرشروع کردے،اسی بناپرامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگرکوئی شخص طواف وداع کرنے کے بعدرات تک مکۃ المکرّمہ میں رہا تو دوبارہ طواف وداع کرناپسندیدہ ہے۔

" حتى روى عن ابى حنيفة رحمه الله تعالى انه لو طاف ثم اقام الى

العشاء فاحب الی ان یطوف طوافا آخر لیکون تودیع البیت آخر عهد عن مورده کذا فی البحر الرائق". (عالمگیری: ۱/ ۲۳۴)

لہذا رمی جمار کے بعد گھر کی طرف سفر کرتے وقت طواف وداع کیا جاوے۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۴۰) فرض طواف کے اشواط میں شک ہو جائے:

سوال: اگر فرض طواف (طوافِ زیارت یا عمرہ) میں اشواط کی تعداد میں شک ہو جائے تو کیا کرے؟

جواب: اگر طوافِ زیارت یا طواف عمرہ کے اشواط کی تعداد میں شک ہو جاوے، تو جس شوط (چکر) میں شک ہوا ہو، اس کو احتیاطاً دوبارہ ادا کر لیا جاوے۔

" ولو شک فی اعداد اشواط الرکن اعاده . قال فی التحریر : المختار ای اعاد الشوط الذی شک فیه ، و لیس المراد انه یعید الطواف کله و کذا فی البحر و لو شک فی ارکان الحج قال عامة المشائخ یؤدی ثانیا ای یؤدی ما شک فیه طوافا کان او شوطا منه". فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/ ۴/ ۲۰۰۳ء

عورت کے لیے محرم کا بیان

(۱۳۴۱) عورت کے لیےمحرم کی شرط:

سوال: عورت کے لیے حج میں جانے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی محرم نہ ہوتو کیا کرے؟ ایک شخص سعودیہ میں رہتا ہے وہ اپنی والدہ کو حج کے لیے بلانا چاہتا ہے، جدہ سے حج کے درمیان ساتھ رہے گا مگر اپنے وطن سے جدہ تک عورت کے ساتھ جانے والے کوئی نہیں، تو کیا وہ حج کے لیے جا سکتی ہے؟

جواب: عورت کے لیے حج کے وجوبِ ادا کی شرط ایسے دین دار محرم کا ہونا ہے، جس کے ساتھ دائمی نکاح حرام ہو۔

اگر محرم اپنے خرچ سے جانے پر تیار نہ ہو، تو اس کا خرچ بھی عورت کے ذمہ ہوگا، اور ایسی صورت میں محرم کے خرچ پر قادر ہونا بھی عورت پر وجوب حج کے لیے شرط ہوگا، ہاں! اگر وہ اپنے خرچ سے جانے کے لیے تیار ہوتو عورت پر خرچ واجب نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج:۸۵)

اگر عورت کے پاس اپنا خرچ تو ہو، مگر محرم کا خرچ نہ ہوتو حج فرض ہوگا، مگر محرم نہ ہونے کی بنا پر حج کے لیے جانا ضروری نہیں، البتہ اگر حج نہ کر سکی تو حج کرانے کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " **لا تسافر امرأة مسيرة يوم وليلة الا ومعها ذو محرم** ". (مشکوۃ المصابیح:۲۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عورت ایک رات دن کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ کہ عورت نوجوان ہو یا بڑی عمر کی بوڑھی؛ بغیر محرم کے تھوڑی دور کا سفر بھی اکیلی نہ کرے اسی میں احتیاط ہے۔ (لمعات)، لہٰذا کسی عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں، جدہ میں اپنے لڑکے یا محرم کے مل جانے سے تنہا سفر کرنے کا بدل نہ ہوگا اور بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۴۲) کیا عورت محرم کے بغیر حج میں جاسکتی ہے؟

سوال: ایک عورت حج کرنا چاہتی ہے تو کیا وہ بغیر محرم کے جاسکتی ہے؟ بغیر محرم کے بھیجنا کیسا ہے؟

جواب: عورت پر حج کے وجوبِ ادا کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ عورت جوان ہو یا بوڑھی، پورے سفر میں اس کے ساتھ اس کا شوہر یا ایسا محرم ہو جس کے ساتھ دائمی نکاح حرام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ شوہر یا ذی رحم محرم کے بغیر حج میں جائے''، لہٰذا کسی بھی عورت کے لیے بغیر محرم کے حج میں جانا جائز نہیں، اور نہ تو اس طرح بھیجنا جائز ہے، ورنہ وہ عورت گنہگار ہوگی، کیوں کہ فتنہ کا خوف ہے، اگر عورتوں کی بڑی جماعت ہو تو بھی جانا جائز نہیں، کیوں کہ زیادہ عورتیں ہونے سے فتنہ زیادہ ہوگا، محرم کی بنا پر زندگی بھر حج نہ کر سکے تو حجِ بدل کی وصیت کرے۔

" عن ابی امامة لا يحل لامراة مسلمة ان تحج الا مع زوج او ذی رحم محرم " . (اعلاء السنن: ۱۰/۷)

" و يعتبر فی المرأة ان يكون لها محرم تحج به او زوج ولا يجوز لها ان تحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة ثلاثة ايام ، وقوله عليه السلام :" لا تحجن امرأة الا ومعها محرم " . ولانها بدون المحرم يخاف عليها الفتنة و تزداد بانضمام غيرها ". (هدايه:۲۱۳)

" ان وجود الزوج او المحرم شرط وجوب ام شرط اداء والذی اختاره فی الفتح انه مع الصحة وامن الطريق شرط وجوب الاداء فيجب الايصاء ان منع المرض او خوف الطريق او لم يوجد زوج ولامحرم، وعلى الاول لا يجب شیء من ذلک كما فی البحر ، وفی النهر صحح الاول فی البدائع ورجح الثانی فی النهاية تبعا لقاضيخان واختاره فی الفتح " .

(شامی: ۲/۴۶۵ ،مکتبه سعيد، مجمع الانهر: ۱/۲۶۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۴۳) کیا عورت محرم کے بغیر دوسری عورتوں کے ساتھ سفر کرسکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ کیا کوئی بھی مسلمان عورت خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، یا بیوہ ہو، محرم کے بغیر شادی کی بارات میں یا میت کی تعزیت میں شامل ہونے کے لیے بس یا ٹرین کا سفر تنہا دوسری عورتوں کے ساتھ کرسکتی ہے، اور کیا ایسا سفر کرنا جائز ہے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''کوئی مرد عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ جائے''، یعنی اجنبی مرد اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں کسی جگہ جمع نہ ہو۔ (مشکوٰۃ:۲۲۱)

عورت کا محرم کے بغیر سفر کرنے کے بارے میں احادیث مختلف آئی ہیں، لہٰذا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''یہ تمام حدیثیں جس سے عورت کا تنہا سفر کرنا منع ہونا ثابت ہوتا ہے''، سفر کی مقدار میں بھی اختلاف ہے، ان تمام حدیثوں کا مقصد یہ ہے کہ عورت شوہر کے بغیر یا ایسے محرم کے بغیر جس کے ساتھ ہمیشہ نکاح کرنا حرام ہو، تنہا بالکل سفر نہ کرے، چاہے سفر طویل ہو یا مختصر، لہٰذا موجودہ زمانے میں جب کہ فتنہ وفساد کا خوف ہر قدم پر ہے، خراب ماحول کی بنا پر بے حیائی بڑھ گئی ہے، تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عورت تنہا بالکل سفر نہ کرے، گرچہ سفر مختصر ہو یا طویل، اس لیے کہ فتنہ وفساد کا خوف ہر حال میں رہتا ہے۔ (مرقاۃ:۳/۱۷۰، مظاہر حق)

لہٰذا شادی وغیرہ میں شوہر یا معتمد نیک محرم کے بغیر جانا جائز نہیں۔

عن ابن عباس رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يخلُوَنَّ رجل بامرأة ولا تسافرَنَّ امرأة الا ومعها محرم". (مشكوة المصابيح: ۲۲۱)

عن ابى سعيد الخدرى :" لا تسافر المرأة يومين الا ومعها زوجها ، او ذو محرم منها ". وعن ابى هريرة مرفوعاً : " لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الأخر ان تسافر مسيرة يوم وليلة الا مع ذى محرم عليها " . وفى لفظ مسيرة ليلة، وفى لفظ يوم . المراد بالحرام من حرم عليه نكاحها على التابيد بسبب

قرابة او رضاع او مصاهرة بشرط ان يكون مكلّفا ليس بمجوسى و لا غير مامون". (مرقات: ۳/ ۱۷۰) فقط

والله اعلم بالصواب

۱۷/ ۴/ ۱۹۹۵ء

(۱۳۴۴) کیا ساس اپنے داماد کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے؟

سوال: کیا ساس اپنے داماد کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے؟

جواب: عورت کا حج میں جانے کے لیے کسی محرم کا ہونا ضروری ہے، اورمحرم وہ ہے جس کے ساتھ دائمی نکاح حرام ہو، اور ساس کے ساتھ داماد کا دائمی نکاح حرام ہے، لہٰذا ساس اپنے حقیقی داماد کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ فتنے کا خوف نہ ہو، ورنہ نہیں جانا چاہیے، فتنہ کا خوف ہوتو پڑوسی کو روکنے کا حق ہے۔

" قال فى القنية : ماتت عن زوج وام فلهما ان يسكنا فى دار واحدة اذا لم يخافا الفتنة ، وإن كانت الصهرة شابة فللجيران ان يمنعوها منه اذا خافوا عليها الفتنة ". (شامى: ٦/ ٣٦٩ ، مكتبه سعيد) فقط

والله اعلم بالصواب

۲۵/ صفر المظفر / ۱۴۲۴ھ

(۱۳۴۵) عورت کا اپنے ہمسایہ عورتوں کے ساتھ حج میں جانا:

سوال: ایک ستر سال کی بوڑھی عورت پر حج فرض ہے، خود حج کر سکے اتنی رقم ہے مگر محرم نہیں ہے، دور کا ایک رشتہ دار اور محلّہ کے کچھ لوگ حج میں جانے والے ہیں تو کیا یہ عورت دور کے رشتہ دار یا محلّہ والوں کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ اور قیامت کے دن

پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے اپنے باپ، شوہر یا بھائی یا بیٹے یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ (اڑتالیس میل) دور کا سفر کرنا جائز نہیں۔ (مسلم شریف:۴۳۴، ابوداؤد:۲۴۲)

دوسری حدیث میں ہے کہ: مسلمان عورت کے لیے اپنے شوہر یا بغیر محرم کہ حج میں جانا جائز نہیں۔ (اعلاء السنن۱۰/۷)

فقہ کی تمام کتابوں میں ہے کہ عورت حج کے لیے جاوے، تو اس کے ساتھ اس کا شوہر، یا ایسے محرم کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ نکاح کرنا دائمی حرام ہو، چاہے عورت بوڑھی ہو یا جوان ہو۔

(الجوهرة النيرة: ۱/۱۵۴)

لہذا عورت کے لیے حج میں جانے کے لیے شوہر یا محرم کا ہونا ضروری ہے، محرم اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ حرام ہو۔

"**والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد**". (شامی: ۲/۱۹۹)

لہذا عورت چاہے کتنی ہی بوڑھی ہو، اس کے لئے بغیر محرم کے حج میں جانا جائز نہیں، اگر اپنے حج کے خرچ کے علاوہ محرم کا خرچ بھی ہو؛ یعنی بوڑھی عورت کے پاس دو شخص کے حج کا خرچ ہو تو محرم کو اپنے خرچ سے حج میں لے جانا ضروری ہے۔

"**ونفقة المحرم عليها لانها تتوسل به الى اداء الحج**".

(هدایه: ۲۱۴، شامی: ۱۹۹، خلاصه: ۱/۲۷۷)

یعنی محرم کا خرچ عورت کے اوپر ضروری ہے، اس لیے کہ محرم عورت کے حج کے لیے ذریعہ بنتا ہے۔

اگر محرم کا خرچ نہ ہو، صرف اپنے حج کا خرچ ہو، تو محرم نہ ہونے کی بنا پر عورت پر حج میں ضروری نہیں، پیسوں کی حفاظت کرے، مستقبل میں کوئی محرم مل جائے، تو اس کے ساتھ حج ادا کرے، اگر نہ ملے تو ان پیسوں سے حج کرانے کی وصیت کرنا ضروری ہے، یہی قول صحیح ہے۔ "**یجب الايصاء ان منع المرض ...... او لم يوجد زوج و لا محرم**".

(شامی: ۲/۲۰۰، مجمع الانهر: ۱/۱۳۳)

لہٰذا عورت جوان ہو یا بوڑھی؛ شوہر یا بغیر محرم کے حج میں جانا جائز نہیں، اگر جائے گی تو گنہگار ہوگی اور ساتھ لے جانے والا بھی گنہگار ہوگا۔

"عن ابی امامة لا یحل لامرأة مسلمة ان تحج الا مع زوج او ذی رحم محرم".

ترجمہ: مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ شوہر یا ذی رحم محرم کے بغیر حج میں جائے۔

(اعلاء السنن: ۱۰/۷، ہدایہ: ۲۱۳، شامی: ۲/۲۰۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۴۶) عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے:

سوال: میری خالہ کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، خالہ پر حج فرض ہے، مگر محرم نہ ہونے کی بنا پر نہیں جاسکتی، اس سال میرے والدین حج میں جا رہے ہیں، تو کیا میری خالہ میرے والدین کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے؟

جواب: آپ کے والدین کے ساتھ آپ کی خالہ نہیں جاسکتی، عورت پر حج فرض ہونے کے لیے زاد وراحلہ کے علاوہ محرم کا ہونا بھی ضروری ہے، اگر محرم نہ ہو تو حج فرض نہیں ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۴۷) جدہ میں محرم کا مل جانا:

سوال: اگر عورت تنہا حج کا سفر کرے، اس طرح کہ ممبئی سے جدہ تک اور واپسی میں جدہ سے ممبئی تک کوئی محرم نہیں، جدہ سے محرم ساتھ ہو جائے اور حج کے پورے ارکان ادا کرنے کے درمیان محرم ساتھ رہے، تو اس عورت کے لیے حج کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث شریف میں ہے:

عن سعید قال : قال رسول الله ﷺ: " لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر سفرا فوق ثلاثة ایام فصاعداً الا ومعها ابوها او زوجها او اخوها او ابنها او ذو رحم محرم منها " .

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے باپ یا شوہر یا بیٹا یا بھائی یا ذی رحم محرم کہ بغیر ۳؍دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے۔ (سنن ابی داؤد: ۲۴۲، صحیح مسلم: ۴۳۴)

دوسری حدیث میں ہے:

عن ابی اُمامة : "لا یحل لامرأة مسلمة ان تحج الا مع زوج او ذو محرم"

یعنی کوئی مسلمان عورت کے لیے شوہر یا ذورحم محرم کے بغیر حج کرنا حلال نہیں۔

(اعلاالسنن: ۱۰؍۷)

مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جب وطن اور مکہ کے درمیان ۴۸؍میل یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو، تو بغیر محرم کے حج میں جانا شرعاً جائز نہیں، جدہ میں محرم کا مل جانا کافی نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۱؍۸؍ ۱۹۷۰ء

(۱۳۴۸) کیا عورت اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک عورت پر حج فرض ہے، مگر اس کے ساتھ کوئی محرم نہیں، اب اس کے محرم حج میں جارہے ہیں، تو کیا یہ عورت ان کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے؟

جواب: جس کے ساتھ ہمیشہ نکاح کرنا جائز نہیں، اس کو شریعت میں محرم کہا جاتا ہے، بہنوئی سے

نکاح حرام نہیں، بہن نکاح میں نہ ہو تو بہنوئی سے نکاح کرنا جائز ہے، لہٰذا بہنوئی محرم نہیں۔

" والمحرم من لا یجوز له مناکحتها علی التابید بقرابة او رضاع او صهرية". (شامی: ۱۹۹/۲)

بغیر محرم کے عورت کو حج میں جانا جائز نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ حج میں نہیں جاسکتی، اگر جائے گی تو گنہگار ہوگی۔ فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۳۴۹) منہ بولے بھائی کے ساتھ حج میں جانا:

سوال: ایک بیوہ عورت ہے جس کی عمر ۳۵/ سال ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے ۴/ بچے ہیں، شوہر کی حیات سے ہی پڑوس کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں، اور یہ پڑوسی شخص بھی اس بیوہ عورت کو اپنی حقیقی بہن سے بھی زیادہ افضل مانتا ہے، یہ پڑوسی شخص اپنی بیوی کے ساتھ حج میں جا رہا ہے، تو یہ بیوہ عورت اپنے پڑوسی شخص کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: " عن سعید قال : قال رسول الله ﷺ: " لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تسافر سفرا فوق ثلاثة ایام فصاعداً الا ومعها ابوها او زوجها او اخوها او ابنها او ذو رحم محرم منها ".

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے باپ یا شوہر یا بیٹا یا بھائی یا ذی رحم محرم کہ بغیر ۳/ دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے۔ (سنن ابی داؤد: ۲۴۲، صحیح مسلم: ۴۳۴)

دوسری حدیث میں ہے:

عن ابی امامة : " لا یحل لامرأة مسلمة ان تحج الا مع زوج او ذو محرم".

یعنی کوئی مسلمان عورت کے لیے شوہر یا ذورحم محرم کے بغیر حج کرنا حلال نہیں۔

(اعلاء السنن: ۱۰/۷)

فقہ کی تمام کتابوں میں ہے کہ عورت حج کے لیے جاوے، تو اس کے ساتھ اس کا شوہر یا ایسے محرم کا ہونا ضروری ہے، جس کے ساتھ نکاح کرنا دائمی حرام ہو، چاہے عورت بوڑھی ہو یا جوان ہو۔ (الجوہرۃ النیرۃ: ۱/۱۵۴)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے کہ (عورت بوڑھی ہو یا جوان) عورت کو حج میں جانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ شوہر یا ذی رحم محرم ہو، ان دونوں کے علاوہ حج میں جانا جائز نہیں، اس لیے کہ بغیر محرم کے فتنہ کا خوف ہے، اسی بنا پر تنہا عورتوں کے ساتھ جانے سے بھی منع کیا ہے، کیوں کہ اور عورتوں کے مل جانے سے فتنہ اور بڑھ جائے گا۔

" ویعتبر فی المرأة ان یکون لها محرم تحج به او زوج ولا یجوز لها ان تحج بغیرهما اذا کا ن بینها وبین مکة ثلاثة ایام ، لقوله علیه السلام : " لا تحجن امرأة الا ومعها محرم ، ولأنها بدون المحرم یخاف علیها الفتنة وتزداد بانضمام غیرها الیها ". (هدایه : ۱/۱۳۱)

صورت مسئولہ میں حدیث اور فقہ کی کتابوں سے ثابت ہوا کہ بیوہ عورت کو اپنے ہم سایہ کے ساتھ حج میں جانا ہرگز جائز نہیں، چاہے کتنا بھی گہرا تعلق ہو، حقیقی بہن سے بھی زیادہ افضل ماننے سے حقیقی بہن نہیں بن جاتی، لہٰذا منہ بولے بھائی کے ساتھ حج میں جانا جائز نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۴/۱/۱۹۱۸ء

(۱۳۵۰) متبنیٰ یا منہ بولا دودھ شریک بھائی کے ساتھ حج میں جانا:

سوال: ایک بیوہ عورت پر حج فرض ہے، حج میں کوئی محرم رشتہ دار نہیں ہے، مگر ایک دور کا رشتہ دار حج میں جارہا ہے، تو اس کو منہ بولا بیٹا یا دودھ شریک بھائی بنا کر اس کے ساتھ حج کے لیے جاسکتے ہیں؟

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان عورت کے لیے اپنے شوہر یا ایسا محرم جس کے ساتھ ہمیشہ نکاح کرنا حرام ہو کے بغیر حج کے لیے جانا جائز نہیں۔

" لا يحل لامرأة مسلمة ان تحج الا مع زوج او محرم "

یعنی کوئی مسلمان عورت کے لیے اپنے شوہر یا محرم کے بغیر حج کرنا حلال نہیں۔

(اعلاء السنن: ۱۰/۷)

دوسری حدیث میں ہے:

" قال رسول الله ﷺ: " لا يخلُوَنَّ رجل بامرأة و لا تسافرن امرأة الا ومعها محرم ، فقال رجل : يا رسول الله ! اُكْتُتِبْتُ في غزوةِ كذا وكذا ، وخرجت امرأتي حاجَّةً ؟ قال : اذهب فاحجُج مع امرأتكَ " . متفق عليه . (مشكوة: ۲۲۱)

" قال عليه السلام :" لا تسافر امرأة مسيرة يوم وليلة الا ومعها ذو محرم" . متفق عليه . (مشكوة المصابيح : ۲۲۱)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، اور کوئی عورت بغیر محرم کے ہرگز سفر نہ کرے، ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا نام جہاد میں لکھا گیا ہے اور میری عورت حج کے لیے جارہی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جا تو اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔‘‘

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ’’کوئی عورت ایک دن ایک رات کا سفر اکیلی نہ کرے مگر اس کے ساتھ ذو رحم محرم ہو۔‘‘

لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوہ عورت اپنے محرم کے ساتھ مثلاً: لڑکا باپ بھائی یا ایسا رشتہ دار جس کے ساتھ ہمیشہ نکاح حرام ہو، اس کے ساتھ حج میں جانا جائز ہے، اجنبی مرد کے ساتھ حج میں جانا جائز نہیں، اگر جائے گی تو سخت گنہگار رہوگی، زبان سے منہ بولا بیٹا کہنے سے یا دودھ بھائی کہنے سے حقیقت میں وہ بیٹا یا بھائی نہیں بن جاتا، اوران سے نکاح کرنا حرام نہیں ہوتا، لہٰذا منہ بولا بیٹا یا دودھ بھائی کہہ کر اس کے ساتھ حج میں جانا شرعاً جائز نہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ﴾ . (سورة الاحزاب: ۴)

''اور نہ تمہارے متبنّیٰ بیٹے کو حقیقی بیٹا بنایا ہے، یہ تو تمہاری منہ کی باتیں ہیں، اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے۔''

اگر آخری دم تک محرم نہ ملنے کی بنا پر عورت حج کے لیے نہ جاسکے، تو وصیت کرنا ضروری ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۵۱) داماد کے ساتھ حج میں جانا:

سوال: ایک بیوہ عورت اپنے داماد کے ساتھ حج میں جانا چاہتی ہے، تو کیا عورت اپنے داماد کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے؟

جواب: داماد محرم ہے، اگر کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ ہو، تو داماد کے ساتھ حج کے لیے جانا درست ہے، اگر داماد اور خوش دامن (ساس) دونوں جوان ہوں اور فتنہ کا خوف ہو، تو ساتھ میں سفر نہ کرے اور داماد کے ساتھ حج میں نہ جاوے۔

'' والخلوة بالمحرم مباحة الا لاخت رضاعا والصهرة الشابة . (در مختار)

وفي الشامية : والصهرة الشابة قال فى القنية : ماتت عن زوج وام فلهما ان

یسکنه فی الدار اذا لم یخافا الفتنة وان کانت الصهرة شابة فللجیران ان یمنعوها منه اذا خافوا علیها الفتنة ". (رد المحتار: ۵/ ۳۲۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۵۲) عورت اکیلی حج کے لیے جاسکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ کوئی عورت اکیلی حج میں جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ بغیر محرم کے ایک رات دن کا سفر کرے۔

دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور کوئی اجنبی مرد اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ جاوے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جب تک محرم نہ ہو عورت کے لیے مختصر سفر یا طویل سفر کرنا حرام ہے، چاہے عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو، چاہے حج کا سفر ہو یا کوئی اور سفر ہو۔

لہٰذا شرعاً بغیر محرم کے حج میں جانا جائز نہیں، سفر کے لیے محرم کا ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ سفر میں ہر ہر قدم پر مثلاً پاسپورٹ بنانے، فارم بھرنے، قوانین کی معلومات کرنے میں مرد کی ضرورت پڑتی ہے، تو اجنبی مرد کے ساتھ سابقہ نہ پڑے، اس لیے کہ محرم کا ہونا مثلاً باپ بھائی بیٹا یا ایسا مرد جس کے ساتھ ہمیشہ نکاح حرام ہو، ایسے مرد کا ہونا ضروری ہے۔

عن ابی هریرة قال : قال النبی ﷺ: " لا یحل لامرأة تؤمن بالله و الیوم الآخر ان تسافر مسیرة یوم و لیلة لیس معها حرمة " .

(بخاری: ۱/ ۱۴۸، باب فی کم تقصیر الصلوة)

عن ابن عباس قال : قال النبی ﷺ: " لا تسافر المرأة الا مع ذی محرم ولا یدخل علیها رجل ومعها محرم " . (بخاری: ۲۵۰، باب حج النساء)

قال العینی : عموم اللفظ تتناول عموم السفر فیقتضی ان یحرم سفرھا بدون محرم شابۃ کانت او عجوزا قلیلا کان او کثیرا لیحج او غیرہ ''.

(عینی شرح بخاری: ۲۲۱، حاشیہ بخاری: ۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۴رشوال المکرّم ۱۴۲۴ھ

(۱۳۵۳) کیا عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے؟

سوال: ایک بیوہ عورت امریکہ میں رہتی ہے، اس کا بھائی اس کے ساتھ حج میں جانا نہیں چاہتا، تو کیا یہ بیوہ عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے؟ جب کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ جانے والا ہے؟

جواب: عورت جوان ہو یا بوڑھی، بغیر محرم کے حج میں جانا جائز نہیں، خواہ اس کے رشتہ دار یا پڑوس کی عورتیں اپنے محرم کے ساتھ جارہی ہوں، عورت کے لیے حج میں جانا اس وقت فرض ہوگا جب کہ اپنے اور اپنے ساتھ محرم کو لے جانے کے لیے سفر کا نفقہ ہو، اور دونوں کا خرچ اٹھا سکے، اگر محرم کو لے جانے کے لیے نفقہ نہ ہو تو حج میں جانا فرض نہیں، اگر موت تک محرم نہ ملے تو حج بدل کی وصیت کرنا فرض ہوگا۔

محرم وہ شخص ہے جس کے ساتھ دائمی نکاح حرام ہو، مذکور صورت میں بھائی کو راضی و تیار کیا جائے، بہنوئی کے ساتھ حج میں جانا جائز نہیں، غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ ہوگا، حدیث شریف میں ہے: ''جو عورت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے ایک دن رات کا سفر بغیر محرم کے کرنا جائز نہیں''۔

'' ومنھا المحرم للمرأۃ شابۃ کانت او عجوزۃ اذا کان بینھما وبین مکۃ مسیرۃ ثلاثۃ ایام ، وتجب علیھا النفقۃ والراحلۃ فی مالھا للمحرم لیحج بھا ''.

(الفتاوی الھندیۃ: ۱/ ۲۰۴)

" والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة او رضاع او صهرية ". (رد المحتار: ۴۶۹/۲، احسن الفتاوی: ۵۲۲/۴)

حديث الصحيحين : " لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تسافر مسيرة يوم وليلة الا مع ذى محرم عليها " . (رد المحتار: ۴۶۵/۲، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۵؍رجب المرجب؍ ۱۴۱۹ھ

(۱۳۵۴) عورت محرم کے بغیر کتنے دور کا سفر کر سکتی ہے؟

سوال: میں جوگیشوری ممبئی میں رہتا ہوں، جوگیشوری سے ممبئی سینٹرل تقریباً ۲۱؍کلومیٹر دور ہے، تو میں جوگیشوری سے اپنی والدہ کو اپنے ڈرائیور کے ساتھ تنہا ممبئی بھیجوں اور ساتھ میں کوئی محرم نہ ہو، اور اسی طرح تنہا ممبئی میں ہی بھیجوں چاہے کتنا ہی دور ہو، تو کیا اس طرح میرا بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: ہم پانچ بھائی ہیں، اپنے کاروبار میں مشغول ہیں، مجبوراً والدہ کو یا بیوی کو بغیر محرم کے ممبئی میں ہی بھیجیں تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " لا تسافر المرأة الا مع ذى رحم محرم ولا يدخل عليها رجل الا ومعها محرم " . (الصحيح للبخاری: ۲۵۰/۱)

عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے، اور محرم نہ ہو تو اس وقت اجنبی شخص عورت کے پاس تنہائی میں نہ آئے، اس حدیث میں بغیر محرم کے عورت کو سفر کرنے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے، چاہے سفر مختصر ہو یا طویل، حج کا سفر ہو یا کسی اور کام کے لیے سفر ہو۔

" قال العينى : عموم اللفظ يتناول عموم السفر فيقتضى ان يحرم سفرها بدون محرم معها قليلا كان او كثيرا للحج او غيره " . (عينى: ۲۲۱/۱۰)

محرم کے بغیر سفر کرنے کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں، ایک روایت میں ہے:

" لا تسافر امرأة مسيرة يومين " . (صحیح بخاری: ۲۵۱/۱)

دوسری روایت میں ہے: " **لا تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ لیس معها حرمة** ". (الصحیح للبخاری: ۱/۱۴۸)

" **وروي عنه : لا تسافر یوما** ". (عینی: ۱۰/۲۲۴)

اس بنا پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: تمام روایات جن میں حد سفر کے بارے میں اختلاف ہے ان کا مقصد سفر کی کوئی حد مقرر کرنا نہیں، بلکہ روایات کا مقصد یہ ہے کہ عورت تنہا سفر نہ کرے، چاہے کتنی ہی مختصر مسافت کیوں نہ ہو، لہٰذا موجودہ دور میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ عورت مطلقاً تنہا سفر نہ کرے، چاہے سفر تھوڑی دور کا ہو یا زیادہ۔ (مظاہر حق:۲/۶۳، کتاب الحج)

لہٰذا موجودہ دور میں جب کہ فتنے فساد کا بہت ڈر ہے اور ماحول بھی خراب ہے، احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ عورت بالکل محرم کے بغیر سفر نہ کرے، لہٰذا آپ اپنی والدہ یا بیوی کو ڈرائیور کے ساتھ تنہا نہیں بھیج سکتے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۵۵) بوڑھی عورت کا بغیر محرم کے حج میں جانا:

سوال: ایک ستر سال کی بوڑھی عورت پر حج فرض ہے، خود حج کر سکے اتنی رقم ہے مگر محرم نہیں ہے، دور کا ایک رشتہ دار اور محلّہ کے لوگوں کے ساتھ حج میں جا سکتی ہے؟

جواب: عورت کو حج میں جانے کے لیے شوہر یا محرم کا ہونا ضروری ہے، محرم اس کو کہتے ہیں، جس کے ساتھ ہمیشہ نکاح حرام ہو۔

" **و المحرم من لا یجوز مناکحتها علی التابید** ". (شامی :۲/۱۹۹)

لہٰذا عورت کو چاہے بوڑھی ہو، بغیر محرم کے حج میں جانا جائز نہیں، اگر اپنے حج کے علاوہ محرم کا خرچ بھی ہو، یعنی بوڑھی عورت کے پاس کل دو آدمیوں کا نفقہ ہو، تو محرم کو اپنے نفقہ سے حج کے لیے لے جانا ضروری ہے۔

" ونفقة المحرم عليها لانها تتوسل الى اداء الحج ".

ترجمہ: محرم کا خرچ عورت پر ضروری ہے، اس لیے کہ عورت کے حج کے لیے محرم ذریعہ بنتا ہے۔ (ہدایہ:۲۱۴، شامی:۱۹۹، خلاصہ:۱/۲۷۷)

اگر محرم کا خرچ نہ ہو صرف اپنے حج کا خرچ ہو، تو محرم نہ ہونے کی بنا پر عورت کو حج کے لیے جانا ضروری نہیں رقم جمع کرے، مستقبل میں محرم مل جائے، تو اس کے ساتھ حج ادا کرے، اگر نہ ملے تو اس رقم سے حج کرانے کی وصیت کرنا ضروری ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔

" يجب الايصاء ان منع المرض او لم يوجد زوج و لا محرم " .

(شامی: ۲/۴۶۵، مکتبہ سعید، مجمع الا نھر: ۱/۱۳۳)

لہٰذا عورت کو جوان ہو یا بوڑھی؛ شوہر یا محرم کے بغیر حج میں جانا جائز نہیں، جائے تو گنہگار ہوگی، اور ساتھ لے جانے والا بھی گنہگار ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲ ربیع الثانی / ۱۴۲۰ھ

(۱۳۵۶) دیور کے ساتھ حج؟ عورت حج بدل میں جاسکتی ہے؟ جوا کے پیسے سے حج؟

سوال: کیا عورت اپنے دیور (اپنے شوہر کے چھوٹے بھائی) کے ساتھ حج کر سکتی ہے؟ عورت حج بدل میں جاسکتی ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے: "کوئی مسلمان عورت کو اپنے شوہر یا محرم؛ جس کے ساتھ دائمی نکاح حرام ہو، ایسے شخص کے بغیر حج میں جانا جائز نہیں، لہٰذا عورت کو اپنے دیور کے ساتھ حج میں جانا جائز نہیں، اگر جائے گی تو گنہگار ہوگی۔

عن ابی امامة :" لا يحل لامرأة مسلمة ان تحج الا مع زوج او ذو رحم".

(اعلاء السنن:۱۰/۷)

کسی بھی مسلمان عورت کے لیے شوہر یا محرم کے بغیر حج کرنا حلال نہیں۔

" (مع زوج او محرم) ...... والمحرم لا يجوز له مناكحتها على التأبيد ".

(شامی:۲/۴۶۴، مکتبہ سعید)

عورت حج بدل کے لیے جاسکتی ہے، مگر مرد کو حج بدل میں بھیجنا افضل ہے، اور بہتر یہ ہے کہ ایسے مرد کو حج بدل میں بھیجا جائے جو حج کے مسائل سے واقف ہو۔

" (لكنه يشترط) لصحة النيابة (أهلية المأمور لصحة الأفعال) ...... (فجاز حج الصرورة) بمهملة : من لم يحج (والمرأة) ولو أمة ..... وغيرهم اولىٰ " . (شامی:۲/۶۰۳، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۵۷) ہندوستان سے جدہ تک بغیر محرم کے سفر؟

سوال: ایک شخص سعودی عربیہ میں رہتا ہے، اس کے والد کا انتقال ہوگیا ہے، والدہ کی عمر ساٹھ سال کی ہے، ان پر حج فرض نہیں مگر سعودی میں رہنے والا شخص اپنی والدہ کو حج کرانا چاہتا ہے، تو کیا اس کی والدہ ممبئ سے جدہ تک بغیر محرم کے جاسکتی ہے؟ جب کہ جدہ ایئر پورٹ کے اوپر بیٹا اپنی والدہ کو لینے کے لیے حاضر رہے گا، تو کیا اس طرح حج کرنا جائز ہے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''عورت ایک رات اور ایک دن کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔'' (مشکوۃ المصابیح:۱۲۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت جوان ہو یا بوڑھی؛ محرم کے بغیر مختصر سفر بھی نہ کرے، اسی میں احتیاط ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

لہذا کسی بھی عورت کو بغیر محرم کے سفر میں جانا جائز نہیں، جدہ میں محرم مل جانے سے تنہا سفر کرنے کا بدل نہ ہوگا، اور اکیلے سفر کرنے کا گناہ ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۸۸/۲/۲۲ء

(۱۳۵۸) شوہر کے انتقال کے بعد حج کے ارکان کی ادائیگی:

سوال: شوہر اور بیوی حج کے لیے مکۃ المکرّمہ پہنچے، اچانک حج کے ارکان ادا کرنے سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا، عورت کا کوئی محرم مکۃ المکرّمہ میں یا مدینہ منورہ میں نہیں ہے، تو عورت حج، عمرہ، نفل طواف کرسکتی ہے؟ اور مدینہ منورہ زیارت کے لیے جاسکتی ہے؟ اور عدت مکہ میں گزارے یا اپنے وطن میں گزارے؟

جواب: فقہ کی عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عدت حج کو روکنے والی ہے، لہٰذا اگر مکۃ المکرّمہ میں شوہر کا انتقال ہوگیا، اور عورت احرام کی حالت میں ہے، تو عمرہ کے ارکان ادا کرکے حلال ہوجائے، اور دوسرے سال حج ادا کرے، اگر حج کا موقع نہ ملے تو وصیت کرجائے، مگر مذکورہ صورت میں شوہر کا مکہ میں انتقال ہوجانے کی بنا پر عورت کو وہاں رہنے کے باوجود حج نہ کرنے اور وقوف عرفہ نہ کرنے میں بہت مشقت اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لیے کہ عورت اگر بغیر حج ادا کیے وطن واپس ہوجائے، تو آئندہ سال دوبارہ مکہ آنا اور حج کرنا پڑے گا، اور حج کے لیے محرم کا ملنا اور حج کے خرچ کا انتظام یہ تمام کام بہت مشکل ہیں، لہٰذا یہ عورت معذور شمار ہوگی، جیسے کہ شوہر کا انتقال کسی دیہات یا جنگل میں ہوگیا اور عورت کو اپنی ذات پر خطرہ ہو، تو دوسری جگہ جاکر عدت گزارنا درست ہے، تو مذکورہ صورت میں بھی وقوف عرفہ کے لیے جائے تو معذور سمجھی جائے گی، ورنہ عورت کے لیے بہت پریشانیاں آسکتی ہیں، اگر عمرہ کے ارکان ادا کرکے حلال ہوجائے تو حج کی قضا کرنا پڑے گی، تو ایسی صورت میں معتدہ عورت معتمد نیک عورت کے ساتھ حج ادا کرلے۔ (عمدۃ الفقہ: ۶۰/۴)

" وإن كانت فی قرية أو مفازة لا تأمن علی نفسها فلها ان تمضی الی موضع آخر آمن فلا تخرج منه حتی تمضی مدتها " . (فتح القدير: ۱۲۸/۲)

مکۃ المکرّمہ میں معتدہ عورت کے لیے وقوف عرفہ کی گنجائش سخت ضرورت کی بنا پر ہے، جیسے کہ فقہ کا اصول ہے: " الضرورات تبيح المحظورات ". ضرورت کی بنا پر ممنوع کام مباح

ہو جاتے ہیں، لہٰذا عدت والی عورت کے لیے حج کے ارکان ادا کرنے کے لیے نکلنے کی گنجائش ہے، مگر عمرہ کے نفل طواف کے لیے عدت والی عورت کو باہر نکلنا پڑے گا، اور عدت والی عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں۔

" ان للمرأة ان تخرج الى ما دون السفر بغير محرم وليس للمعتدة اولى". (ہدایہ:۲/۴۱۰)

اور " الضرورات تتقدر بقدرها " ضرورت، ضرورت کے بقدر ہی مباح ہوتی ہے۔ (قواعد الفقہ :۸۹، قاعدہ نمبر:۱۷۱)

لہٰذا عمرہ یا نفل طواف کے لیے جانا درست نہیں، مدینہ طیبہ کی حاضری کے لیے بھی جانے کا یہی حکم ہے۔

اگر وفات کی عدت مکۃ المکرّمہ میں پوری کر سکتی ہو، اور اس کا انتظام ہو، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکۃ المکرّمہ میں ہی عدت گزارے، البتہ امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر محرم ساتھ ہو، تو عدت گزارنے سے پہلے وطن واپس آسکتی ہے۔

" إذا خرجت المرأة مع زوجها الى مكة فطلقها ثلاثا او مات عنها.... فى مصر فانها لا تخرج حتى تعتد ثم تخرج ان كان لها محرم ، وهذا عند ابى حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد : ان كان معها محرم فلا بأس بان تخرج من المصر قبل ان تعتد " . (ہدایہ:۲/۴۰۹)

" (أو كانت فى مصر) أو قرية تصلح للإقامة (تعتد ثمة) ...... بأن تأمن فيها على نفسها ومالها وتجد ما تحتاجه ...... إن لم تجد محرما اتفاقا ، وكذا إن وجدت عند الامام " . (درمختار مع الشامی:۳/۵۳۹، مکتبہ سعید)

" قال فى الفتاوى السراجية : ثم الفتوى على الاطلاق على قول ابى حنيفة ثم قول ابى يوسف ثم قول محمد " . (رسم المفتى: ۱۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۵۹) عورت کا منھ چھپانے کے لیے پلاسٹک کا استعمال کرنا:

سوال: عورت احرام میں منھ کے حصے پر پلاسٹک لگائے، تاکہ کپڑا منھ کے ساتھ نہ لگے، تو کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

جواب: عورت کے لیے احرام میں منھ کے ساتھ کپڑا نہ لگے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، لہٰذا ایسی کوئی ترکیب کرے کہ کپڑا منھ پر نہ لگے اور پردہ بھی ہوجائے، یہ ضروری ہے، لہٰذا پلاسٹک لگائے اور وہ منھ سے الگ رہے یہ درست ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۱۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۶۰) عورتوں کا حج:

سوال: حج میں عورتوں کے ضروری مسائل کی طرف رہنمائی فرمائیں!

جواب: عورتیں احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنیں۔ سر کھلا نہ رکھیں۔ تلبیہ زور سے نہ پڑھیں۔ طواف میں اپنی چال پر چلیں۔

ازدحام کی بنا پر طواف کے بعد کی دو رکعت مقام ابراہیم پر پڑھنے کا موقع نہ ملے، تو حرم شریف میں کہیں بھی دوسری جگہ پڑھ لیں۔

صفا مروہ میں اپنی حالت پر چلیں۔

احرام سے حلال ہونے کے لیے انگلی کے پور کے برابر سر کے بال کاٹیں۔

حیض کی بنا پر؛ ۱۰، ۱۱، ۱۲/ رویں ذی الحجہ کو طواف زیارت نہ کرسکیں، تو پاک ہونے کے بعد کرلیں، اور تاخیر کی بنا پر دم واجب نہ ہوگا۔

حیض کی بنا پر طواف وداع نہ کرسکیں، اور بغیر طواف وطن آجاویں، تو طواف وداع ترک کرنے کا دم واجب نہ ہوگا، ایسی صورت میں حرم شریف میں نہ جائیں، بلکہ دروازہ سے باہر کھڑی ہوکر دعا کریں، اور خانہ کعبہ کی زیارت روانہ ہوجائیں۔ (عمدۃ الفقہ ۴/ ۴۶۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۶۱) عدت کی حالت میں حج کے لیے جانا:

سوال: عورت طلاق یا شوہر کی وفات کی عدت ختم ہونے سے پہلے حج میں جاسکتی ہے؟

جواب: عدت کی حالت میں عورت حج کے لیے نہیں جاسکتی، اگر جائے گی تو گنہگار ہوگی، دوسرے سال کسی محرم کے ساتھ حج کے لیے جائے۔ (شامی : ۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

حج کے واجبات اور سنن کا بیان

(۱۳۶۲) وقوف مزدلفہ:

سوال: وقوف مزدلفہ کا وقت کب سے ہے؟ کہاں تک باقی رہتا ہے؟ اگر کوئی شخص مزدلفہ میں وقوف نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مزدلفہ سے روانہ ہونے کا مستحب وقت کیا ہے؟

جواب: وقوف مزدلفہ کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، اگر کسی شخص نے مذکورہ وقت میں مزدلفہ میں وقوف نہ کیا اور صبح صادق سے قبل مزدلفہ سے منیٰ چلا گیا، تو دم واجب ہوگا، اور جو شخص صبح صادق کے بعد اندھیرے میں مزدلفہ سے چلا گیا تو دم واجب نہ ہوگا، جب سورج طلوع ہونے میں دو رکعت پڑھ سکے اتنا وقت باقی رہے جب مزدلفہ سے روانہ ہونا مستحب ہے، اژدحام کی بنا پر عورت مزدلفہ میں نہ ٹھہرے، اور عرفات سے سیدھی منیٰ روانہ ہو جائے تو دم واجب نہ ہوگا۔

"غير انه اذا تركه بعذر ..... او كانت امرأة تخاف الزحام لا شيء عليه"

(هدايه ۱/ ۲۲۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۶۳) وقوف مزدلفہ:

سوال: وقوف مزدلفہ کا وقت کب سے ہے؟ کہاں تک باقی رہتا ہے؟ اگر کوئی شخص مزدلفہ میں وقوف نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مزدلفہ سے روانہ ہونے کا مستحب وقت کیا ہے؟ اژدحام کی بنا پر عورت نہ ٹھہرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: وقوف مزدلفہ کا وقت ۱۰/ ذی الحجہ کی صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، اس وقت میں تھوڑی دیر کے لیے بھی ٹھہرنا واجب ہے، بغیر عذر کے ترک کرنے سے دم واجب ہوگا، البتہ کمزوری اور مرض اور عورت کی بنا پر نہ ٹھہرے تو دم واجب نہ ہوگا، مذکور وقت میں ٹھہرنا واجب ہے، اور مزدلفہ میں رات گذارنا اور خوب اسفار تک ٹھہرنا سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا صبح صادق سے پہلے اور طلوع

آفتاب کے بعد وقوف کرے تو اس کا اعتبار نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، جو ابھی کم عمر تھے، ان کو ضعفاء اور بیماروں کے ساتھ مزدلفہ میں وقوف کے بغیر عرفات سے منیٰ روانہ کر دیا، لہٰذا مرض اور عذر کی بنا پر ترک کرنے سے دم واجب نہ ہوگا، اور بغیر عذر کے ترک کیا تو دم لازم ہوگا۔

" ثم هـذا الوقوف واجب ... حتى لو تركه بغير عذر يلزمه الدم ... غير انه اذا تركه بعذر بان يكون به ضعف او علة او كانت امرأة تخاف الزحام لا شيء عليه ". (هدایه : ۱/۲۲۸، مشکوة المصابیح : ۲۳۰، شامی : ۲/۲۴۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۶۴) مزدلفہ میں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ نمازِ مغرب اور عشاء:

سوال: اللہ کے فضل سے اس سال حج کی سعادت حاصل ہوئی، آپ کی کتاب ''حج کے فرائض اور واجبات'' ساتھ میں تھی، بہت ہی فائدہ مند رہی اور رہبر بنی، اس کا ثواب آپ تمام کو پہنچے۔

اس کتاب میں ایک مسئلہ کے متعلق دیگر حاجی صاحبان سے اختلاف ہوا، اس کے متعلق آپ خلاصہ مرحمت فرمائیں!

آپ کی تحریر کے بموجب مزدلفہ میں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء پڑھی جاوے، دوسری کتابوں میں ایک اذان اور ایک اقامت سے مغرب اور عشاء پڑھنا لکھا ہوا ہے، تو صحیح کیا ہے؟

جواب: مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھی جائے گی، اذان تو ایک ہوگی مگر اقامت دونوں نمازوں کی الگ الگ کہنی چاہیے، یا ایک کہنی چاہیے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

" اتى المزدلفة فجمع بين المغرب والعشاء باذان واحد واقامتين ".

(ابوداود: ۲۶۴)

" فلما بلغنا بجمع صلی بنا المغرب ثلاثا والعشاء رکعتین باقامة واحدة .... هذا هو المشهور عند الاحناف ، لکن التحقیق ما قلنا سابقا ان المختار عند الاحناف هو الجمع باقامتین ". (حاشیه ابی داود: ۲۶۷)

والذی ثبت فی الصحاح عن تعدد الاقامة وبه قال ابو یوسف ومحمد ".

(عمدة الرعایة: ۲۶۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایک اذان اور دو اقامت سے مغرب اور عشاء پڑھی ،اسی بنا پر مختار اور مستحب یہ ہے کہ دو اقامت کہی جاوے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک تکبیر آیا ہے، احناف کے نزدیک یہی مشہور ہے، مگر راجح دو اقامت کہنا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۶۵) ازدحام کی بنا پر مزدلفہ میں نہ ٹھہرنا:

سوال: ہم کچھ مرد و عورتیں اور کچھ ضعیف لوگ مل کر حج میں گئے، ۹/ ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کے بعد غروب آفتاب کے وقت ایک سواری کرایہ کر کے مزدلفہ روانہ ہوئے، اژدحام کی بنا پر ٹرافک پولیس نے سواری کو ٹھہرنے نہ دیا، جس کی بنا پر مجبوراً حدود مزدلفہ کے باہر سواری ٹھہرانا پڑی، عورتیں اور سامان حدود مزدلفہ سے باہر رکھ کر مردوں نے حدود مزدلفہ کے اندر آ کر صبح صادق تک قیام کیا، تو مذکورہ صورت میں ہم پر دم واجب ہوگا؟

جواب: مزدلفہ میں صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک تھوڑی دیر تک بھی قیام کرنا واجب ہے، بغیر عذر کے ترک کرنے سے دم واجب ہوگا، البتہ کمزور یا بیمار اور عورتیں ازدحام کی بنا پر مزدلفہ میں قیام نہ کریں، تو عذر کی بنا پر دم واجب نہ ہوگا، مزدلفہ میں تھوڑی دیر کا قیام کرنا واجب ہے، رات گذارنا اور فجر تک ٹھہرنا سنت ہے، لہٰذا ازدحام کی بنا پر عورتوں نے مزدلفہ میں رات نہیں گذاری اور مردوں نے حدود مزدلفہ سے باہر نکل کر پھر واپس آ کر رات مزدلفہ میں گذاری، لہٰذا کسی پر دم واجب نہیں ہوگا۔

" اذا تركته بعذر بان يكون به ضعف او علة او كانت امرأة تخاف الزحام لا شيء عليه ". (هدايه : ۱/۲۲۸)

" وقدر الواجب منه ساعة و لو لطيفة ".

(شامی: ۲/۲۴۴، عمدة الرعاية: ۱/۲۶۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۵/۱۱/ ۱۹۷۹ء

(۱۳۶۶) ضعیف شخص کا عرفات سے سیدھا منیٰ چلا جانا:

سوال: ''احکام الحج'' (گجراتی) میں صفحہ نمبر/۵۸ پر لکھا ہے کہ عورت اگر ازدحام کی بنا پر مزدلفہ میں نہ ٹھہرے اور منیٰ چلی جاوے، تو دم واجب نہیں ہوگا، تو میرے جیسا ضعیف شخص عرفات سے منیٰ چلا جاوے تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: وقوف مزدلفہ کا وقت ۱۰/ویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک رہتا ہے، اس درمیان تھوڑی دیر بھی ٹھہرنا واجب ہے، اگر بغیر عذر کے نہ ٹھہرے تو دم واجب ہوگا۔

البتہ ضعیف ہو، اژدحام کا خطرہ ہو تو رات کو وہاں سے روانہ ہو جانا درست ہے، دم یا صدقہ کچھ واجب نہ ہوگا، البتہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عرفات سے مزدلفہ آکر دونوں نمازیں جمع تاخیر کے طور پر ادا کرنا ہے، معلم کی سواری آپ کو مزدلفہ میں پہنچا دے گی، اس رات کی فضیلت شب قدر کے برابر ہے، لہٰذا تھوڑی سی تکلیف برداشت کر کے ٹھہرنا چاہیے۔

" ثم وقت الوقوف فيها اى فى المزدلفة من حين طلوع الفجر الى ان يسفر جدا فاذا طلعت الشمس خرج وقته ولو وقف فيها فى هذا الوقت او قربها جاز كما فى الوقوف بعرفة وقبله وبعده لا يجوز كذا فى التبيين . ولو جاوز حد المزدلفة قبل طلوع الفجر فعليه دم لترك الوقوف بها الا اذا كانت به علة او مرض او ضعف فخاف الزحام فدفع منها ليلا فلا شيء عليه . كذا فى السراج

الوھاج . (عالمگیری: ۱/۲۳۰، ۲۳۱، عینی شرح الھدایة: ۱۴۵۴ عمدة الفقه: ۴/۷۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۲/رجب المرجب/ ۱۴۲۳ھ

(۱۳۶۷) رات کو مزدلفہ سے منیٰ چلا جانا:

سوال: حج میں دیکھا گیا کہ معلم حاجیوں کو رات کو مزدلفہ سے منیٰ لے جاتے ہیں، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: ۱۰/ویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب کے درمیان تھوڑی دیر کے لیے بھی مزدلفہ میں ٹھہرنا واجب ہے، بغیر عذر کے ترک کر دینے سے دم واجب ہوگا، البتہ کمزور بیمار اور عورتیں اژدحام کی بنا پر مزدلفہ میں نہ ٹھہریں اور منیٰ چلی جائیں، تو عذر کی بنا پر دم واجب نہ ہوگا۔

مذکورہ صورت میں معلم حاجیوں کو ۱۰/ویں ذی الحجہ کو صبح صادق سے پہلے رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ لے جاتے ہیں، تو دم واجب ہوگا اور یہ دم منیٰ میں دینا پڑے گا۔

" ثم هذا الوقوف واجب عندنا وليس بركن حتى لو تركه بغير عذر يلزمه الـدم ... غيـر انـه اذا تركه بعذر بان يكون به ضعف او علة او كانت امرأة تخاف الزحام لا شيء عليه ". (هدايه : ۱/۲۲۸)

" لـو فـات هـو الـوقـوف بـمـزدلـفة باحصار فعليه دم من ان هذا عذر من جانب المخلوق فلا يؤثر " . (شامی: ۲/۵۱۲، مکتبه سعید، عمدة الرعایه: ۱/۲۶۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۶۸) جمرات کی رمی کا وقت:

سوال: رمی کا وقت کب سے کہاں تک ہے؟ اگر وقت سے پہلے رمی کرلے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: رمی کا وقت ۱۰/ویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے، مگر

طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک سنت وقت ہے، زوال سے غروب تک مباح وقت ہے، اور غروب کے بعد مکروہ وقت ہے، ۱۱/ویں اور ۱۲/ویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال کے بعد سے دوسرے دن صبح صادق تک ہے، مگر زوال سے غروب تک سنت وقت ہے، اور غروب سے صبح صادق تک غیر معذور کے لیے مکروہ وقت ہے۔

” ووقته من الفجر الى الفجر ... أى وقت جوازه اداء من الفجر أى فجر النحر الى فجر اليوم الثانى ... ويسن من طلوع ذكاء لزوالها ويباح لغروبها ويكره للفجر “. (شامی: ۲/ ۵۱۵، اوجز: ۳)

” وأما فى الثانى والثالث فمن الزوال لطلوع ذكاء ... وقت رمى الجمار الثلاث فى اليوم الثانى والثالث من أيام النحر بعد الزوال ... والوقت المسنون فيهما يمتد من الزوال الى غروب الشمس ومن الغروب الى الطلوع وقت مكروه “. (شامی: ۲/ ۵۲۱، الجوهرة النيرة)

عورتوں اور کمزوروں کے لیے ۱۰/ویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے ۱۱/ویں اور ۱۲/ویں کو رات میں رمی کرنا افضل ہے، اگر کسی دن کی رمی وقت سے پہلے کر لی تو صحیح وقت میں دوبارہ رمی کرنا ضروری ہے، اور صحیح وقت میں اعادہ کر لینے سے دم لازم نہ ہوگا، اگر وقت کے بعد رمی کی جاوے تو دم لازم ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۶۹) رمی کا حکم:

سوال: رمی کرنا واجب ہے یا سنت؟ اگر رمی میں ترتیب میں تغیر ہو جاوے تو کیا کرے؟ اگر بیمار شخص یا صحت مند شخص ازدحام کی بنا پر اپنے نائب کے پاس رمی کروائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ۱۱، ۱۲، اور ۱۳/ویں کو جمرۂ اولیٰ جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ تینوں کی رمی کرنا واجب ہے، اور بالترتیب کرنا سنت ہے، اگر کسی نے پہلے جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کی رمی کر لی، اور جمرۂ اولیٰ کی رمی

چھوڑ دی تو جمرۂ اولیٰ کی رمی کرنے کے بعد جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کی رمی کر لینا بہتر ہے، اگر صرف چھوٹے ہوئے جمرہ کی رمی کی تو بھی درست ہے۔

" ومن رمی فی الیوم الثانی الجمرة الوسطی والثا لثة ولم یرم الاولی فان رمی الاولی ثم الباقیتین فحسن لانه راعی الترتیب المسنون ولو رمی الاولی وحدها اجزأه " . (هدایه :۲۸۳)

رمی صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حاجی خود اپنی رمی کرے، اژدحام کی بنا پر دوسرے کے پاس رمی کروانا ضروری نہیں، اگر اژدحام کے خوف سے دوسرے سے رمی کروائی، تو دم واجب ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہو کہ رمی کی جگہ تک پہنچنے میں سخت تکلیف ہو، یا بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہو، تو دوسرے کو اجازت دے کر اپنی طرف سے رمی کروانا درست ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۷۰) رمی میں نیابت:

سوال: حج میں رمی دوسرے کے پاس کروالے تو کیا رمی ادا ہو جائے گی؟

جواب: مرد، عورت، بیمار، کمزور؛ ہر ایک اپنی رمی خود کرے، عذر شرعی کے بغیر دوسرے کے پاس رمی کروانا جائز نہیں، عذر شرعی وہ ہے جس کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہو، ایسا شخص اپنی طرف سے دوسرے کے پاس رمی کرواسکتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۷۱) اژدحام کی بنا پر رات کو رمی کرنا، یا دوسرے کے پاس رمی کروانا:

سوال: رمی کرنے کا وقت کون سا ہے؟ اور اژدحام کے عذر کی بنا پر رات کو رمی کرنا جائز ہے؟ یا دوسرے کے پاس رمی کرا سکتے ہیں؟

جواب: ۱۰ رویں ذی الحجہ کو صبح صادق سے طلوع تک رمی کرنا مع کراہت جائز ہے، اور طلوع سے زوال تک سنت ہے اور زوال سے غروب تک رمی کرنا جائز ہے۔ اور ۱۱، ۱۲ رویں ذی الحجہ کو رمی کا

وقت جمہور علماء کے نزدیک زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، لہٰذا ان دو دنوں میں اگر زوال سے پہلے رمی کرلی تو رمی کا اعادہ کرنا لازم ہے، اور ۱۱، ۱۲ رویں کو زوال سے لیکر غروب تک رمی کا مسنون وقت ہے، اور ان دونوں دنوں کے بعد کی رات میں صبح صادق تک بغیر عذر کے رمی میں تاخیر کرنا عذر ہے، یہ دونوں راتیں گذشتہ دن کے تابع ہیں، لہٰذا ازدحام کے عذر کی بناپر رات میں رمی کرنا درست ہے، اگر رات میں بھی رمی نہ کی تو دن میں رمی کرلی جاوے، مگر ایسی حالت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق تاخیر کی بناپر دم واجب ہوگا۔

رمی کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ حاجی خود رمی کرے، باوجود طاقت ہونے کے دوسرے کے پاس رمی کروانا جائز نہیں، اژدحام یہ عذر نہیں ہے، لہٰذا ازدحام کی بناپر دوسرے کے پاس رمی کروائی جاوے تو دم واجب ہوگا۔

(اوجز المسالک: ۶۱۶/۴ / ۶۲۶، غنیۃ: ۱۰۰، حاشیۂ زبدہ: ۱۶۴، معلم الحجاج: ۲۰۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۷۲) رمی کی نیابت کب درست ہے؟

سوال: عورت اور مرد اپنی رمی کے دوسرے کو کب نائب بنا سکتے ہیں؟ رمی یا قربانی لوگ جلدی کرتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت اور مرد کو خود رمی کرنا ضروری ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ رمی کے لیے وہ شخص اپنا نائب بنا سکتا ہے جو کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، یا معذور ہو کہ چل نہیں سکتا، اور کوئی اٹھا کر لے جانے والا بھی نہیں، اور وہیل چیئر کا بھی انتظام نہ ہوسکتا ہو، تو ایسے عذر کے بغیر دوسرے کو رمی کا نائب بنایا تو رمی کو ترک کرنے والے کے حکم میں ہوگا اور دم لازم ہوگا، ایک دن کی بھی رمی ترک کی تو پورا دم لازم ہوگا۔

رمی اور قربانی کے لیے اتنی جلدی کرنا کہ جس سے ازدحام کی بناپر خود کو یا دوسرے کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو تو ایسا کرنا حرام ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۷۳) حلال ہونے کے لیے چوتھائی سر کے بالوں کا قصر کرنا:

سوال: احرام سے حلال ہونے کے لیے سر کے کتنے حصہ کے بالوں کا قصر کرنا چاہیے؟

جواب: احرام سے فارغ ہونے کے لیے پورے سر کا حلق کرنا یا قصر کرنا مستحب ہے، احناف کے نزدیک چوتھائی سر کے بالوں کا حلق کرنا یا قصر کرنا ضروری ہے، اگرچہ چوتھائی سر کے بال حلق کرنا یا قصر کرنا مکروہ ہے، اگر قصر کرنا ہو تو مرد اور عورت انگلی کے پور سے کچھ سے زائد بال کاٹیں، پورے سر کے بال یا چوتھائی سر کے بال کے برابر کاٹنا ضروری ہے، دو تین جگہ سے قصر کر لینے سے چوتھائی کے برابر نہیں ہوا، تو احرام سے حلال نہیں ہوگا۔

"**ثم يحلق او يقصر ... والحلق افضل ... ويكتفى فى الحلق بربع الرأس ... وحلق الكل اولى ... والتقصير ان يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة ... والرجل والمرأة فى ذلك سواء**". (هدايه : ۲۳۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۸/جنوری/ ۱۹۸۸ء

(۱۳۷۴) احرام سے حلال ہونے کے لیے قصر کی مقدار:

سوال: حلال ہونے کے لیے مردوں اور عورتوں کو کتنے بال کٹانے چاہئے؟

جواب: حلال ہونے کے لیے حلق کرنا چاہئے یا چوتھائی سر کا قصر کرنا چاہئے؟ یعنی انگلی کے ایک پور سے کچھ زائد کاٹنا چاہئے، اگر بال چھوٹے ہو یا لمبائی میں انگلی کے پور کے برابر نہ ہوں، تو حلق کرنا ضروری ہوگا، انگلی کے پور سے کم بال کٹائے تو احرام نہیں کھلے گا۔

عورتوں کے لیے چوٹی کے نیچے کے حصہ سے انگلی کے ایک پور سے کچھ زائد بال کاٹنا چاہئے، تاکہ سر کے چوتھائی کے برابر ہو جائیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۷۵) حلق افضل ہے یا قصر؟ سر کے بال بیچ بیچ سے کچھ قصر کرلے تو کیا حکم ہے؟

سوال: حج میں احرام سے حلال ہونے کے لئے حلق افضل ہے یا قصر؟ اگر کوئی پورا حلق نہ کرے یا پورا قصر نہ کرے بلکہ الگ الگ جگہ سے کچھ بال کاٹ لے تو کیا وہ احرام سے حلال ہوگا؟

جواب: حج میں احرام سے حلال ہونے کے لیے حلق افضل ہے، اگر قصر کرے تو یہ بھی درست ہے، حج میں چوتھائی سر کا حلق کرنا یا قصر کرنا واجب ہے، اس کے بغیر حلال نہ ہوگا، پورے سر کا حلق کرنا یا قصر کرنا مستحب ہے، سر کے الگ الگ جگہ سے کچھ بال کاٹ لیے اور یہ چوتھائی حصہ کو پہنچ جاتا ہے، تو یہ بھی درست ہے۔

" ثم یذبح ان احب ثم یحلق او یقصر والحلق افضل ویکتفی فی الحلق بربع الرأس ". (هداية: ۲۳۰، معلم الحجاج: ۱۹۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/۲۴/ ۱۹۸۰ء

(۱۳۷۶) حلق کرنا ضروری ہے یا قصر؟

سوال: حج میں حلق کرے، یا قصر کرنا بھی درست ہے؟

جواب: احرام سے حلال ہونے کے لیے حلق کرنا افضل ہے، اگر قصر کرلے تو بھی درست ہے، حلق کرنے والے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ رحمت کی دعا فرمائی ہے، اور اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع ہے۔

" والحلق افضل لقوله علیه السلام : " رحم الله المحلقین " قاله ثلاثاً . وحلق الکل اولیٰ اقتداءً برسول الله صلی الله علیه وسلم ". (هدایه: ۲۳۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۳/رمضان المبارک/ ۱۴۰۳ھ

(۱۳۷۷) ایک محرم دوسرے محرم کا حلق کر سکتا ہے؟

سوال: محرم پر حلال ہونے کے لیے حلق کرنا یا قصر کرنا ضروری ہے، تو ایک محرم دوسرے محرم کا حلق کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: محرم نے حج کے تمام ارکان ادا کر لیے ہو، صرف حلق باقی ہو تو دوسرے محرم کا حلق یا قصر کر سکتا ہے، یہ حلق کرنا احرام کی حالت میں کوئی جنایت نہیں ہے اور دم بھی لازم نہیں ہوگا۔

(احسن الفتاوی : ۵۱۲/۴، غنیّۃ) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۷۸) طواف زیارت میں اضطباع اور رمل:

سوال: متمتع جب طواف زیارت کرے تو اس کو اضطباع اور رمل کرنا چاہیے؟ اس لیے کہ حج کے احکام میں لکھا ہے کہ جس طواف کے بعد سعی کرنا ہو اس طواف میں رمل اور اضطباع کرنا چاہیے، جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ متمتع کو اضطباع اور رمل نہیں کرنا چاہیے، تو صحیح کیا ہے؟

جواب: متمتع جب حج کا احرام باندھے اور حج کے ارکان ادا کرے اور حلق کے بعد طواف زیارت کرے، تو پہلے تین شوط میں رمل اور اس کے بعد حج کی سعی کرے، تو اضطباع کی ضرورت نہیں، البتہ حج کا احرام باندھنے کے بعد نفل طواف اور سعی کی ہو تو طواف زیارت میں رمل اور اس کے بعد سعی کرنے کی ضرورت نہیں۔

" وفعل ما يفعله الحاج المفرد لانه مؤدى للحج الا انه يرمل فى طواف الزيارة و يسعىٰ بعده لان هذا اول طواف له فى الحج بخلاف المفرد لانه قد سعى مرة ولو كان هذا المتمتع بعد ما احرم بالحج طاف وسعى قبل ان يروح الى منىٰ لم يرمل فى طواف الزيارة ولا يسعىٰ بعده لانه قد اتى بذلک مرة " .

(هداية: ۱/ ۲۴۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۷۹) ۱۱؍ویں ذی الحجہ کو طوافِ وداع:

سوال: حج کے موسم میں کچھ لوگ ۱۱؍ویں ذی الحجہ کو رمی جمار کر کے طواف وداع کے لیے مکۃ المکرّمہ جاتے ہیں، اور ۱۲؍ویں ذی الحجہ کو منیٰ میں جا کر رمی جمار کر کے منیٰ سے سیدھے جدہ چلے جاتے ہیں، تو کیا اس طرح ۱۱؍ویں ذی الحجہ کو طواف وداع کرنا درست ہے؟ اور اس طرح طواف وداع کرنے سے کوئی چیز لازم ہوگی؟

جواب: آفاقی (میقات سے باہر رہنے والا) پر طواف وداع کرنا واجب ہے، طواف وداع کا ابتدائی وقت طواف زیارت کے بعد ہے، اور مستحب وقت ایام نحر (۱۰، ۱۱، ۱۲؍ویں ذی الحجہ) اور حج کے تمام افعال مکمل کر کے جب گھر کی طرف سفر کرنے کا ارادہ ہو، تو اس وقت طواف وداع کرنا مستحب ہے، اور اس طواف کے بعد فوراً سفر شروع کر دیا جاوے، اسی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص طواف وداع کرنے کے بعد رات تک رہا، تو دوبارہ طواف وداع کرنا میں پسند کرتا ہوں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ رمی جمار کرنے کے بعد گھر کی طرف روانہ ہونے کے وقت طواف وداع کیا جاوے۔

”و لـه وقتـان ؛ وقـت الـجـواز ووقـت الاستـحبـاب . (فالاول) اوله بعد طواف الزيارة اذا كان عدم السفر حتى لو طاف لذلك ثم اطال الاقامة بمكة ولو سنة ولم ينو الاقامة بها ولم يتخذها دارا جاز طوافه ، واما آخره فليس بمؤقت ما دام مقيما حتى لو اقام عاما لا ينوى الاقامة فله ان يطوف ويقع اداءً (و الثانى) ان يوقعه عند ارادة السفر حتى روى عن ابى حنيفة انه لو طاف ثم قام الى العشاء فاحب الى ان يطوف طوافاً اٰخرا ، ليكون توديع البيت آخر عهده عن مورده ، كذا فى البحر الرائق ، ان اول وقته بعد طواف الزيارة اذا كان عزم السفر حتى لو طاف كذلك ثم اطال الاقامة بمكة ولم يتخذها دارا جاز طوافه“

(شامی : ۲/۲۵۵، عالمگیری : ۹/۲۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۱/۱۰/ ۱۹۸۳ء

(۱۳۸۰) ازدحام کی بنا پر بارہویں ذی الحجہ کی رمی کو دوسرے سے کروانا:

سوال: اگر کوئی شخص منیٰ میں ازدحام کی بنا پر تیسرے دن کی رمی خود نہ کرے، بلکہ بغیر کسی عذر کے صرف ازدحام کی بنا پر دوسرے کے ذریعہ سے کروائے تو کیا اس پر دم لازم ہوگا؟ کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بارہویں کی رمی میں نیابت کی گنجائش ہے؟

جواب: رمی صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حاجی خود رمی کرے، قدرت ہونے کے باوجود دوسرے کے ذریعہ سے رمی کرانا جائز نہیں ہے، ازدحام کا ہونا عذر میں داخل نہیں ہے، لہٰذا ازدحام کی بنا پر دوسرے کے ذریعہ سے اگر رمی کروائی تو دم واجب ہوگا۔

" وفی شرح اللباب (من الشرائط) ان یرمی بنفسه فلا تجوز النیابة عند القدرة وتجوز عند العذر". (اوجز المسالک:۳/۶۶۱)

" قد تبین انهم جعلوا خوف الزحام عذرا للمرأة ولمن به علة او ضعف فی تقدیم الرمی قبل طلوع الشمس او تاخیره الی اللیل لا فی جواز النیابة عنهم لعدم الضرورة فلو لم یرموا بانفسهم تخوُّف الزحام تلزمهم الفدیة ".

(غنیۃ:۱۰۰، حاشیۂ زبدۃ المناسک:۱۶۴)

معلم الحجاج میں شرائط رمی کے بیان میں لکھا ہے کہ رمی کے صحیح ہونے کی دس شرطیں ہیں: ....(۶) خود رمی کرنا، کسی دوسرے سے باوجود قدرت ہونے کے بلا عذر رمی کرانا جائز نہیں۔ (معلم الحجاج:۲۰۱)

دسویں ذی الحجہ کے بعد یعنی گیارہویں اور بارہویں کو رمی کا وقت جمہور ائمہ کے نزدیک زوال کے بعد ہے، لہٰذا ان دونوں میں اگر زوال سے پہلے رمی کی جائے، تو اعادہ واجب ہے، علماء نے لکھا ہے کہ گیارہویں اور بارہویں کو زوال سے غروب تک رمی کا مسنون وقت ہے، ان دونوں کے بعد جو رات آتی ہے اس میں صبح صادق تک بغیر عذر کے رمی کرنا مکروہ ہے، تو ازدحام کے عذر کی بنا پر رات میں رمی کرنا صحیح ہے، اگر رات کو بھی رمی نہ کی تو اب دن ہی میں رمی کرلے، اگر چہ زوال

سے پہلے ہو، مگر دن میں رمی کرنے کی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رمی کے تاخیر کی بنا پر دم واجب ہوگا۔

" قال العینی : رمی ایام التشریق محله بعد زوال الشمس قد اتفق علیه الائمة ، وقال الحافظ فی حدیث ابن عمر : کنا نتحین فاذا زالت الشمس رمینا دلیل علی ان السنة ان یرمی الجمار فی غیر یوم الاضحیٰ بعد الزوال ، وبه قال الجمهور ، والحاصل ان فی الیوم الثانی والثالث من ایام النحر وقت الجواز من الزوال لا قبله ، ثم من الزوال الی الغروب من هذا الیوم وقت مسنون ، وبعد الغروب من کل یوم الی طلوع الفجر من الغد وقت مکروه لغیر معذور " .

(اوجز المسالک: ۳/ ۶۶۱، ۶۶۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۸۱) طواف کے بعد کی دو رکعت عصر کے بعد پڑھنا، نیز عصر کے بعد طواف کر کے مغرب کے بعد دو رکعت پڑھنا:

سوال: اگر کسی شخص نے عصر کے بعد طواف کیا تو کیا وہ طواف کی دو رکعت پڑھ سکتا ہے؟ اگر طواف اور سعی کی، اب عصر کا اتنا وقت باقی ہے کہ صرف حلق کر سکتا ہے اور مغرب کا وقت ہو جاتا ہے، تو کیا طواف کی دو رکعت مغرب کے بعد پڑھنا درست ہے؟

جواب: عصر اور فجر کی نماز کے بعد طواف کیا جائے، تو طواف کی دو رکعت غروب اور طلوع کے بعد ادا کی جائے، طلوع اور غروب سے پہلے دو رکعت پڑھنا مکروہ ہے، اگر پڑھ لی تو دوبارہ پڑھ لینا بہتر ہے، لہٰذا عصر کے بعد طواف کیا جائے تو مغرب کی نماز کے بعد طواف کی دو رکعت ادا کرے، اس کے بعد مغرب کی سنتیں ادا کرے۔

" (وختم الطواف باستلام الحجر استنانا ثم صلی شفعا) فی وقت مباح ..... فتکره فی وقت الکراهة .... ولو طاف بعد العصر یصلی المغرب ، ثم

رکعتی الطواف ، ثم سنة المغرب ، ولو صلاها فی وقت مکروه قيل صحّت مع الكراهة ، و يجب قطعها فان مضى فيها فالاحب ان يعيدها " .

(شامی:۲/۴۹۹،مکتبہ سعید)

" وكره نفل وركعتى الطواف ظاهره ولو كان الطواف فى ذلك الوقت المكروه ولم أره صريحا ، ويدل عليه ما اخرجه الطحاوی فی شرح الآثار عن معاذ بن عفراء انه طاف بعد العصر او بعد صلاة الصبح ولم يصل ، فسئل عن ذلک فقال : نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس ، وعن صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس " .

(ردالمحتار:۱/۳۷۵،مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۷/ربیع الاول/ ۱۴۰۵ھ

(۱۳۸۲) اوقاتِ مکروہہ میں طواف کی دو رکعت ادا کرنا:

سوال: اگر کسی شخص نے عصر کے بعد طواف کیا، تو طواف کے بعد کی دو رکعت غروب آفتاب سے پہلے ادا کرسکتا ہے؟ اگر طواف کے بعد مغرب کی نماز کا وقت ہوجاوے، تو طواف کی دو رکعت مغرب کے بعد پڑھنا درست ہے؟

جواب: جس طرح فجر کی فرض کے بعد اور عصر کی فرض کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح مکروہ وقت میں طواف کی دو رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔

" ويكره ان يتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعة الفجر " .(هدايه : ۱/ ۷۰)

لہٰذا عصر اور فجر کی نماز کے بعد طواف کیا جاوے، تو طواف کے بعد کی دو رکعت جو واجب ہے غروب کے بعد اور فجر میں طلوع کے بعد ادا کی جاوے، اگر یہ دو رکعت مکروہ وقت میں پڑھ لی ہو، تو اعادہ کرلینا بہتر ہے، لہٰذا عصر کے بعد طواف کیا جاوے، مغرب کی فرض کے بعد طواف کی دو

رکعت پڑھی جاوے، اور طواف کی دو رکعت کے بعد مغرب کی سنتیں پڑھنی چاہیے۔

" ولو طاف بعد العصر يصلي المغرب ثم ركعتي الطواف ثم سنة المغرب ، ولو صلاها في وقت مكروه ..... فالاحب ان يعيدها ".

(ردالمحتار: ۲/ ۴۹۹ ، مكتبه سعيد)

حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد طواف کیا اور طواف کی دو رکعت ادا نہیں کی، اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا، تو جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

عن معاذ بن عفراء انه طاف بعد العصر أو بعد صلاة الصبح ولم يصل ، فسئل عن ذلك ، فقال : " نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس ، وعن صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس " .

(ردالمحتار : ۱/ ۳۷۵ ، مكتبه سعيد)

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۸۳) مغرب کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے طواف کی دو رکعت پڑھنا:

سوال: مکۃ المکرّمہ میں مغرب کی اذان کے بعد کچھ تاخیر سے جماعت کھڑی ہوتی ہے، تو کیا اس درمیان میں طواف کی دو رکعت پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: طواف کی نماز طواف کے بعد متصل پڑھنا مسنون ہے، اور تاخیر کرنا مکروہ ہے، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو، مثلاً عصر کے بعد؛ لہٰذا اگر عصر کی نماز کے بعد طواف کیا، تو پہلے مغرب کی فرض ادا کی جائے، اس کے بعد طواف کی دو رکعت ادا کرے، اس کے بعد مغرب کی سنتیں پڑھے، اور اگر جماعت قائم ہونے میں تھوڑی دیر ہو، اور اس وقت میں آسانی سے طواف کی دو رکعت پڑھ سکتا ہو، تو پڑھنا درست ہے۔ (زبدۃ المسالک: ۱۱/ ۱۱۵، معلم الحجاج: ۱۳۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

(۱۳۸۴) حج میں جاتے وقت معافی مانگ کر جانا:

سوال: ایک مالدار شخص حج کے لیے گیا، مگر خاندان میں عورتوں وغیرہ کے لڑائی جھگڑوں کی بنا پر حقیقی بہنیں اور چچازاد بہنوں سے ملاقات نہیں کی، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حج کے سفر کے آداب میں سے ہے کہ؛ حج کے لیے روانہ ہونے سے قبل حقوق العباد باقی ہوں، چاہے اپنے گھر والوں کے یا رشتہ داروں کے، تمام کے حقوق ادا کیے جاویں، اور رشتہ داروں کے پاس جا کر ملاقات کرے، اور ان سے دعا کی درخواست کرے، اور اس کے لیے حج کے لئے جانے والا خود جاوے۔ اگر اس طرح نہ کیا جاوے تو حج تو ادا ہو جائے گا، مگر حج کے آداب کے خلاف ہوگا۔

" ویودع اھله واخوانه ویستحلھم ویطلب دعائھم ویأتیھم لذلک وھم یاتونه اذا قدم " . (عالمگیری: ۱/ ۲۳۴، آداب الحج، فتح القدیر: ۲/ ۲۱۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳/۲۲/ ۱۹۷۰ء

(۱۳۸۵) معافی تلافی کے بغیر حج کے لیے چلا گیا:

سوال: ایک شخص حج کے لیے گیا، مگر خاندان میں اختلافات کی بنا پر کچھ رشتہ داروں سے ملاقات نہیں کی تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حج کے سفر کے آداب میں سے یہ ہے کہ حج کے لیے روانہ ہونے سے قبل حقوق العباد مثلاً قرض وغیرہ ہو تو ادا کر دیا جاوے، کسی کا ناحق مال لیا ہو تو واپس کر دیا جاوے، عبادت میں جو کچھ سستی ہوئی ہو اس پر شرمندہ ہو کر ادا کرتا رہے، اپنے اہل وعیال اور رشتہ دار اور جن کے ساتھ اختلاف ہو ان کے پاس جا کر ملاقات کرے، دعا کی درخواست کرے، اور اس کے لیے حج میں جانے والے کو خود ان کے پاس جانا چاہیے، اگر اس طرح نہ کیا جاوے تو حج تو ادا ہو جاوے گا، مگر حج کے آداب کے خلاف ہوگا۔

" ویودع اھله واخوانه ویستحلھم ویطلب دعائھم ویأتیھم لذلک وھم یاتونه اذا قدم " . (عالمگیری: ۱/ ۲۳۴، آداب الحج، فتح القدیر: ۲/ ۲۱۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

متبرک مقاما ت اور متبرک چیزوں کا بیان

(۱۳۸۶)رکن یمانی کا استلام:

سوال: رکن یمانی کا استلام کرنا اور بوسہ دینا ایک کتاب میں پڑھا گیا، دوسری کتاب میں بدعت لکھا ہے، تو دونوں میں صحیح کیا ہے؟

جواب: استلام کا معنی حجر اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ سے چھونا، ''منجد'' میں ہے: پتھر کو ہاتھ سے چھونا، یا منھ سے چومنا۔

" استلم الحجر: مسحه بالكف ، قبّله فتقول : استلمت يده اذا مسحتها او قبّلتها ". (المنجد)

طواف کے وقت حجرِ اسود جس جگہ پر ہے اس کو دوگنی فضیلت حاصل ہے، بناءِ ابراہیمی پر ہونا، اور اس وقت حجر اسود کا موجود ہونا، اور ان دونوں فضیلتوں کی بنا پر حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور ہاتھ سے چھونے کا حکم ہے، رکن یمانی کو بناءِ ابراہیمی پر ہونے کی صرف ایک فضیلت حاصل ہے، اس بنا پر طواف کے وقت صرف ہاتھ لگانے کا حکم ہے بوسہ دینے کا حکم نہیں۔

" واستلام الحجر لمسه اما باليد او بالقبلة او بهما ، واما استلام اليماني فباليد على الصحيح عن مذهبنا ، قال العسقلاني فى البيت اربعة اركان الاول فضيلتان ؛ كون الحجر الاسود فيه وكونه على قواعد ابراهيم عليه السلام ، والثانى كونه على قواعد ابراهيم فقط ، ولذلك يقبل الاول ويستلم الثانى واستحب بعضهم تقبيل الركن اليمانى ، وهو قول محمد من اصحابنا قياسا على الركن ". (مرقاة المفاتيح :۲۰۶/۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۷/ذی الحجہ/ ۱۴۰۶ھ

(۱۳۸۷) زمزم کا پانی پکانے میں استعمال کرنا:

سوال: کیا زمزم کا پانی کھانا پکانے میں استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب: استعمال کرنا جائز ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۸۸) احرام کی چادروں کو زمزم میں بھگا کر کفن کے لیے رکھنا، یا اپنی زندگی میں اس کپڑے کو پہنے یا کسی کو دیدے؟

سوال: حج کے احرام کی چادروں کو زمزم کے پانی میں بھگا کر کفن کے لیے رکھنا کیسا ہے؟ یا اپنی زندگی میں اس کپڑے کو پہنے یا کسی کو دیدے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: کفن میں سفید ہونا اور جو کپڑے پہن کر اپنی زندگی میں نماز پڑھتا ہو، اس کپڑے میں کفن دینا فقہاء نے مستحب لکھا ہے، احرام کی چادروں میں بھی حج کے درمیان نماز پڑھی ہے، اور حج ادا ہو گیا ہے تو اب اس کپڑے کو کفن میں استعمال کرنا درست ہے، اور برکت کے لیے کفن میں استعمال کرے تو کوئی حرج نہیں، عام مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے، اور زمزم میں بھگوئے ہوئے کپڑے کو کفن میں بَرَکۃً استعمال کرنا تفسیر ''روح البیان'' میں جائز لکھا ہے، اور میت کو اس سے فائدہ پہنچنے کی امید ہے جو کہ قبر میں کام آنے والی پونجی اور نیک عمل ہے، زندگی میں خود پہنے یا دوسرے کو پہننے کے لیے دے یہ بھی درست ہے۔

'' احبه البياض او كان يصلى فيها ''. (شامی: ۱/۹۰۴، شرح شرعة الاسلام: ۵۶۱)

'' ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به''. (روح البیان: ۳/۷۹۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۶/نومبر/ ۱۹۹۳ء

(۱۳۸۹) زمزم کے پانی سے غسل جنابت اور وضو کرنا:

سوال: زمزم کے پانی سے وضو اور غسل جنابت کرنا جائز ہے؟

جواب: زمزم کے پانی سے جنابت کا غسل کرنا اور کپڑے اور بدن سے ناپا کی دور کرنا جائز نہیں، بلکہ بعض علماء نے زمزم سے ناپا کی دھونے کو حرام کہا ہے، البتہ اگر جنبی نہ ہو تو برکۃً غسل کرنا جائز ہے، کہ جب تک مکہ معظّمہ میں رہے تو زمزم کا پانی پینا اور غسل و وضو کرنا مستحب ہے، محدثِ حدثِ اصغر (بے وضو) کے لیے بھی زمزم سے وضو درست ہے۔

" **ویکره الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال (یکره) و کذا ازالة النجاسة الحقیقیة من ثوبه وبدنه حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک** ". (شامی: ۳۵۲/۲)

" **وفی الانوار عن شرح الخرشی مما یستحب لکل مَن بمکة ان یکثر من شرب ماء زمزم ویتوضأ ویغتسل له ما قام بمکة** " .

(اوجز المسالک: ۲۲۵/۳، معلم الحجاج: ۳۰۳)

" **وماء زمزم بلا کراهة ان نفی الکراهة خاص فی رفع الحدث بخلاف الخبث** ". (در مختار مع الشامی: ۱۶۲/۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۶/اگست/ ۱۹۷۰ء

(۱۳۹۰) زمزم کے پانی سے وضو اور غسل کرنا:

سوال: زمزم کے پانی سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے؟

جواب: زمزم کے پانی سے جنابت کا غسل کرنا اور ناپاک کپڑے دھونا اور بدن سے ناپا کی دور کرنا جائز نہیں، بعض علماء نے تو زمزم کے پانی کو استعمال کرنا مکروہِ تحریمی کہا ہے، البتہ برکۃً زمزم کے پانی

سے غسل کرنا بلکہ جب تک مکہ میں رہے زمزم کا پانی پینا اور برکۃً وضوکرنا اور برکۃً بدن پر ڈالنا مستحب ہے۔

بے وضو شخص کو زمزم کے پانی سے وضو کرنا درست ہے۔

زمزم کے کنویں کے چاروں طرف کی زمین مسجد کا حصہ ہے، لہٰذا وہاں تھوکنا، ناک صاف کرنا، جنابت کی حالت میں آنا جائز نہیں، اور یہ حصہ مسجد میں داخل ہے، لہٰذا اس جگہ پر بے وضو شخص کو وضو کرنا جائز نہیں، برکۃً جسم پر پانی ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔ (معلم الحجاج:۳۰۳،۳۰۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

حج کے احکام

(۱۳۹۱) احصار کا حکم:

سوال: میں اور میرے دوسرے دوساتھی اور ایک بھائی اس کی بیوی کے ساتھ، حج بیت اللہ کے سفر کی غرض سے، بمبئی ایئرپورٹ پر ۲۶/۶/ ۱۹۹۰ء کو پہنچے، تو بھائی کی بیوی کی ٹکٹ میں اصل نام میں فرق کی بنا پر کسٹم آفیسر نے اس کو قبول نہیں کیا، حاجیوں کے روانہ ہونے کا آخری دن تھا، اور وہ آخری دن اور دوسرے دن دوسرے ہوائی جہاز میں جانے کے لیے بہت کوشش کی، لیکن کامیابی نہیں ملی، ہوائی جہاز سے جانے والوں کو بمبئی سے احرام باندھنا ہوتا ہے، لہٰذا ہم نے احرام باندھ لیا اور نیت بھی کر لی، مجبوراً احرام کھولنا پڑا، تو دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱) میں نے اور میرے ساتھیوں نے احرام کھول دیا، تو کیا اس پر کوئی حکم آتا ہے؟

(۲) یہ میرا دوسرا حج تھا، جب کہ میرے ساتھیوں کا پہلا حج تھا، تو میرے ساتھیوں کے لیے اور میرے لیے کیا حکم لازم ہوتا ہے؟

(۳) اگر میرے یا میرے ساتھیوں کے لیے حالات موافق نہ ہوں، دوبارہ حج میں نہ جا سکیں، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) میرا جو بھائی یو کے (U.K) میں ہے، اس نے یہ کہا تھا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لیے حج میں جانا ہے، تو مجھے کیسا حج ادا کرنا چاہئے؟ اس کے متعلق شریعت کا کوئی حکم لازم ہے؟

جواب: (۱) احرام صحیح ہونے کے لیے حج یا عمرہ کی نیت اور تلبیہ پڑھنا ضروری ہے۔

" مطلب فیما یصیر به محرما ...... أنه یصیر شارعا بالتلبیة بشرط النیة " .

(شامی: ۲/ ۴۸۴، مکتبہ سعید)

" وإذا لبّٰی ناویاً فقد أحرم " . (شرح الوقایہ: ۱/ ۲۵۸)

احرام کے لیے نیت اور تلبیہ دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ (معلم الحجاج:۱۰۰)

لہٰذا ممبئی سے احرام باندھتے وقت نیت اور تلبیہ پڑھ لیا ہو، تو آپ کا احرام صحیح ہو گیا، اور احرام صحیح ہونے کے بعد حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھا ہو اس کو ادا کرنا ضروری ہے، کسٹم آفیسر نے آپ کو جانے کے لیے منع نہ کیا ہو، تو آپ جاسکتے تھے، مگر ساتھیوں کی بنا پر آپ نہیں گئے، تو آپ کے لیے حکم یہ ہے کہ آئندہ سال حج کی قضا اور عمرہ ضروری ہے، اور موجودہ سال احرام باندھ کر حج ادا کیے بغیر احرام کھول دیا، تو دمِ جنایت یعنی قربانی بھی لازم ہے، اور اس قربانی کا گوشت آپ کے لیے اور مالداروں کے لیے کھانا جائز نہیں، فقیروں کو دیدیا جائے۔

" وفي رفض الحج قضاء ہ وعمرة " .

(الفتاوی الھندیة: ۱/۲۵۴، الباب الحادی عشر فی اضافة الاحرام)

" وفي رفض الحج قضاء ہ وعمرة لانه فی معنی فائت الحج " .

(ہدایہ:۱/۲۷۰)

" وإن احرم بحجة يصير جامعا وعليه قضائها لصحة الشروع فيها ودم لرفضها بالتحليل قبل اوانها " . (ہدایہ:۱/۲۷۲)

" لا يمكن الخروج من عهدة الاحرام إلا بالأفعال " . (شرح وقایه: ۱/۲۷۳)

جس حج کا احرام ترک ہوا ہے، آئندہ سال اس کی قضا اور ایک عمرہ اور ایک دم اس کے ترک کی وجہ سے واجب ہوگا۔ (معلم الحجاج:۲۶۷)

(۲) احرام باندھ لینے کے بعد جن لوگوں کو حج کے لیے کسٹم آفیسر کی طرف سے جانے نہیں دیا گیا، ان کا حکم یہ تھا کہ قربانی ہو سکے، اتنے روپئے کسی کے ساتھ حرم میں قربانی کے لیے بھیج دیں، اور وہاں قربانی کے لیے (قربانی کے ایام ۱۰/۱۱/۱۲/ کے علاوہ بھی قربانی ہو سکتی ہے) دن، تاریخ اور وقت متعین کر دیا جائے، اور متعینہ وقت گزرنے کے بعد احرام کھول سکتے ہیں، حرم میں قربانی ذبح ہونے سے پہلے احرام کھولنا جائز نہیں، لہٰذا جن کو حج کے لیے جانے نہیں دیا گیا، انہوں نے حج کی

نیت کر لی ہو تو آئندہ سال حج کی قضا اور عمرہ کرنا ضروری ہے، اگر صرف عمرہ کی نیت کی ہو تو صرف عمرہ کی قضا ضروری ہے۔

جن کو جانے نہیں دیا گیا تھا ان کو اب بھی حرم میں قربانی کرنا ضروری ہے، اور اس درمیان احرام کے خلاف جتنے کام ہوئے ہوں اتنے کفارے لازم ہوں گے، اگر وقت مقررہ سے پہلے حلال ہو گیا تو جنایت کا کفارہ واجب ہوگا، اگر جنایت مکرر ہوگی تو کفارہ بھی مکرر ہوگا۔ (معلم الحجاج:۲۷۴)

(۳) آپ کی حج نفل تھی اور ساتھیوں کی حج فرض تھی، دونوں کے لیے یہی حکم ہے کہ آئندہ سال حج کی قضا کرنا پڑے گی، آپ کو نفل کی قضا اور ساتھیوں کو فرض کی قضا کرنی پڑے گی۔

"(و) يجب (عليه إن حل من حجه) ولو نفلا (حجة) بالشروع ...... أى بسبب شروعه فيها . وفيه أن هذا إنما يظهر في النفل ، أما الفرض فهو واجب القضاء بالأمر لا بالشروع". (شامی: ۲/ ۵۹۲ ، مکتبه سعید)

"المحصر من أحرم ثم منع ...... (وأما حكم الاحصار) فهو أن يبعث بالهدى أو بثمنه ليشترى به هديا ويذبح عنه وما لم يذبح لا يحل ، وهو قول عامة العلماء ...... ولا يحل قبله (اى قبل الذبح) حتى لو فعل شيئًا من محظورات الاحرام قبل ذبح الهدى يجب عليه ما يجب على المحرم اذا لم يكن محصرا ...... ثم إذا تحلل المحصر بالهدى وكان مفردا بالحج فعليه حجة وعمرة من قابل ، وان كان مفردا بالعمرة فعليه عمرة مكانها". (الفتاوی الہندیہ:۱/۲۵۵)

"من احصر فعليه ان يبعث يهدى ويضع يوما يذبح فيه فيحل في ذلك اليوم لقوله تعالىٰ : ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ولا يجوز له التحلل حتى يذبح الهدى فى الحرم لقوله تعالى : ﴿ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله﴾ ويجوز ذبح الهدى في اى وقت شاء الا عند الإمام محمد في الاحرام بالحج فانه يقيده بيوم النحر . وان لم يجد الهدى يبقى محرما ثم

المحصر بالعمرة ان تحلل يجب عليه قضاء العمرة ، لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه قضوا عمرة الحديبية والمحصر بالحج إن تحلل يجب عليه حج وعمرة ، لان فائت الحج حكما هكذا ، وان نوى وقت الاحرام حجة الاسلام فلا ينوى الا حجة الاسلام وليس عليه تعيين الحج انه ذلك الحج الفائت لان حجة الإسلام كما كانت عليه قبل كذلك الآن " .

(رسائل الارکان از بحرالعلوم عبدالعلی:۲۷۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۷۱/۷/ ۱۹۹۰ء

(۱۳۹۲) حج کے ایک دن قبل عورت کو حیض آ جائے:

سوال: حج کے ایک دن قبل عورت کو حیض آ گیا تو وہ کیا کرے؟

جواب: حج کے ایک دن قبل عورت کو حیض آ جائے تو وہ غسل کرے اور احرام کی نیت کر لے، اور حج کے تمام ارکان ادا کرتی رہے، صرف طواف زیارت حالت حیض میں ادا نہ کرے، پاک ہو کر غسل کرنے کے بعد طواف زیارت کر لے، ایسی حالت میں بارہویں ذی الحجہ کے بعد بھی طواف زیارت کرے گی، تو دم لازم نہ ہوگا۔ (عمدۃ الفقہ: ۵۲۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۹۳) احرام باندھنے کے بعد حیض آ جاوے تو کیا احرام کھول دے؟

سوال: اگر عورت کو احرام باندھنے کے بعد حیض آ جاوے تو احرام کھول دیوے یا کیا کرے؟

جواب: احرام میں مرد کو بغیر سلی ہوئی دو چادریں پہننی چاہیے، مگر بے پردگی نہ ہو، اس وجہ سے عورتیں احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے۔ (فتاویٰ عثمانی)

اگر احرام باندھنے کے بعد یا پہلے عورت کو حیض آجاوے، تو احرام کھولنے کی ضرورت نہیں، حیض کی حالت میں حج کے تمام ارکان ادا کرے صرف طواف نہ کرے۔ (معلم الحجاج:۱۲۴)

”و إذا حاضت المرأة عند الإحرام اغتسلت وأحرمت وصنعت كما يصنعه الحاج غير انما لا تطوف بالبيت حتى تطهر لحديث عائشة“.

(هدايه: ۱/۲۴۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۹۴) طواف کی حالت میں حیض کا آجانا:

سوال: ایک عورت طواف کر رہی تھی کہ دم حیض آگیا، تو باقی طواف کرے یا نہ کرے؟ اگر کرنا لازم ہے تو کب کرے؟

جواب: عورت کو طواف کی حالت میں حیض آجائے، تو طواف چھوڑ دے پاک ہوکر، غسل کے بعد طواف کرلے، اگر حیض آنے سے پہلے طواف زیارت کرسکتی تھی، پھر بھی عمداً تاخیر کی اور دمِ حیض آگیا تو دم واجب نہ ہوگا۔ (عمدۃ الفقہ :۵۲۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۰/اپریل/ ۱۹۹۳ء

(۱۳۹۵) طوافِ زیارت کے وقت حیض آجاوے؟

سوال: اگر طواف زیارت کرتے وقت کسی عورت کو حیض آجاوے، تو وہ کیا کرے؟

جواب: طوافِ زیارت کے وقت حیض آجاوے، یا نفاس کا خون جاری ہو، تو ۱۲/ویں ذی الحجہ کے بعد بھی طواف کرے اور تاخیر کی بنا پر دم واجب ہوگا۔ (فتاوی عثمانی) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۹۶) عدتِ وفات میں حج کی ادائیگی؟

سوال: ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ حج کے لیے گئی، مکہ پہنچنے کے بعد حج کے قبل ہی شوہر کا انتقال ہوگیا، تو کیا عورت عدت وفات میں حج ادا کرسکتی ہے؟

جواب: جو عورت طلاق یا وفات کی عدت گذار رہی ہو، تو اسے سخت ضرورت کے بغیر گھر سے نکلنا جائز نہیں؛ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلاَ تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلاَ يَخْرُجْنَ﴾ . (سورۂ طلاق: آیت ۱)

یعنی عدت کے درمیان عورت کو گھر سے نہ نکالو اور عورت خود بھی نہ نکلے۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ عدت کی حالت میں عورت کو حج میں جانا اس وقت جائز نہیں کہ عورت اپنے گھر سے ابھی روانہ نہ ہوئی ہو، مگر مذکورہ صورت میں مکۃ المکرّمہ پہنچ کر شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، اور عدت کی حالت میں عورت کا مکۃ المکرّمہ میں اکیلی رہنا بھی مشکل ہے، اور وہاں عدت پوری کرنا بھی مشکل ہے، لہٰذا معتمد عورتوں کے ساتھ حج کے ارکان ادا کر لینے چاہیے۔

" والعبرة بوجوبها العدة المانعة من سفرها وقت خروج أهل بلدها ".

(شامی: ۲/ ۲۰۰)

یعنی کہ عدت حج میں جانے سے مانع اس وقت بنتی ہے؛ جب کہ عورت اپنے گھر سے حج کے لیے نہ نکلی ہو۔ مذکورہ صورت میں تو عورت حج کے لیے روانہ ہو کر مکۃ المکرّمہ پہنچ چکی ہے، اور وہاں شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، لہٰذا حج کر لینا بہتر ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۹۷) ایام حج کے ختم ہونے سے ایک دن پہلے عورت کو حیض آ گیا:

سوال: ایام حج کے ختم ہونے سے ایک دن پہلے حیض آ گیا، تو عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: ایام حج میں حیض آ جاوے تو عورت حج کے تمام ارکان ادا کرسکتی ہے، سوائے طواف کے، پاک ہونے کے بعد طواف کرلے۔

" غير أنها لا تطوف بالبيت حتى تطهر ". (هدايه: ۳۴۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

میقات کا بیان

(۱۳۹۸) حاجی احرام کہاں سے باندھے؟

سوال: احرام کہاں سے باندھنا چاہیے؟

جواب: احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز سے جانے والے حاجی جہاز میں سوار ہوتے وقت، احرام باندھ کر نیت کرلیں، اگر بغیر احرام کے ہوائی جہاز سے جدہ پہنچ گیا تو دم واجب ہوگا، اور گنہگار بھی ہوگا، اور حج ناقص ہوگا۔ (جواہر الفقہ :۱/۴۳۷) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۳۹۹) احرام گھر سے پہنے یا جدہ پہنچ کر؟

سوال: احرام گھر سے باندھنا چاہیے یا جدہ پہنچ کر؟

جواب: احرام کی حدود کی برابر رعایت کرسکتا ہو، تو گھر سے احرام باندھنا افضل ہے، ورنہ میقات سے احرام باندھے۔

" فإن قدم الاحرام علی هذه المواقیت جائز . وعن أبي حنیفة انما یکون افضل اذا کان یمکن نفسه عن لا یقع فی محظور " . (ہدایہ:۲۱۴) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۰۰) احرام سوتی کپڑے کا ہونا چاہیے یا سلکی کپڑے کا؟

سوال: احرام سوتی کپڑے کا ہونا چاہیے یا سلکی کپڑے کا؟

جواب: احرام کے لیے بغیر سلے ہوئے دو کپڑے ہونے چاہییں، نئے ہوں یا پرانے، مگر پاک اور صاف ہونا چاہیے، کاٹن یا سلکی ہر قسم کا کپڑا چل سکتا ہے۔

" ولبس ثوبین جدیدین او زملین ازاراً وردائاً " . (ہدایہ:۲۱۶) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۰۱) مکی آدمی میقات سے باہر جائے پھر دوبارہ مکہ میں آئے؟

سوال: میں مکۃ المکرّمہ میں مقیم ہوں، کام کے لیے آیا ہوں، بہت سی مرتبہ کام کے لیے جدہ جانا پڑتا ہے، تو جدہ سے مکہ واپس جاتے وقت احرام باندھنا ضروری ہوگا؟ مکی لوگ بغیر احرام کے واپس جاتے ہیں، اگر مجھے عمرہ کرنا ہو تو جدہ جا کر احرام باندھ کر عمرہ کرسکتا ہوں؟

جواب: شریعت کا حکم یہ ہے کہ مکہ میں رہنے والا چاہے وہ مکی ہو، باہر سے کام کے لیے آیا ہو؛ مکۃ المکرّمہ سے میقات تک آئے، مگر میقات سے باہر نہ جائے، تو بغیر احرام کے مکۃ المکرّمہ میں داخل ہوسکتا ہے، اگر میقات سے باہر نکل جائے تو احرام باندھ کر جانا اور عمرہ کرنا ضروری ہے۔
(فتح القدیر:۲/۱۳۳)

اگر آپ کو عمرہ کرنا ہو تو مکی کی طرح میقات سے باہر احرام باندھ کر عمرہ ادا کرے۔

(ہدایہ:۱/۲۱۶) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۰۲) حل کسے کہتے ہیں؟ جدہ میں رہنے والا احرام کہاں سے پہنے؟

سوال: حل کسے کہتے ہیں؟ اور جدہ والوں کا میقات کونسا ہے؟ وہ کہاں سے احرام باندھیں؟

جواب: حرم کی چاروں طرف حدود حرم سے باہر کی جگہ سے لیکر میقات تک حل کہا جاتا ہے، وہاں کے رہنے والے کو حلی کہتے ہیں۔ (معلم الحجاج:۹۰، فتاوی عثمانی:۳۶)

جدہ میں رہنے والے جدہ سے احرام باندھ سکتے ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ پاکستان نے جدہ کو میقات شمار کیا ہے۔ (جواہر الفقہ :۱/۴۸۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۰۳) میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کر جائے:

سوال: میں ملازمت کے لیے مکۃ المکرّمہ گیا، مگر کمپنی والے جدہ سے بغیر احرام کے مکۃ المکرّمہ لے گئے، تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: جس کا مکۃ المکرّمہ جانے کا ارادہ ہو، چاہے ملازمت کے لیے یا کسی اور کام کے لیے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر حج یا عمرہ کر لے، لہٰذا بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کر گیا تو دم لازم ہے۔ فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۰۴) ملازمت کے لیے مکۃ المکرّمہ جائے، تو کیا احرام باندھنا ضروری ہے؟

سوال: حرم شریف میں ملازمت یا تجارت کے لیے جو لوگ جاتے ہیں، تو کیا انہیں میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص احرام نہ باندھے تو کیا اس پر دم واجب ہے؟

جواب: حرم سے باہر رہنے والا مکۃ المکرّمہ جانے کا ارادہ کرے، تو احرام باندھ کر جانا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لازم ہے، اگر بغیر احرام کے جائے گا تو دم واجب ہوگا، مکۃ المکرّمہ جانے میں حج کی نیت ہو یا عمرہ کی، یا ملازت یا تجارت کی؛ ہر صورت میں احرام باندھ کر جانا چاہیے، اور حج یا کم سے کم عمرہ ادا کر کے اپنے کام میں مشغول ہو۔

" الأفاقي اذا انتهى اليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو لم يقصد عندنا ". (ہدایہ:۱/۲۱۴)

" ان الاحرام بعد ما انعقد صحيحا لا طريق للخروج عنه إلا بأداء أحد النُسُكين ". (ہدایہ:۲۷۵) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۰۵) کیا مدینۃ المنورہ سے مکہ واپسی پر احرام باندھنا ضروری ہے؟

سوال: جو لوگ حج سے پہلے عمرہ ادا کر کے مدینہ منورہ جاتے ہیں، تو کیا ان کے لیے واپسی کے وقت احرام باندھنا ضروری ہے؟

جواب: مدینۃ المنورہ سے واپسی کے وقت ذوالحلیفہ (بئر علی) پر پہنچے، تو احرام باندھنا ضروری ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۰۶) مکی آدمی مدینۃ المنورہ جائے تو واپسی میں وہ احرام باندھے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص مکۃ المکرّمہ میں ملازمت کرتا ہے، وہ مدینۃ المنورہ زیارت کے لیے جائے، پھر مکۃ المکرّمہ واپس آئے تو احرام باندھ کر آنا ضروری ہے یا بغیر احرام کے آ سکتا ہے؟

جواب: مکی آدمی جب مکۃ المکرّمہ سے باہر نکل جائے، تو واپسی کے وقت میقات سے احرام باندھ کر آنا ضروری ہے، اور حج یا کم سے کم عمرہ ادا کرنا ضروری ہے، لہٰذا مکۃ المکرّمہ میں ملازمت کرنے والا شخص جب مدینۃ المنورہ جائے، تو مکۃ المکرّمہ واپسی کے وقت ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر داخل ہونا ضروری ہے۔

"المكي إذا خرج من مكة لحاجة فبلغ الوقت ولم يجاوزه له ان يدخل مكة راجعا بغير احرام فإن جاوز الوقت لم يكن له ان يدخل مكة إلا بإحرام".

(فتح القدیر:۲/۱۳۳، ردالمحتار:۲/۲۱۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۰۷) گھر سے احرام نہ پہنا تو جدہ سے پہن سکتا ہے؟

سوال: جدہ سے احرام پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حج اور عمرہ کے لیے مکۃ المکرّمہ جانے والے کے لیے احرام پہننے کی شریعت نے حد مقرر کی ہے، جو اس حد پر پہنچے وہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے، جس کو میقات کہا جاتا ہے، بغیر احرام وہاں سے گذر گیا تو دم لازم ہوتا ہے۔

ہندوستان کا میقات یَلَمْلَمُ ہے، عامۃً علماء یَلَمْلَمُ سے احرام پہننا ضروری کہتے ہیں، وہاں سے بغیر احرام کے گذر گیا تو دم لازم کہتے ہیں جو کہ بعض علماء کا کہنا ہے، آج کل ہندوستان سے مکۃ المکرّمہ جانے میں یَلَمْلَمُ یا اس کی برابری سے سفر ہوتا نہیں، لہٰذا جدہ سے احرام پہننے میں گنجائش ہے، مگر احتیاط اسی میں ہے کہ یَلَمْلَم سے احرام پہننا جائے۔ (جواہر الفقہ) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۰۸) احرام کی حالت میں جو افعال منع ہیں:

سوال: احرام کی حالت میں کونسے افعال منع ہیں؟

جواب: احرام کی حالت میں جماع کرنا، بیوی کو بوسہ دینا، شہوت سے چھونا، لڑائی جھگڑا کرنا، اور کوئی بھی گناہ کا کام کرنا، مرد کو سلے ہوئے کپڑے پہننا، سر اور منہ ڈھانکنا یہ سب منع ہے، (البتہ عورت سر ڈھانکے رکھے) خوشبو استعمال کرنا، جسم کے کسی بھی حصہ کے بال کاٹنا، ناخن کاٹنا، شکار کرنا، یا شکار کرنے والے کی کسی بھی قسم کی مدد کرنا، بدن یا کپڑے سے جوں مارنا، یہ سب احرام کی حالت میں منع ہیں۔

عورت کو احرام کی حالت میں منہ پر کپڑا اڈالنا منع ہے، اور اجنبی مرد کے سامنے بغیر پردے کے آنا یہ بھی جائز نہیں، لہٰذا منہ پر کوئی ایسی چیز لگا کر کپڑا اڈالنا چاہیے کہ کپڑا منہ کے ساتھ نہ لگے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۰۹) حِلّی جمعہ کی نماز کے لیے بغیر احرام کے مکہ جا سکتا ہے؟

سوال: حِل کا رہنے والا بغیر احرام کے مکۃ المکرّمہ جا سکتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ احرام پہن کر جانا ضروری ہے، اور طواف کے بعد اپنے کام میں مشغول ہو سکتا ہے؟ جب کہ بعض کا کہنا ہے کہ

بغیر احرام کے بھی جا سکتا ہے، اور بہت سے لوگ سلے ہوئے کپڑے پہن کر مکۃ المکرّمہ جاتے ہیں، تو اصل مسئلہ کیا ہے؟

جواب: میقات سے اندر رہنے والے کو بغیر احرام کے مکۃ المکرّمہ میں داخل ہونا جائز ہے، البتہ میقات سے باہر رہنے والے کے لیے مکۃ المکرّمہ میں بغیر احرام کے جانا جائز نہیں، آپ جس جگہ رہتے ہو اگر وہ جگہ میقات کے اندر ہے، تو مکۃ المکرّمہ میں بغیر احرام کے جانا اور مسجد حرام میں سلے ہوئے کپڑے پہن کر جمعہ کے لیے جانا جائز ہے۔

" ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجة ".

(هدايه : ۲۱۴) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۱۰) حائضہ عورت کا احرام:

سوال: حیض کی حالت میں عورت کس طرح احرام باندھے؟

جواب: اگر عورت کو احرام کے وقت حیض آئے، تو غسل کر کے احرام باندھے اور طواف زیارت کے علاوہ حج کے تمام ارکان ادا کرے۔ (ہدایہ)

طواف زیارت کے وقت حیض یا نفاس آئے، تو بارہویں ذی الحجہ کے بعد بھی طواف کر سکتی ہے، عذر کی بنا پر تاخیر ہونے سے دم واجب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ عثمانی) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۱۱) مرد اور عورت کے لیے احرام باندھنے کا سنت طریقہ:

سوال: مرد و عورت کس طرح احرام باندھے؟ مسنون طریقہ کیا ہے؟

جواب: احرام کا سنت طریقہ یہ ہے کہ مرد احرام کی دو چادر پہن کر، سر پر کپڑا رکھ کر، دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کے بعد سر پر سے کپڑا ہٹا لے، اگر حج ادا کرنا ہو تو حج، اور اگر عمرہ ادا کرنا ہو تو عمرہ، یا حج

وعمرہ دونوں ادا کرنا ہو تو ان کی نیت کرے، اس کے بعد تلبیہ پڑھے، تلبیہ پڑھنے سے محرم ہو جائے گا۔

عورت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہنے، عورت کو احرام کی حالت میں سر ڈھانکنا لازم ہے، اس لیے کہ سر ستر میں داخل ہے، لہٰذا احرام کی حالت میں سر کھلا نہ رکھے، عورت کو احرام کی حالت میں چہرہ پر کپڑا لگانا منع ہے، کپڑا چہرہ سے الگ رکھے، مگر غیر محرم سے بے پردہ رہنا بھی منع ہے، لہٰذا لکڑی سے بنی ہوئی کوئی چیز یا پلاسٹک کی ٹوپی (Hat) اور اس پر کپڑا اڈال دے، تو یہ درست ہے، اس طرح کرنے سے چہرہ بھی کھلا نہ رہے گا اور کپڑا بھی چہرہ پر نہیں لگے گا۔ فقط

(ہدایہ: ۱/۲۱۶، معلم الحجاج: ۱۱۰)

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۱۲) نفل طواف میں احرام:

سوال: کیا نفل طواف میں احرام پہننا ضروری ہے؟

جواب: حج اور عمرہ کے علاوہ نفل طواف کے لیے احرام پہننا ضروری نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹/ ۵/ ۱۹۹۳ء

(۱۴۱۳) احرام کی حالت میں غسل کی حاجت ہو جاوے تو کیا کرے؟

سوال: احرام کی حالت میں غسل کی حاجت ہو جاوے، تو وہی کپڑا دھو کر پہننا چاہیے، یا دوسرا پہن سکتے ہیں؟

جواب: کم سے کم دو احرام رکھنے چاہیے، تا کہ ایک ناپاک ہو جاوے یا میلا ہو جاوے، تو بدل سکے، لہٰذا احرام ناپاک ہو جاوے تو غسل کر کے دوسرا احرام پہننا درست ہے، وہی احرام دھو کر پہننا ضروری نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۱۴) احرام کے کپڑے پر چپکانے کے لیے پٹی لگانا:

سوال: آج کل ایسی پٹی ملتی ہے، جس کو کپڑے پر سل دی جاوے تو وہ حصہ کپڑے کے دوسرے حصہ کے ساتھ چپک جاتا ہے، جیسے کپڑا ابٹن لگانے سے بند ہو جاتا ہے، تو اگر محرم تہہ بند کے نیچے مذکورہ پٹی لگالے جس سے ستر نہ کھلے تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: مرد کو احرام میں بغیر سلی ہوئی دو چادریں پہننا ہوتی ہے، لہٰذا تہہ بند کو پٹی لگانے سے سلی ہوئی کی طرح ہو جائے گی لہٰذا درست نہیں۔

معلم الحجاج میں ہے: ''جو کپڑا بدن کی ہیئت پر سلا ہوا ہو اس کا پہننا جائز نہیں''۔

(معلم الحجاج: ۱۰۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

حج قِران و حج تمتُّع

(۱۴۱۵) حج کی قسمیں:

سوال: حج کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: احرام کے اعتبار سے حج کی تین قسمیں ہیں:

(۱) افراد (۲) قِران (۳) تمتع۔

(۱) افراد کرنے والے کو مفرِد کہتے ہیں، وہ شخص جس نے حج کے مہینوں میں صرف حج کی نیت سے احرام باندھا ہو۔ مفرد مکۃ المکرّمہ پہنچ کر سب سے پہلے طواف قدوم کرے، اس کے بعد مکۃ المکرّمہ میں احرام کی حالت میں نفل طواف جتنے چاہے کرسکتا ہے، عمرہ نہ کرے، اسی احرام سے حج ادا کرے، حج سے فارغ ہوکر ۱۰ ارویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کر کے حلق کرے، اور احرام سے حلال ہوجاوے، یہ حج افراد ادا ہوگیا، مفرِد بالحج پر حج کی قربانی واجب نہیں البتہ مستحب ہے۔

(۲) قِران جس کا معنی دو چیزوں کو ملانا ہے۔ قِران کرنے والے کو قارِن کہتے ہیں۔ قارن اس کو کہتے ہیں جس نے میقات سے حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا ہو۔ قارن مکۃ المکرّمہ پہنچ کر سب سے پہلے عمرہ ادا کرے، یعنی طواف اور صفا و مروہ کی سعی کرے، حلق نہ کرے، اس کے بعد جتنا جلدی ہوسکے طوافِ قدوم کرے، احرام کی حالت میں رہے، حج ادا کر کے ۱۰ ارویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کر کے قربانی کرے، اس کے بعد حلق کرے اور احرام سے حلال ہوجاوے۔

نوٹ: قارن ؛ (۱) جمرۂ عقبہ کی رمی کرے (۲) قربانی کرے (۳) حلق کرے۔ یہ تینوں کام بالترتیب کرنا واجب ہے، یعنی پہلے رمی پھر قربانی اور پھر حلق۔ تقدیم و تاخیر سے دم واجب ہوگا۔

نوٹ: طوافِ زیارت میں ترتیب واجب نہیں، مذکورہ تینوں افعال سے پہلے یا بعد میں یا درمیان میں طوافِ زیارت کرنا مسنون ہے۔ (معلم الحجاج)

(۳) تمتع جس کا معنی فائدہ اٹھانا ہے، متمتع اس کو کہتے ہیں کہ میقات سے حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کا احرام باندھے، عمرہ کر کے حلق کر لے اور احرام سے حلال ہو جاوے، اس کے بعد ۷/ویں یا ۸/ویں ذی الحجہ کو حرم سے ہی حج کا احرام باندھے اور حج ادا کرے، متمتع عمرہ اور حج دونوں کے لیے الگ الگ احرام باندھے اور عمرہ اور حج ادا کرے۔ (ہدایہ شامی وغیرہ)

متمتع پر طوافِ قدوم واجب نہیں، عمرہ ادا کرنے کی بعد جتنے چاہے نفل طواف کرے۔

(معلم الحجاج: ۲۳۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۱۶) متمتع پر دمِ شکر کی تاخیر کی بنا پر دم واجب ہوگا:

سوال: ایک شخص حج کے لیے گیا، اس نے فرض حج ادا کر لیا تھا، یہ اس کا نفل حج تھا اور تمتع کی نیت کی اور گھر پر قربانی کی ہے، تو یہ دمِ تمتع کے قائم مقام ہوگی؟ یا تمتع کی قربانی منی میں کرنا ضروری ہے؟

جواب: حج فرض ہو یا نفل؛ تمتع کرنے سے دمِ شکر واجب ہے، لہٰذا متمتع پر قربانی واجب تھی اور واجب قربانی منیٰ میں نہیں کی تو دو دم دینا پڑیں گے، ایک دم تمتع کا اور دوسرا دم جنایت کا۔ (فتاوی عثمانی)

عید الاضحیٰ کی قربانی تمتع کی قربانی کے قائم مقام نہ ہوگی۔

" واذا تمتعت المرأة فضحت بشاة لم يجزها من دم المتعة ". (هدايه: ۲۴۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۱۷) حج کی تین قسمیں اور ان کی ادائیگی کا طریقہ:

سوال: حج کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور ہر ایک کو ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: حج کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اگر میقات سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھا جائے، تو اس کو افراد کہتے ہیں۔

(۲) میقات سے حج وعمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا جائے، تو اس کو قران کہتے ہیں۔

(۳) حج کے مہینوں (شوال، ذی القعدۃ الحرام اور ذی الحجۃ الحرام) میں احناف کے نزدیک میقات سے عمرہ کی نیت کر کے احرام باندھے، اور عمرہ کے افعال یعنی طواف وسعی ادا کر کے حلال ہو جائے، پھر اسی سال حج کا احرام حرم سے باندھے اور حج کرے، اسے تمتع کہتے ہیں۔

اگر افراد کی نیت کی ہو، تو طوافِ قدوم اور سعی کرنے کے بعد احرام کی حالت میں مکۃ المکرّمہ میں قیام کرے، اور حج کے دنوں میں حج ادا کرے، اگر میقات سے قران کی نیت کی ہو تو پہلے عمرہ کرے، پھر حج کا طواف اور سعی کر کے مکہ میں احرام کے ساتھ قیام کرے، اور حج کے دنوں میں حج ادا کرے، اگر تمتع کی نیت کی ہو، تو عمرہ ادا کر کے حلق کر کے حلال ہو جائے، پھر حج کے دنوں میں یعنی ۸/ویں ذی الحجہ کو مسجد حرام یا حرم کی کسی بھی جگہ سے حج کا احرام باندھ کر حج ادا کیا جائے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۱۸) حج قران کا احرام باندھ کر کھولنا:

سوال: قران کا احرام باندھنے کے بعد کسی عذر کی بنا پر حلال ہو سکتا ہے؟ حلال ہونے کے لیے کیا کرے؟

جواب: جب احرام باندھ لیا، تو اب حج یا عمرہ ادا کیے بغیر کھولنا جائز نہیں، لہٰذا قران کا احرام بغیر عذرِ شرعی کھولنا جائز نہیں، اگر کوئی عذر ہو مثلاً؛ مرض کہ اب حج کے لیے نہیں جا سکتا، تو قران کا احرام ہے، لہٰذا دو دم دینے کے بعد حلال ہو سکتا ہے، قربانی ذبح ہونے سے پہلے حلال نہ ہوگا، اور دوسرے سال حج اور دو عمرہ کرنا ضروری ہے، حلال ہونے کی یہ قربانی ۱۰/ویں ذی الحجہ سے پہلے بھی ذبح کرنا جائز ہے۔

" وعلى القارن حج وعمرتان " . (هدايه : ۲۷۴)

ويجوز ذبحه قبل يوم النحر عند ابى حنيفة رحمة الله عليه .(هدايه : ۲۷۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۶/۱۰/ ۱۹۸۹ء

(۱۴۱۹) دمِ شکر کی تفصیل:

سوال: حاجی اپنے وطن میں قربانی کرے یا مکۃ المکرّمہ میں؟

جواب: قارِن اور متمتع پر ایک سفر میں دو عبادتیں؛ عمرہ اور حج ایک احرام سے ادا کرنے کے شکریہ میں ایک جانور ذبح کرنا واجب ہے، جس کو دم شکر، یا دم تمتع، یا دم قران کہا جاتا ہے، یہ قربانی ۱۰؍ویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد کی جاتی ہے، اور منیٰ میں کرنا ضروری ہے، اپنے وطن میں دم تمتع یا دم قران کرنا صحیح نہیں، قرآن حکیم میں ہے:

﴿فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالعُمۡرَةِ اِلَى الحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡیِ﴾ .

(سورة البقرة : آيت/١٩٦)

ترجمہ: جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھاوے، اس پر لازم ہے کہ قربانی کا جانور جو آسانی سے مل جاوے اس کو ذبح کرے۔

البتہ سنتِ ابراہیم (علیہ السلام) کی قربانی جو مالدار پر واجب ہوتی ہے، اگر حاجی مسافر ہو یعنی مکۃ المکرّمہ پہنچنے کے بعد مکۃ المعظمہ اور منیٰ میں قیام کے دن ملا کر مکۃ المکرّمہ سے واپسی تک ۱۵؍دن قیام نہ ہوتا ہو، تو اس مسافر حاجی پر سنت ابراہیم (علیہ السلام) کی قربانی جو صاحب نصاب پر آتی ہے وہ واجب نہ ہوگی، البتہ مکۃ المکرّمہ پہنچ کر مکۃ المکرّمہ اور منیٰ کے قیام کے دن ملا کر مکہ سے واپسی تک ۱۵؍دن قیام ہو جاتا ہو، تو مقیم ہو جانے کی بنا پر مالداری کی قربانی واجب ہوگی، ایسی صورت میں متمتع اور قارن پر دو قربانی واجب ہوں گی، ایک دم شکر اور دوسری سنت ابراہیم (علیہ السلام) کی مالداری کی قربانی۔ مالداری کی قربانی اپنے وطن میں بھی کرنا جائز ہے۔

(معلم الحجاج: ۱۷۱، ۲۱۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

حجِّ بدل کا بیان

(۱۴۲۰) حج بدل:

سوال: اگر کوئی شخص خود حج کرے اور دوسرے کو حج بدل کے طور پر بھیج دے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ جس کو حج بدل کے لیے بھیجا تو کیا اس پر حج فرض ہو گیا؟ حج بدل کے ارکان میں کچھ فرق ہے؟ حج بدل کے لیے کیسے شخص کو بھیجا جاوے؟

جواب: جس پر حج فرض ہو، اس کے لیے جو حکم ہے وہی حکم حج بدل میں جانے والے کے لیے بھی ہے، البتہ کچھ افعال میں فرق ہے؛ جس کی طرف سے حج بدل کیا جاوے احرام کے وقت بھیجنے والے کی طرف سے نیت کرنا ضروری ہے۔

شرعاً تمتع اور قران کا واجب دم حج بدل میں جانے والے پر اپنے خرچ سے کرنا چاہیے، البتہ عام طور پر حج بدل میں جانے والے کے لیے تمام ضروری خرچ حج بدل کے لیے بھیجنے والے کی طرف سے ہوتا ہے، لہٰذا صریح طور پر بھیجنے والے کے مال میں سے قران اور تمتع کرنے کی قربانی کی اجازت لینا ضروری نہیں، پھر بھی صراحۃً اجازت لے لینا بہتر ہے۔ (احسن الفتاوی: ۵۱۳/۴)

حج بدل میں جانے والا مسائل سے واقف ہو اور خود اپنا حج کر لیا ہو، ایسے شخص کو بھیجنا بہتر ہے، غریب شخص حج بدل کے لیے جاوے اور میقات سے بھیجنے والے کی طرف سے احرام باندھ لے تو مکۃ المکرّمہ پہنچ کر غریب شخص پر اپنا حج فرض نہ ہوگا۔ اور اگر حج بدل میں ایسے شخص کو بھیجا جاوے جس پر حج فرض ہو اور حج نہ کیا ہو، تو ایسی صورت میں بھیجنے والے کا تو حج ادا ہو جاوے گا، مگر یہ مکروہِ تنزیہی ہے اور جانے والے پر مکروہِ تحریمی۔ (شامی: ۳۳۱/۲)

بہتر یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا اِفراد یعنی صرف حج کا احرام باندھے، اگر سرکاری اصول کی بنا پر یعنی حج کمیٹی میں قرعہ میں نام نکلا، اور حج بدل کے لیے حج کے مہینہ سے بہت دن قبل پہنچ جاوے، تو ایسی مجبوری کی صورت میں تمتع کی گنجائش ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳۰/۱/ ۱۹۸۹ء

(۱۴۲۱) حج بدل میں جانے والے کا احرام:

سوال: حج بدل میں جانے والا کس طرح احرام باندھے؟

جواب: حج بدل میں جانے والے کو بھیجنے والے کی اجازت کے بغیر تمتع کرنا جائز نہیں، اگر اجازت بھی دے تو بھی محقق علماء کے نزدیک تمتع کرنا جائز نہیں۔

مگر مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں حج اور عمرہ ادا کرنے میں انسان آزاد نہیں ہے کہ جب چاہے جا سکے۔ حکومت کی طرف سے سخت پابندی ہے، لہٰذا حج بدل میں جانے والا مجبوراً بہت دنوں پہلے مکۃ المکرّمہ پہنچ جاوے اور وقت زیادہ ہو، اور احرام پر پابندی کرنا مشکل ہو تو تمتع کرنے کی گنجائش ہے۔ (جواہر الفقہ :۵۱۶/۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۲۲) فرض حج کا ذمہ باقی ہو تو ورثہ کے لیے حج بدل کرانا ضروری ہے:

سوال: اگر کسی شخص کا انتقال ہو جاوے اور اس کے ذمہ قرض ہو، یا فرض حج باقی ہو، تو مرحوم کے ترکہ میں سے پہلے حج کرایا جا سکتا ہے؟ اگر وصیت نہ کی ہو تو ورثہ قرض اور حج ادا نہ کراوے، تو گنہگار کون ہوگا؟ مورِث یا وارث؟

جواب: مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے بندوں کا قرض ترکہ میں سے ادا کرنا ضروری ہے، چاہے قرض ادا کرنے میں پورا مال ختم ہو جاوے، اور وارثوں کے لیے کچھ بھی نہ بچے تو بھی مرحوم کا قرض پہلے اس کے مال میں سے ادا کیا جاوے۔

مرنے والے پر حج فرض ہو، اور اپنی زندگی میں ادا نہ کیا ہو، اور وصیت کی ہو تو کفن دفن اور قرض ادا کرنے کے بعد ثلث (تہائی) مال میں سے حج کرانا ضروری ہے، اگر حج کا خرچ ثلث سے زیادہ ہو، اور وارثین ثلث سے زیادہ دینے پر راضی نہ ہوں، تو ایک ثلث میں سے جس جگہ سے حج ادا ہو سکتا ہو، وہاں سے حج کروایا جاوے۔

" ویشرط الآمر به ای بالحج عنه ...... ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث وإلا فمن حیث یبلغ ". (شامی: ۲/۶۰۰، باب الحج عن الغیر، مکتبہ سعید)

اگر مرنے والے پر حج فرض ہوا اور وصیت نہ کی ہو، تو وارثوں پر حج کرانا ضروری نہیں، پھر بھی اگر تمام وارث بالغ ہوں اور اپنی رضامندی سے حج کراویں، تو بہتر ہے، اور ان شاءاللہ میت کی طرف سے فرض حج ادا ہو جاوے گا۔

" (ان لم یوص به) ای بالاحجاج (فتبرع عنه الوارث) ...... (......جاز) والمعنی جاز عن حَجّة الاسلام ان شاء الله ". (رد المحتار: ۲/۵۹۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۷/ربیع الاول/ ۱۴۱۸ھ

(۱۴۲۳) والدہ کو حج کرانے کا وعدہ کیا مگر حج کرانے سے قبل والدہ کا انتقال ہو گیا؟

سوال: ایک شخص نے اپنی عمر رسیدہ والدہ کو حج کرانے کا وعدہ کیا، مگر اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا، تو اب اس شخص پر اپنی والدہ کی طرف سے حج کرنا ضروری ہے؟

جواب: عورت پر حج فرض ہوا اور اپنی طرف سے حج بدل کی وصیت کی ہو، تو اولاد پر اس کے ثلث (تہائی) مال میں سے حج کرانا ضروری ہے، اگر حج فرض ہوا اور وصیت نہ کی ہو، تو اولاد پر حج کرانا ضروری نہیں، مگر حج کرانے کا وعدہ کیا تو والدہ کی طرف سے حج کرانا بہتر ہے، ان شاءاللہ مرحومہ کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا۔ اگر والدہ پر حج فرض نہ ہو تو بھی وعدہ کرنے کی بنا پر حج کرانا بہتر ہے، ایسی صورت میں مرحومہ کو نفل حج کا ثواب ملے گا۔

" ومن اوصی بان یحج عنه ... یحج عن المیت من منزله بثلث ما بقی وهذا عند ابی حنیفة ". (هدایه: ۱/۲۷۸)

" لا بد فی لزوم الاداء علی الورثة من الایصاء عندنا فانه اذا لم یوص لم

یلزم ومع هذا لو ادی الورثة یتادی عنه ان شاء الله تعالی ".

(حاشیه هدایه: ۱/۲۰۲، فتح القدیر: ۲/۸۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۹/۴/۱۹۸۱ء

(۱۴۲۴) حج بدل میں قران اور تمتع کرنا:

سوال: حج بدل میں بھیجنے والے کی اجازت سے تمتع اور قران کرنا جائز ہے یا افراد کرنا ضروری ہے؟ سخت سردی میں احرام کی حالت پر باقی رہنا بہت مشکل ہے، تو شرعاً تمتع کی اجازت ہے؟

جواب: بہتر یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا افراد کرے، اگر جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے اس نے قران کی اجازت دی، تو قران بھی کرسکتا ہے، مگر دم قران حج بدل کرنے والا اپنے مال میں سے کرے، بھیجنے والے کے مال میں سے قربانی کرنا جائز نہیں۔

تمتع کے متعلق اختلاف ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بھیجنے والے کی اجازت ہونے کے باوجود تمتع نہ کیا جاوے۔ (زبدۃ المناسک: ۲/۱۵۸، معلم الحجاج: ۲۸۴، ۳۰۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۱/۱/۱۹۷۲ء

(۱۴۲۵) مرحومہ بیوی کی طرف سے شوہر کا حج بدل کرنا:

سوال: میرے بھائی نے ایک مرتبہ حج کرلیا ہے، اس سال دوبارہ حج میں جانے کا ارادہ کیا ہے، ان کی دوسری بیوی ہے، اس نے حج نہیں کیا ہے، اب یہ دوسری بیوی کو مرحومہ بیوی کی طرف سے حج بدل کے لیے لے جانے کا ارادہ ہے، تو کیا اس کو لے جانا درست ہے؟ اس دوسری بیوی کے پاس بھی ۱۵/سو روپیوں کے زیورات ہیں، اور ۵/ہزار روپیوں کے شیئرز بھی؟

جواب: سوال میں تحریر کے مطابق دوسری بیوی کے پاس ۱۵/سو روپیوں کے زیورات اور ۵/ہزار

کے شیئرز ہیں، لہٰذا اس پر حج فرض ہے، ان کو پہلے اپنا حج ادا کرنا چاہیے، جس پر حج فرض ہوا ایسے کو حج بدل کے لیے بھیجنا مکروہِ تنزیہی ہے، اور اس کو حج بدل کے لیے جانا مکروہِ تحریمی ہے، حج بدل کے لیے ایسے کو بھیجنا افضل ہے، جس نے اپنا حج کرلیا ہو، اس کے باوجود مذکورہ عورت کو شوہر کے ساتھ حج بدل کے لیے بھیجا جاوے تو حج ادا ہو جائے گا۔

" والافضل ان يكون قد حج عن نفسه حجة الاسلام خروجا عن الاختلاف الى قوله ثم قال فى الفتح والذى يقتضيه النظر ان حج للضرورة عن غيره ان كان بعد تحقق الوجوب عليه فهو مكروه كراهة تحريم ومع ذلك يصح ، قال فى البحر : والحق انها تنزيهية على الآمر لقولهم والافضل " .

(شامی : ۲/ ۳۳۱)

بہتر یہ ہے کہ آپ کے بھائی جو فرض حج ادا کر چکے ہیں، وہ مرحومہ کی طرف سے حج بدل ادا کرے، اور ان کی یہ دوسری بیوی اپنا فرض حج ادا کرے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۷/ ۸/ ۱۹۶۹ء

(۱۴۲۶) کمزور عورت کی طرف سے حج بدل:

سوال: ہماری دادی کی عمر تقریباً ۱۰۵/ سال ہے، بہت کمزور ہے، ان کے اوپر حج فرض ہے، تو ان کی طرف سے حج بدل کرا سکتے ہیں یا خود جانا ضروری ہے؟

جواب: آپ کی دادی اتنی کمزور ہو کہ خود فرض حج کے لیے نہیں جا سکتی، تو ایسی حالت میں حج بدل کے لیے دوسرے کو بھیجنا جائز ہے، مگر بعد میں انتقال سے پہلے قوت آ جاوے تو فرض حج کے لیے جانا ضروری ہے، اور اگر قوت نہ آوے تو حج بدل فرض حج کے قائم مقام ہو جاوے گی۔

" والمركبة منهما كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط لكن بشرط

دوام العجز الی الموت لانه فرض العمر حتی تلزم الاعادة بزوال العذر" .

(درمختار مع الشامی: ۳۲۷/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۲۷) محرم نہ ہونے کی بنا پر حج بدل کرانا:

سوال: ایک عورت کے اوپر حج فرض ہے، اب محرم نہ ہونے کی بنا پر اپنی زندگی میں کسی کو حج بدل کرا سکتی ہے؟

جواب: عورت محرم نہ ہونے کی بنا پر اپنی زندگی میں حج بدل کے لیے بھیج سکتی ہے، مگر بعد میں محرم مل جاوے تو حج کے لیے جانا ضروری ہے اور پہلا حج نفل شمار ہوگا۔

" تقبل النيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز الى الموت لانه فرض العمر حتى تلزم الاعادة بزوال العذر". (در مختار مع الشامی: ۳۲۷/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲/۲۳/ ۱۹۷۴ء

(۱۴۲۸) حج بدل:

سوال: (۱) میرے والد پر حج فرض تھا، حج ادا نہیں کیا اور انتقال ہوگیا، اب میں اپنے فرض حج کے لیے جا رہا ہوں، تو میرے والد کے حج بدل کے لیے میری بیوی کو ساتھ لے جا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۲) مکۃ المکرّمہ پہنچ کر وہاں سے کسی مقامی شخص کے ذریعے حج کرا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۳) حج بدل میں کونسا احرام لازم ہے؟

جواب: عورت مرد کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے، لہٰذا آپ اپنی بیوی کو مرحوم والد کے حج بدل کے لیے لے جا سکتے ہو۔

اگر آپ کے والد نے حج بدل کی وصیت نہ کی ہو، تو ان کی طرف سے مکۃ المکرّمہ سے حج بدل کرا سکتے ہیں، اور یہ نفل حج ہوگا، اس کا ثواب آپ کے والد کو ملے گا۔

''زبدۃ المناسک'' میں ہے کہ لوگ اپنے والدین اور رشتہ داروں کی طرف سے حج بدل کرتے ہیں، مگر وہاں کے مقامی لوگوں سے حج نہیں کرانا چاہیے، اس لیے کہ وہ لوگ کچھ لوگوں سے پیسے وصول کر کے حج کراتے ہیں، اور یہ سنا گیا ہے کہ ایک شخص سے حج کراتے ہیں اور اس کا ثواب سب کو پہنچا دیتے ہیں، لہٰذا کوئی معتمد اور نیک صالح شخص سے حج کرانا چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۲۹) مرحوم والد کی طرف سے لڑکے کا حج بدل:

سوال: میرے مرحوم والد پر حج فرض تھی، مگر انہوں نے حج نہیں کیا، تو میں میرے والد کی طرف سے حج بدل کراؤں، تو میرے والد کا فرض حج ادا ہوگا؟

جواب: اگر آپ کے والد نے حج بدل کی وصیت کی ہو، تو ان کے ترکہ میں سے پہلے تجہیز و تکفین کی جاوے، قرض ہو تو ادا کیا جاوے، اس کے بعد باقی ترکہ کے ایک ثلث میں سے حج ادا ہو سکتا ہو، تو ان کے مال میں سے وصیت پر عمل کرتے ہوئے حج بدل کرانا چاہیے۔

اگر اپنی طرف سے اپنے مال میں سے حج بدل کی وصیت نہ کی ہو، اور آپ اپنے مال میں سے خود، یا دوسرے کو حج بدل کے لیے بھیج دیں، تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے ان شاء اللہ آپ کے والد کا فرض حج ادا ہوگا، اور فرض کے ترک کرنے کا گناہ نہ ہوگا۔

'' **وان لم یوص فتبرع عنه بالاحجاج او الحج بنفسه قال ابو حنيفة يجزيه انشاء الله تعالى** ''. (فتح القدير : ۷۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۳۰) حج بدل میں جانے والا کونسا احرام باندھے؟

سوال: حج بدل میں جانے والا کس قسم کا احرام باندھے؟

جواب: بہتر یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا افراد کی نیت کرے، اور حج بدل کے لیے بھیجنے والے نے قران کی اجازت دی ہو تو قران بھی کر سکتا ہے، مگر دم قران حج بدل کرنے والا اپنے مال میں سے کرے، جس نے حج بدل کے لیے بھیجا ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے قربانی کرنا جائز نہیں، البتہ اگر حج بدل میں بھیجنے والا اپنی خوشی سے اپنے مال میں سے قران کی قربانی کرنے کی اجازت دے، تو اس کے مال میں سے قربانی کرنا درست ہے۔

" فان امره غيره ان يقرن عنه فالدم على من احرم ". (لا فى مال الآمر)

(هدايه : ۱ / ۲۷۸)

احتیاط اسی میں ہے کہ حج بدل میں بھیجنے والے کی اجازت کے باوجود تمتع نہ کیا جاوے۔

(زبدۃ المناسک: ۱۵۸/۲، معلم الحجاج: ۲۸۴)

مگر حج کے زمانے میں حج وعمرہ کرنے میں ہر شخص آزاد نہیں کہ جس وقت چاہے مکۃ المکرّمہ پہنچ جاوے، بل کہ قانونی پابندیاں ہوتی ہیں، لہٰذا حج بدل میں جانے والا حج کے وقت سے قبل جانے پر مجبور ہو، اور زیادہ دنوں تک احرام کی حالت میں رہنے میں احرام کی پابندی کرنا مشکل ہو، تو اس کے لیے تمتع کرنے کی گنجائش ہے۔ (جواہر الفقہ: ۵۱۶/۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۳۱) حج بدل کی تفصیل:

سوال: حج بدل کے متعلق تفصیلی تحریر مرحمت فرمائیں؟

جواب: جس پر حج فرض ہو، حج ادا کرنے کا موقع ہونے کے باوجود حج ادا نہ کیا، اب خود حج ادا کر سکے ایسی طاقت نہ رہی، تو ایسے شخص پر دوسرے کو حج بدل کرانا، یا مرتے وقت وصیت کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص بیمار ہو، نابینا ہو، اپاہج ہو، اور حج کے سفر کی طاقت نہ رہے، اور صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو، تو صحیح قول کے بموجب حج بدل کرانا یا وصیت کرنا واجب ہے۔ (معلم الحجاج)

افضل اور بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجا جاوے، جو عالم باعمل ہو، حج کے مسائل سے خوب واقف ہو، اور اپنا فرض حج ادا کر چکا ہو۔ (معلم الحجاج: ۳۰۸)

جس پر حج فرض ہوا اور اپنا حج ادا نہ کیا ہو، تو ایسے شخص کو حج بدل میں بھیجنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (درمختار مع الشامی: ۳۳۱/۲)

اگر میت پر حج فرض ہوا اور بغیر وصیت کے میت کے بالغ وارث میت کی طرف سے حج بدل کراویں، یا اولاد خود بغیر وصیت کے اپنے والدین کی طرف سے حج کرے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان شاء اللہ میت کی طرف سے حج ادا ہو جاوے گا۔ (شامی) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۳۲) بہن بھائی کو حج کے لیے بھیجے تو حج کس کا ہوگا؟

سوال: اس سال میرا حج کے لیے جانے کا ارادہ ہے، میرے ساتھ میری پھوپھی بھی آنے والی تھی، مگر بیماری کی بنا پر اپنی جگہ اپنے حقیقی بھائی کو حج کے لیے بھیجنے کا ارادہ کیا، اور اپنا پورا مال اپنے غریب بھائی کو دیدیا، تو سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں حج کا ثواب پھوپھی کو ملے گا، یا ان کے بھائی کو؟ حج کس کا ہوگا ایک کا یا دونوں کا؟

جواب: آپ کی پھوپھی پر حج فرض ہو، اور وہ اپنے بھائی کو حج بدل کے لیے بھیجے، اور حج بدل میں جانے والا بھیجنے والے کی طرف سے، یعنی اپنی بہن کی طرف سے حج ادا کرنے کی نیت کرے، تو بھیجنے والی بہن کا فرض حج شمار ہوگا، اور حج بدل کے لیے جانے والے کو سفر کا ثواب ملے گا۔

”یقع الحج المفروض عن الآمر علی الظاهر من المذهب كذا فی المبسوط، وهو الصحيح كما فی كثير من الكتب، ويشهد بذلك الآثار من السنة“. (شامی: ۳۳۰/۲، ۲۳۱)

" ثم ظاهر المذهب ان الحج يقع عن المحجوج عنه ، وبذلك تشهد الاخبار الواردة فى الباب كحديث الخثعمية فانه عليه السلام قال فيه : حجى عن ابيكِ واعتمِرى ، وعن محمد ان الحج يقع عن الحاجِّ وللآمر ثواب النفقة ".

(هدايه: ۱/۲۷۷، باب الحج عن الغير) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱/دسمبر/ ۱۹۹۷ء

(۱۴۳۳) جماعت کے خرچ سے عرب جا کر وہاں سے اپنے پیسوں سے فرض حج یا حج بدل کرنا:

سوال: ایک شخص اپنے نفقہ سے دو آدمیوں کو عرب چندہ کے لیے بھیج رہا ہے، اس میں سے ایک شخص نے اپنا فرض حج ادا کرلیا ہے، وہ اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہے، اور دوسرے نے اپنا فرض حج ادا نہیں کیا وہ اپنا فرض حج ادا کرنا چاہتا ہے، تو دونوں جماعت کے خرچ سے جا رہے ہیں، اور جماعت کسی ایک شخص کی نہیں ہے، تو حج بدل اور اپنا فرض حج جماعت کے مال سے ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حج بدل کے صحیح ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں، جس میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کیا جاوے، تو حج اس کے مال میں سے ادا کیا جاوے، لہٰذا جماعت کے مال سے حج بدل کرنا درست نہیں، حج ادا نہ ہوگا۔

" ومنها ان يكون حج المامور بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم يجز عنه حتى يحج بماله ". (عالمگيرى :۲۷۳، جواهر الفقه)

جس نے حج نہیں کیا ہے اور جماعت کے کام کے لیے عرب جا رہا ہے، اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ میقات سے لیکر حج کرے، وہاں تک اپنے مال میں سے خرچ کرے، یعنی حج کا احرام

باندھے اس وقت سے لیکر حج کے ارکان ادا کرنے تک اپنا مال استعمال کرے، جماعت کے پیسے استعمال نہ کرے۔

''زبدۃ المناسک'' میں ہے کہ جس فقیر کے پاس نہ راستے کا خرچ ہے، نہ سواری کے لیے کرایہ وغیرہ کی قدرت ہو، تو اس پر حج کرنا فرض نہیں، مگر جب میقات پر پہنچا، تو اس پر حج یا عمرہ کا احرام لازم ہو گیا، پھر جب مکۃ المکرّمہ میں داخل ہوا، اور کعبۃ اللہ شریف میں آ پہنچا، تو اب اس پر فرضیت حج متعین ہو جاوے گی بالاتفاق۔ (زبدۃ المناسک)

"الآفاقی اذا اراد دخول الحرم یجب علیه احرام احد النسکین وبدخوله الی مکة وصوله الی الکعبة تعین علیه فرضیة الحج سواء احرم به ام لا".

(شرح اللباب: ۲۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/۹/ ۱۹۸۲ء

(۱۴۳۴) جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل میں بھیجنا:

سوال: ایک عورت اپنے مرحوم کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتی ہے، جس کو بھیجنا چاہتی ہے، اس نے اپنا حج نہیں کیا تو اس کو بھیجنا درست ہے؟

جواب: حج بدل میں ایسے شخص کو بھیجنا افضل اور بہتر ہے جس نے اپنا حج کر لیا ہو، اور حج کے مسائل سے واقف ہو، جس پر حج فرض ہو اور اس نے اپنا حج نہ کیا ہو، ایسے شخص کو حج بدل میں بھیجنا مکروہِ تنزیہی ہے، اس کے باوجود حج ادا ہو جائے گا۔ (شامی: ۲/۳۳۱)

سوال میں لکھا ہے ''اپنے مرحومین کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتی ہے''، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فرض حج ایک شخص ایک وقت میں ایک کی طرف سے ادا کر سکتا ہے، اگر دو تین کی جانب سے حج ادا کیا جاوے، تو کسی کی بھی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔

” (فجاز حج الضرورة) ...... من لم يحج (والمرأة) ...... (...... وغيره) كالمراهق وغيرهم اولى لعدم الخلاف ...... والافضل ان يكون قد حج عن نفسه حجة الاسلام خروجا عن الخلاف ، ثم قال : والافضل احجاج الحر العالم بالمناسك الذى حج عن نفسه......“. (شامی: ۲/ ۶۰۳، مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۱/۴/ ۱۹۸۶ء

(۱۴۳۵) حج بدل میں جانے والے کا اپنا حج کیا ہوا ہونا ضروری ہے؟

سوال: جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو، ایسا شخص حج بدل کے لیے جا سکتا ہے؟

جواب: جس شخص پر حج فرض نہ ہو جس کی بنا پر اس نے اپنا حج نہ کیا ہو، ایسے شخص کو حج بدل میں بھیجنا درست ہے، اور حج بدل ادا ہو جائے گا، حج بدل میں ایسے شخص کو بھیجنا افضل اور بہتر ہے جس نے اپنی فرض حج ادا کیا ہو، اور حج کے مسائل سے واقف ہو، اگر ایک شخص پر حج فرض ہو اور وہ اپنا فرض حج چھوڑ کر حج بدل کے لیے جاوے، تو اس کے لیے یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ لہٰذا جس پر حج فرض نہ ہونے کی بنا پر اپنا حج نہ کیا ہو، اس کو حج بدل میں جانا جائز ہے۔

(شامی: ۲/ ۶۰۳، مکتبہ سعید، بحر الرائق: ۳/ ۶۹، کفایۃ المفتی: ۴/ ۳۳۲، امداد الاحکام: ۲/ ۱۹۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۳۶) عرب میں رہنے والا ہندوستان میں رہنے والے اپنے والد کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے؟

سوال: ایک شخص مرض (لقوہ) میں مبتلا ہوا، اپنی حاجت اصلیہ سے بھی معذور ہے، صحت کی کوئی امید نہیں، اس کا ایک بیٹا عرب میں ملازمت کرتا ہے، تو کیا وہ اپنے والد کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے؟

جواب: مذکورہ شخص مرض میں مبتلا ہونے کی بنا پر خود اپنا فرض حج ادا نہیں کر سکتا، تو اپنے بیٹے کے

ذریعے حج بدل کرانا درست ہے،مگر اپنے وطن سے حج بدل کرا سکے اتنا مال ہو،تو اپنے وطن سے حج بدل کرانا ضروری ہے،عرب میں رہنے والے کے پاس حج بدل کرانا مکروہ ہے۔

" والظاهر انه يجب عليه ان يوصى بما يبلغ من بلده ان كان فى الثلث سعة فلو اوصى بما دون ذلك او عين مكانا دون بلده يأ ثم".

(شامی: ۲/ ۶۰۵،مکتبہ سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۵/شوال المکرّم/ ۱۴۰۸ء

(۱۴۳۷) دوسروں کی طرف سے عمرہ کرنا:

سوال: میں اپنے مرحوم والدین کی طرف سے اور حیات رشتہ داروں کی طرف سے عمرہ کر سکتا ہوں؟

جواب: مرحوم والدین اور حیات رشتہ داروں کی طرف سے نفل عمرہ کرنا درست ہے،جس طرح نفل نماز،روزہ،صدقہ دے کر اس کا ثواب مرحومین اور زندہ رشتہ داروں کو پہنچانا درست ہے،اسی طرح عمرہ ادا کر کے اس کا ثواب مردے اور زندہ کو پہنچانا جائز ہے۔

شرعاً نفل حج،نفل عمرہ،نفل نماز،روزہ اور تلاوت سب سے پہلے کرنے والے کی طرف سے ادا ہوتے ہیں،اس کے بعد دوسروں کو اس کا ثواب پہنچایا جاتا ہے،بہتر یہ ہے کہ ایک عبادت میں متعدد لوگوں کو شامل کر کے ثواب پہنچایا جاوے۔

" من صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم ". (شامی: ۱/ ۸۴۴)

" لان من حج عن غيره بغير اذنه فانما يجعل ثواب حجه له......".

(هدايه: ۱/ ۲۷۹ باب الحج عن الغير) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱/اپریل/ ۱۹۸۰ء

(۱۴۳۸) مرحومین کی طرف سے عمرہ کرنا:

سوال: اکثر لوگ حج اور عمرہ کے لیے جاتے ہیں اور مرحوم رشتہ دار یا حیات رشتہ داروں کی طرف سے عمرہ کرتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: جس طرح نفل نماز، نفل روزہ، تلاوتِ قرآن کا ثواب مردہ اور زندہ کو پہنچانا صحیح ہے، اسی طرح نفل عمرہ کا ثواب بھی مردہ اور زندہ کو پہنچانا صحیح ہے۔

" ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوۃ او صوما او صدقۃ او غیرھا ". (کتلاوۃ القرآن والاذکار) (ھدایۃ : ۲۷۶/۱) فقط

والله اعلم بالصواب

۱۲/۳/ ۱۹۸۹ء

(۱۴۳۹) نفل حج یا عمرہ ایک سے زائد کی طرف سے ادا کرنا:

سوال: کیا ایک نفل حج یا عمرہ ایک سے زائد کی طرف سے ادا کرنا جائز ہے؟ اسی طرح مردہ اور زندہ کی طرف سے ادا کرنا درست ہے؟

جواب: ایک نفل حج یا عمرہ ایک، یا ایک سے زائد کی طرف سے ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح مردہ اور زندہ کی طرف سے بھی کرنا درست ہے، اس لیے کہ نفل حج یا عمرہ کرنے والے کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جاتا ہے۔ (ہدایہ: ۲۷۹، شامی: ۸۸۴/۲) فقط

والله اعلم بالصواب

جنایات کا بیان

(۱۴۴۰) صدقہ اور جزا سے کیا مراد ہے؟

سوال: حج کی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک جوں کے بدلے روٹی کا ٹکڑا، اور دو تین جوں کے بدلے ایک مٹھی گیہوں، اور تین سے زیادہ ہوں چاہے جتنی بھی ہوں، تو پورا ایک صدقہ دے یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو، تو ایک صاع اور نصف صاع سے کتنے کلوگرام مراد ہے؟ اور لکھا ہے کہ اپنے بدن پر سے جوں پکڑ کر زمین پر زندہ ڈال دے، یا دوسرے کو مارنے کے لیے دینے سے جزا واجب ہوگی، تو جزا سے کیا مراد ہے؟

جواب: حج کی جنایت میں جس جگہ صرف صدقہ کہا ہو، تو اس سے صدقۂ فطر مراد لیا جاتا ہے، اور صاع یہ غلہ کا ایک ناپ ہے، جس میں ساڑھے تین کلو گیہوں سماتے ہیں، لہٰذا حج میں جہاں صدقہ کی مقدار بتائی گئی ہو، مثلاً ایک جوں مارنے سے روٹی کا ٹکڑا، یا ایک عدد کھجور، تو وہاں اسی کو دیا جاوے، اور جہاں صدقہ واجب کہا تو وہاں ایک صدقۂ فطر کے برابر غلہ، یعنی پونے دو کلو گیہوں دیئے جاویں، ایک صاع میں ساڑھے تین کلو گیہوں ہوتے ہیں، حج کی جنایت (احرام کے خلاف کرنا) میں شریعت نے جنایت کی بنا پر سزاءً جو دینا مقرر کیا ہے اس کو جزا کہا جاتا ہے۔

" وکل صدقة فی الاحرام غیر مقدرة فهی نصف صاع من بر". (هدایه: ۲۴۶)

" ومن طاف طواف القدوم محدثا فعلیه صدقة " . (هدایه: ۲۵۲)

" کل موضع وجبت فیه صدقة فهی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او صاع من تمر الا ما یجب بقتل جرادة او قمل او بازالة شعرات قلیلة من رأسه او عضو من اعضائه فان فیه یتصدق بما شاء " . (عینی: ۱/۱۵۳۴)

" وکل صدقة فی الاحرام غیر مقدرة فهو نصف صاع من بر الا ما یجب بقتل القملة او الجرادة ، فان فی قتلها یتصدق بما شاء قال فی التحفة : فهو کف

من طعام" . (هدايه ، عينى : ۵ ۱ ۵ ۱ ، كتاب الحج) فقط

والله اعلم بالصواب

۱۴/ذی الحجہ/ ۱۴۰۸ھ

(۱۴۴۱) قربانی سے پہلے حلق کر لینا:

سوال: حج میں قربانی سے پہلے حلق کرلے تو دم واجب ہوگا؟

جواب: قارن (ایک ہی احرام سے حج اور عمرہ کرنے والا) اور متمتع (ایک ہی سفر میں حج کے دنوں میں عمرہ اور حج کرنے والا) کے لیے ۱۰/ویں ذی الحجہ کو تین افعال کرنا ہے:

(۱) رمی (۲) قربانی (۳) حلق یا قصر،

اِن میں تقدیم تاخیر سے دم واجب ہوگا، لہٰذا پہلے حلق کرلیا پھر قربانی کی، تو اگر قارن ہو تو دو قربانی کرے۔

مفرِد (جس نے صرف حج کی نیت کی ہو) اس پر قربانی کرنا مستحب ہے، اس نے پہلے حلق کرلیا تو دم واجب نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج)

" **فان حلق القارن قبل ان يذبح فعليه دمانِ** " . (هدايه : ۱ / ۲۵۷)

" **الواجب يوم النحر اربعة اشياء : الرمى ثم الذبح ثم الحلق ثم الطواف**". (عمدة الرعاية: ۱ / ۲۷۵) فقط

والله اعلم بالصواب

۲۴/۱۲/ ۱۹۸۰ء

(۱۴۴۲) وقت سے قبل رمی کی پھر وقت آنے پر دوبارہ کر لی؟

سوال: اگر کسی نے وقت سے پہلے رمی کرلی، بعد میں وقت پر دوبارہ اعادہ کرلیا، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر حج میں جنایت کی بنا پر دم واجب ہوا، تو اس کا گوشت کون کھا سکتا ہے؟

جواب: اگر وقت سے پہلے رمی کر لی، بعد میں وقت میں اعادہ کرلیا، یعنی اس دن کے بعد کی رات میں صبح صادق سے پہلے رمی کر لی ہوتو دم واجب نہ ہوگا، اگر دوسرے دن رمی کی تو دم واجب ہوگا، اور جنایت کی قربانی کا گوشت فقیر کھا سکتے ہیں، خودکو یا مالدار کو کھانا درست نہیں، اگر خود یا کسی مالدار نے کھالیا تو جتنا گوشت کھایا ہے اتنی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (جوہرۃ النیر ۵:۱۷۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۴۳) طواف زیارت ادا کیے بغیر وطن آ جاوے؟

سوال: ایک عورت کو ۱۰؍ رویں ذی الحجہ کو منیٰ میں بچہ کی ولادت ہوئی، جس کی بنا پر وہ طواف زیارت کئے بغیر اپنے وطن آ گئی، تو اب وہ کیا کرے؟

جواب: طواف زیارت فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ .

لہٰذا طواف باقی رہ جانے کی بنا پر حج صحیح نہ ہوگا، اور یہ طواف فرض ہے اس کا کوئی بدل بھی نہیں، مرتے دم تک کبھی بھی مکۃ المکرّمہ جا کر ادا کرنا ضروری ہے، اور تاخیر کی بنا پر دم جنایت واجب ہے۔

(مجمع الانھر :۱؍۲۹۵، ہدایہ:۲۵۳، شامی:۲؍۲۵۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۴۴) جنایت میں اونٹ کی قربانی؟ دم جنایت کی قربانی کہاں کی جاوے؟

سوال: کونسی غلطی میں اونٹ کا دم دینا ضروری ہے؟ اگر کسی شخص پر دم لازم ہوا، مگر اس نے ابھی تک دم نہیں دیا، تو اب دم کی قربانی حرم میں کرنا ضروری ہے؟

جواب: حج میں جو دم جنایت واجب ہوتا ہے، تو اس کا حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، حرم کے علاوہ ذبح کرنے سے دم ادا نہ ہوگا، لہٰذا جس پر دم واجب ہوا، اور اس نے قربانی نہیں کی تو اب قربانی کی قیمت بھیج کر حرم میں قربانی کرے، دوسری جگہ قربانی کرنا درست نہیں۔

" ولا يجوز ذبح الهدايا الا في الحرم لقوله تعالىٰ في جزاء الصيد :

﴿هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ فصار اصلا فی کل دم هو کفارة ". (هدایه : ۱/ ۲۸۸)

" اذ لا فرق بین الکفارات و لا تفارق فی معنی الجزاء ". (بنایه شرح هدایه)

فرض طواف جنابت کی حالت میں کرلے، یا وقوف عرفہ کے بعد حلق سے قبل جماع کرلے تو ان دو جنایتوں میں اونٹ کی قربانی کرنی ہوگی۔

" (وتجوز الشاة) فی الحج فی کل شيء (الا فی طواف الرکن جنبا) او حائضا (ووطأ بعد الوقوف) قبل الحلق . در مختار . وفي الشامی : قال العلامة الشامی : فی کل دم له تعلق بالحج کدم الشکر والجناية والاحصار والنفل ".

(شامی: ۲/ ۶۱۵،مکتبه سعید) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۴۵) دم جنایت کے لیے کونسا جانور ذبح کیا جاوے؟

سوال: دم جنایت کے لیے کونسا جانور ذبح کیا جاوے؟ اس کے گوشت کا کیا کرے؟ اور یہ قربانی کہاں کرے؟

جواب: دم جنایت کے لیے وہی شرائط ہیں، جو ذی الحجہ کی قربانی کے جانور کے لیے ہے، دم جنایت حرم یعنی مکۃ المکرّمہ یا منیٰ میں ذبح کرنا ضروری ہے، دم جنایت کا گوشت فقیروں میں تقسیم کرنا ضروری ہے، خود کھانا یا مالداروں کو کھلانا درست نہیں، اگر خود کھایا یا مالداروں کو دیا، تو اتنے گوشت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (ہدایہ: ۲۸۰،۲۸۱، معلم الحجاج: ۲۶۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۴۶) دم جنایت کو حرم میں ذبح کرنا:

سوال: اگر کسی پر حج دم واجب ہوا، لیکن اس نے جانور ذبح نہیں کیا، تو اب وہ دم حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، یا اور کوئی جگہ ذبح کرسکتا ہے؟ اگر ایام نحر گذر گئے تو ذبح کرے یا قیمت کا صدقہ دیدے؟

جواب: دم جنایت حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، حرم کے علاوہ دوسری جگہ ذبح کرنا یا قیمت کا صدقہ کرنا جائز نہیں، کسی کے ساتھ قربانی کی قیمت بھیج کر حرم میں قربانی کرانا ضروری ہے۔

" **ولا يجوز ذبح الهدايا الا في الحرم ، لقوله تعالى في جزاء الصيد ﴿هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ فصار اصلا في كل دم هو كفارة** " . (هدايه: ٢٨١)

"زبدۃ المناسک" میں ہے: اور سب اقسام ہدی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، خارج میں جائز نہیں، مگر دم اضحیٰ خارج حرم میں بھی جائز ہے، کیوں کہ یہ حج اور عمرہ اور حرم کے متعلقات میں سے نہیں، ایسے ہی دم نذر جس میں حرم میں ذبح کرنے کی نیت ہو۔ (زبدۃ المناسک: ۱۲۵/۲)

"معلم الحجاج" میں ہے: دم کے ادا ہونے کی شرط ہے: .... (۸) حرم میں ذبح کرنا۔ دم کے بدلے قیمت دینا جائز نہیں۔ (معلم الحجاج: ۲۸۴، ۲۸۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۴۷) سردی کی بنا پر رات کو سر پر کپڑا ڈالنا:

سوال: آٹھویں ذی الحجہ کو احرام پہن کر سر کھلا رکھنا ہے، تو کیا سر کھلا رکھنا فرض ہے؟ سردی یا بیماری کی بنا پر رات کو سر پر چادر ڈال دے تو کوئی حرج ہے؟

جواب: اگر محرم مرد اپنا سر یا منہ احرام کی حالت میں ڈھانک دے، ایک پورا دن یا پوری رات تو اس پر دم واجب ہوگا، اور اگر ایک دن یا ایک رات سے کم ڈھانک دے تو صدقۂ فطر واجب ہوگا، چاہے اپنے اختیار سے ہو یا عذر کی بنا پر، یا بغیر عذر کے، تو بھی دم واجب ہوگا، لہٰذا سردی کی بنا پر آپ نے پوری رات سر ڈھانک دیا، تو سر کے ساتھ کپڑا لگنے کی بنا پر دم واجب ہوگا۔

" **وان لبس ثوبا مخيطا او غطى رأسه يوما كاملا او ليلة كاملة فعليه دم ولا فرق بين كونه مختارا في اللبس او مكرها عليه او نائما** " .

(هداية: ١/٢٤٧ وحاشيه ، عمدة الفقه : ٤/ ٤٩٧) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹/ربیع الثانی/ ۱۴۳۲ھ

(۱۴۴۸) صدقہ کہاں ادا کرنا چاہیے؟

سوال: حج میں صدقہ واجب ہو، تو کہاں ادا کرنا چاہیے؟ مکۃ المکرّمہ میں یا اپنے وطن میں بھی ادا کرسکتے ہیں؟

جواب: حج میں جنایت کی بنا پر صدقہ کرنا واجب ہو، تو اس سے صدقۂ فطر مراد ہوتا ہے، اور یہ صدقہ یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت غریب محتاج کو دی جاوے، یہ صدقہ مکۃ المکرّمہ یا دوسری جگہ بھی ادا کرنا درست ہے۔ (ہدایہ: ۱/۲۵۰)

" ای یجزیه فی ای موضع شاء لانه عبادة فی کل مکان و کذلک الصدقة ".

(هدایه: ۱/ ۲۵۰)

مگر دوسری جگہ ادا کرنے کی صورت میں مکۃ المکرّمہ میں جتنی قیمت ہوتی ہو، وہ دی جاوے، وطن میں ادا کرنے کے بجائے مکۃ المکرّمہ میں ادا کرنا بہتر ہے، تا کہ مکۃ المکرّمہ کے غریبوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

" والهدی لا یذبح الا بمکة لقوله تعالٰی : ﴿هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ ویجوز الاطعام فی غیرها ...... اما الصدقة قربة معقولة فی کل زمان و مکان" .

(هدایه: ۱/ ۲۶۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۴۹) طواف زیارت ادا کیے بغیر گھر واپس آجاوے:

سوال: ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ حج کو گئی، منیٰ میں رمی جمار کے بعد قربانی سے قبل بچہ کی ولادت ہوئی، لہٰذا اس نے طواف زیارت نہیں کیا، اب وہ طواف زیارت کرنا چاہتی ہے، تو وہ کیا کرے؟ اس کی قضا کرنا پڑے گی؟

جواب: صورت مسئولہ میں بچہ کی ولادت کی بنا پر عورت نے طواف زیارت نہیں کیا، تو فرض چھوٹ

جانے کی بنا پر حج ادا نہیں ہوا، مکۃ المکرّمہ جا کر طواف زیارت کرنا ضروری ہے، اور تاخیر کی بنا پر دم بھی لازم ہوگا۔

" **ولو ترک طواف الرکن او اربعة منه بقی محرما ابداً وان رجع الی اهله حتی یطّوّفها لانه رکن فلا یجوز عنه بدل**". (مجمع الانهر: ۱/۲۹۵)

" **ولا فوات قبل الممات** ". (شامی: ۲/۵۱۷، مکتبه سعید)

طواف زیارت ادا نہ کیا تو موت تک ذمہ پر باقی رہتا ہے، اور جب تک طواف زیارت نہ کرے احرام باقی رہے گا (یعنی حلال نہ ہوگا)، تو طواف زیارت ادا کرنا ضروری ہے اور تاخیر کی بنا پر دم بھی لازم ہوگا۔

" **ولو لم یطف طواف الزیارة اصلاً حتی رجع الی اهله فعلیه ان یعود بذلک الاحرام لانعدام التحلل منه** ". (هدایه: ۱/۲۵۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۵۰) حج کے جنایت کی قربانی وطن میں:

سوال: حج کے جنایت کی قربانی گھر پر وطن میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: حج کے جنایت کی قربانی حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، حرم کے علاوہ دوسری جگہ قربانی کرنا یا قیمت صدقہ کرنا جائز نہیں، اگر قربانی کیے بغیر وطن آ جاوے تو قربانی کی قیمت حرم میں بھیج کر قربانی کرانا ضروری ہے۔

" **ولا یجوز ذبح الهدایا الا فی الحرم لقوله تعالٰی : ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾** .

(هدایه : ۱/۲۸۱)

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۵۱) حج میں واجب قربانی وطن میں ادا کرنا:

سوال: حج میں واجب قربانی اپنے وطن میں ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: حج میں جنایت کی قربانی، تمتع اور قران کا دم شکرا اپنے وطن میں ادا نہیں ہوگا، حرم (منیٰ) میں ذبح کرنا ضروری ہے، ایک بکری یا بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کسی شخص کو دے کر حرم میں قربانی کرنے کا اس کو ذمہ دار بنایا جاوے۔

" ولا یجوز ذبح الھدایا الا فی الحرم لقوله تعالیٰ : ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ .

(ھدایه : ۱/ ۲۸۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۵۲) کمزور شخص ۱۰/ویں ذی الحجہ کو ظہر کے بعد رمی کرے پھر قربانی پھر حلق؟

سوال: آپ کی تحریر کردہ کتاب ''حج کا طریقہ'' پڑھا، حج کے ارکان خوب اچھی طرح مختصراً سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ (جزاکم اللہ)

میری عمر زیادہ ہونے کی بنا پر اور مرض کی بنا پر مجھے حج میں جانے کی طاقت نہیں تھی، اب ارادہ کیا ہے، ۱۰/ذی الحجہ کو چار افعال بہت مشکل ہیں، تو پہلے دن اطمینان سے ظہر بعد رمی کروں، اور اس کے بعد قربانی کروں، اور اس کے بعد حلق کروں تو یہ جائز ہے؟ اسی طرح باقی دنوں میں شام کو رمی کروں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: بہت سے لوگ حج میں تمتع کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھے، مکۃ المکرّمہ پہنچ کر پہلے عمرہ ادا کرے، یعنی بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ کی سعی کرے اور حلق کر کے حلال ہو جاوے، پھر ۸/ویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے اور حج ادا کرے۔

ایسے شخص کو ۱۰/ویں ذی الحجہ کو چار افعال کرنے ہوتے ہیں:

(۱) بڑے شیطان کی رمی کرنا، (۲) قربانی کرنا (۳) حلق کرنا، یہ تینوں کام بالترتیب کرنا

واجب ہے، تقدیم وتاخیر سے احناف کے نزدیک دم واجب ہوگا۔

رمی کا وقت: پہلے دن یعنی ۱۰؍ویں ذی الحجہ کو صرف ایک جمرہ کی رمی کرنا ہے، اس کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک وقت مسنون ہے، اور زوال سے غروب تک بغیر کراہت کے جائز ہے، اور غروب سے لے کر صبح صادق تک مکروہ وقت ہے، مگر ازدحام کی بنا پر کمزور مریض اور عورتیں رات کو رمی کریں، تو بغیر کراہت کے جائز ہے۔

طواف زیارت کا وقت ۱۰، ۱۱، اور ۱۲؍ویں ذی الحجہ تک ہے، لہٰذا آپ ۱۰؍ویں ذی الحجہ کو غروب سے پہلے تک رمی کرے تو جائز ہے، اور کمزوری کی بنا پر رات کو صبح صادق سے پہلے پہلے تک رمی کرے تو بھی درست ہے۔

اور ۱۱؍ویں اور ۱۲؍ویں ذی الحجہ کو تینوں جمروں کی رمی کرنا ہے، اس کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اور غروب تک رمی کی جاوے تو بغیر کراہت کے جائز ہے، اور بغیر عذر کے غروب کے بعد رات کو صبح صادق تک رمی کرے تو مکروہ ہوگا، مگر موجودہ زمانے میں ازدحام بہت ہوتا ہے، تو کمزور اور عورتیں غروب کے بعد رات کو رمی کرے تو بھی بغیر کراہت کے جائز ہے، ازدحام کی بنا پر عورتیں تینوں دن رات کو غروب کے بعد رمی کرے تو درست ہے۔

۱۳؍ویں ذی الحجہ کو اگر کوئی شخص صبح صادق تک منیٰ میں رہے، تو اس دن کی رمی بھی واجب ہوگی، البتہ ۱۳؍ویں کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زوال سے پہلے رمی کرنا درست ہے۔

" وان قدم الرمی فی هذا الیوم یعنی الیوم الرابعة قبل الزوال بعد طلوع الفجر جاز عند ابی حنیفة ". (هدایه : ۱/۲۳۲)

خلاصہ یہ کہ صحت مند، طاقت رکھنے والے مردوں کو رات میں رمی کرنا مکروہ ہے، البتہ عورتوں اور کمزوروں کے لئے رات کو رمی کرنا جائز ہے، بل کہ مستحب ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۳۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۵۳) احرام کی حالت میں سہواً تھوڑے سے بال کاٹ لیے:

سوال: میں ۱۴۰۰ھ میں حج کے لیے گیا، میقات پر حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور نیت کی، پھر مکۃ المکرّمہ پہنچ کر پہلے عمرہ ادا کیا، بعد میں حج ادا کرنے سے پہلے میری دادی اماں کی طرف سے عمرہ کیا، اس عمرہ کے بعد غلطی سے سر کے تھوڑے بال کاٹ لیے، اور میں نے قربانی کی بھی نیت کی تھی اور مشترکہ طور پر ایک بڑے جانور کی قربانی بھی کی، اب دوبارہ حج کے لیے جانے کا ارادہ ہے تو پہلی غلطی کے تدارک کے لیے کوئی صورت ہو تو بتلایئے؟

جواب: آپ نے میقات سے حج وعمرہ کی نیت کی تھی تو یہ حج قران کہلائے گا، اس کا حکم یہ ہے کہ مکہ پہنچ کر پہلے عمرہ ادا کیا جاوے اس کے بعد احرام باقی رکھ کر حج کے دنوں میں حج کے ارکان ادا کرنے کے بعد، ۱۰؍ویں ذی الحجہ کو قربانی کر کے سر حلق کرے، اس سے پہلے حلق یا قصر کرنا جائز نہیں، آپ نے حج کے ارکان ادا کرنے سے پہلے تھوڑے بال کاٹ لیے، تو ربع سر کے برابر قصر ہو گیا، تو دم جنایت لازم تھا، آپ نے دم نہیں دیا، تو اب منیٰ میں ایک قربانی کر دی جاوے، دم جنایت منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ کرنا جائز نہیں۔

میقات سے حج اور عمرہ کی نیت کی جاوے، تو دم شکر واجب ہے، تو گذشتہ سال جو قربانی کی وہ دم شکر کی قربانی شمار ہوگی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۹ شعبان ۱۴۰۱ھ

(۱۴۵۴) مہندی لگا کر حج میں جانا:

سوال: کیا عورتیں حج میں جانے سے پہلے گھر پر اپنے دونوں ہاتھوں میں، یا صرف اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن پر مہندی لگا سکتی ہے؟

جواب: احرام سے قبل ایسی خوشبو استعمال کرنا کہ احرام کے بعد صرف خوشبو باقی رہے (البتہ اس کی

ذات یعنی مادہ باقی نہ رہے)، صحیح قول کے بموجب یہ مکروہ نہیں، لہٰذا احرام سے قبل مہندی لگاوے اور احرام کے بعد صرف رنگ باقی رہے، اس کی ذات اور مادہ باقی نہ رہے، تو یہ درست ہے اور حدیث شریف میں مہندی کو خوشبو شمار کیا گیا ہے۔

" وقال ﷺ الحِناء طيب " . (فتح القدير: ۲/ ۲۲۶)

" واجمعوا على انه يجوز التطيب قبل الاحرام بما لا يبقى عينه بعد الاحرام ، وان بقيت رائحته وكذا التطيب بما يبقى عينه بعد الاحرام كالمسک والغاية عندنا لا يكره فى الروايات الظاهرة ، وهو الصحيح ".

(الفتاوى الهندية : ۱/ ۲۲۲، الباب الثالث فى الاحرام) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۶/۱/ ۱۹۷۴ء

(۱۴۵۵) دم میں ایک بکری واجب تھی مگر قربانی نہیں کی اور وطن آ گیا؟

سوال: میں گذشتہ سال حج کے لیے گیا تھا، وہاں مجھ سے ایک جنایت ہوگئی، جس کی بنا پر ایک بکری واجب تھی، مگر اس وقت میرے پاس گنجائش نہیں تھی تو دم جنایت ادا نہ کر سکا، اب وسعت ہے، میں دم جنایت کی بکری قربانی کرنا چاہتا ہوں تو اس کی کیا صورت ہے؟

جواب: حج میں جنایت کی بنا پر دم واجب ہوا، مگر دم جنایت کی قربانی نہیں کی تو اب کسی کے ساتھ قربانی کی قیمت بھیج کر حرم میں قربانی کراوئے، یا ۶/ غریبوں کو صدقۂ فطر دے، دوسری جگہ کی بنسبت مکۃ المکرّمہ کے غریبوں کو دینا افضل ہے۔ (فتاویٰ عثمانی ۱۵۱/۲ ،۱۵۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۵۶) احرام کی حالت میں انڈر ویئر (Underwear) پہننا:

سوال: احرام کی حالت میں انڈر ویئر پہننا جائز ہے؟ حاجی مکۃ المکرّمہ میں کسی کو زکوۃ دے سکتا ہے؟

جواب: جو کپڑا انسان کے بدن کی ہیئت کے مطابق سلا ہوا ہو، ایسا کپڑا احرام کی حالت میں پہننا جائز نہیں۔

معلم الحجاج میں ہے: احرام کی حالت میں ایسا سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے جو بدن کی ہیئت پر قطع کر کے سلا گیا ہو، جیسے کرتا، پائجامہ، اچکن وغیرہ۔ (معلم الحجاج: ۱۱۸/۲۷۳)

لہٰذا اس اصول کے مطابق احرام کی حالت میں انڈر ویئر نہ پہننا چاہئے، البتہ دھوتی پہننے کی اجازت ہے۔

جس جگہ زکاتی مال ہو، اس جگہ کے غریبوں کا اس مال میں حق ہے، لہٰذا اپنے وطن کے غریبوں کو زکوۃ دینا چاہئے، البتہ اگر اپنے وطن کے غریبوں کی بنسبت مکۃ المکرّمہ کے لوگ زیادہ غریب اور محتاج ہوں، تو ان کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے، پھر بھی مکۃ المکرّمہ کے غریبوں کو زکوۃ دی تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

" **وفی الزکوة یعتبر مکان المال حتی تصرف الی فقراء ذلک الموضع وکذا فی الاضحیة** ". (خلاصة الفتاویٰ : ۱ / ۳۱۳ ، امداد الفتاوی) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۷/۶/ ۱۹۷۷ء

(۱۴۵۷) دمِ جنایت کی قربانی کیے بغیر وطن آ جاوے:

سوال: ایک شخص حج کے لیے گیا، اس سے جنایت ہو گئی جس کی بنا پر دم دینا ضروری تھا، لیکن اس نے دم کی قربانی نہیں کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وطن میں قربانی کی قیمت غریبوں کو دینا درست ہے؟

جواب: دم جنایت کی قربانی حرم میں یعنی منیٰ میں ذبح کرنا ضروری ہے، حرم کے علاوہ دوسری جگہ پر ذبح کرنا جائز نہیں، اور قربانی کے بدلے قیمت دینا بھی جائز نہیں، دم جنایت کی قربانی کیے بغیر حاجی اپنے وطن میں چلا آوے، تو اب قربانی کی قیمت کسی کے ساتھ بھیج کر حرم میں کرانا ضروری ہے، اور یہ

بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ دم جنایت کی قربانی کا گوشت مالدار نہیں کھا سکتے، اور وہ خود بھی نہیں کھا سکتا۔

" ولا یجوز ذبح الهدایا الا فی الحرم فصار اصلا فی کل دم هو کفارة ".

(هدایه: ۱/ ۲۸۴)

''زبدۃ المناسک'' میں ہے کہ اور سب ہدی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، خارج میں جائز نہیں۔ (زبدۃ المناسک:۲/۱۲۵)

معلم الحجاج میں ہے کہ دم کے ادا ہونے کی شرط یہ ہے کہ حرم میں ادا کرے، دم کے بدلے قیمت دینا جائز نہیں۔ (معلم الحجاج:۲۹۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۵۸) وقت سے پہلے رمی کرلے تو دم دینا پڑے گا؟

سوال: ایک شخص حج کے لیے گیا، اس نے وقت سے پہلے رمی کر لی، دوسرے لوگوں نے بتایا کہ رمی کا وقت اب شروع ہوا، تو دوبارہ رمی کی، تو وقت سے پہلے رمی کرنے کا دم دینا پڑے گا؟ اور اس کا گوشت کون کھا سکتا ہے؟

جواب: وقت سے پہلے رمی کر لی، مگر دوبارہ وقت میں رمی کی تو دم واجب نہیں، البتہ دوسرے دن رمی کی تو دم واجب ہوگا، اس کا گوشت صرف فقیر کھا سکتے ہیں، خود یا مالدار کو یہ گوشت کھانا جائز نہیں، اگر کھایا تو اتنے گوشت کی قیمت کا صدقہ کرنا پڑے گا۔

" وان ترک رمی یوم واحد فعلیه دم لانه نسک تام فان اعادها باللیل عقیبه فلا شیء علیه ، وان اعاده من الغد فعلیه دم عند ابی حنیفة ".

(الجوهرة النیرة: ۱۷۷)

" رمی فی الیوم الثانی او الثالث او الرابع الوسطیٰ والثالثة ولم یرم الاولی ...... ثم ان رمی فی وقت الرمی لا شیء علیه وان اخره الی الثانی ...... فعلیه دم ".

(شامی : ۲/ ۳۴۶)

" ویجوز اکله من هدی التطوع والمتعة والقران ، ولو اکل من غیرها الی غیر هذه الثلثة من بقیة الهدایا کدماء الکفارات کلها ولنذور وهدی الاحصار ضمن ما اکل وکذا لو اطعم غنیا ". (شامی: ۲/ ۳۴۳، ۳۴۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۸/۳/۸ء

(۱۴۵۹) قارن نے صرف حج کیا اور عمرہ نہ کیا؟

سوال: ایک شخص نے حج قران کی نیت کی، مکۃ المکرّمہ پہنچنے پر اعلان ہوا کہ آج ۸/ویں ذی الحجہ ہے، لہٰذا منیٰ جانا ہے تو اس شخص نے حج افراد کے تمام ارکان کیے، تو حج افراد ہوئی یا نہیں؟ نیز عمرہ کی سعی رہ گئی تھی اور طواف وداع کے بعد سعی کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ قربانی واجب ہوئی ہو تو کہاں ادا کرے؟

جواب: مذکورہ صورت میں قران کا احرام باندھا، مگر صرف حج کے ارکان ادا کیے ہیں، قران کا عمرہ جو حج کے ارکان سے پہلے کرنا تھا وہ ادا نہیں کیا، تو ایسی صورت میں قران ختم ہو کر صرف افراد باقی رہیگا، اور حج کے ارکان ادا کرنے سے حج ادا ہو گیا، مگر احرام کے وقت عمرہ ادا کرنے کی بھی نیت کی تھی، اور حج سے پہلے عمرہ ادا نہیں کیا، تو عمرہ ترک کرنے کے بدلے ایک قربانی واجب ہے، اور عمرہ کا احرام صحیح تھا تو عمرہ کی قضا بھی ضروری ہے۔

" فان لم یدخل القارن مکة وتوجه الی عرفات فقد صار رافضا لعمرته بالوقوف وسقط عنه دم القران وعلیه دم لرفض عمرته بعد الشروع فیها وعلیه قضاء ها لصحة الشروع فیها ". (هدایه: ۱/ ۲۴۰)

اگر جنایت کی قربانی نہیں کی، تو کسی کے ساتھ بھیج کر حرم میں کرانا چاہیے، اگر اپنے وطن میں قربانی کی تو اس کا گوشت غریبوں میں تقسیم کر دینا چاہیے۔

" ولا یجوز ذبح الهدایا الا فی الحرم لقوله تعالیٰ : ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾.

.... فان ذبح بالكوفة اجزاه عن الطعام معناه اذا تصدق باللحم وفيه وفاء بقيمة الطعام لان الاراقة لا ينوب عنه". (هداية: ۱/ ۲۶۰، ۲۸۱)

" وليس المراد بما ذكرنا بعث الشاة بعينها لان ذلك قد يعتذر بل له ان يبعث بالقيمة حتى يشترى الشاة هنالك وتذبح عنه". (هدايه: ۱/۲۷۳)

حج افراد میں طواف زیارت کے بعد سعی کر لی ہو، تو دم واجب نہیں ہوگا، اور اگر حج کے ارکان یعنی طواف قدوم طواف زیارت کے بعد سعی نہ کی ہو، تو دوسری قربانی واجب ہوگی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۳/۳/۱۹۷۸ھ

(۱۴۶۰) احرام کی چادر کو تہہ بند کی طرح سلنا:

سوال: کیا احرام کی چادر کو تہہ بند کی طرح سل سکتے ہیں؟

جواب: ستر کھل جانے کا خطرہ ہو تو احرام کی چادر کو سلنے کی گنجائش ہے، بغیر ضرورت کے تہہ بند کی طرح سلنا مکروہ ہے۔ (معلم الحجاج: ۱۲۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۶۱) احرام کی حالت میں عذر کی بنا پر سلا ہوا کپڑا پہننا:

سوال: سردی کی بنا پر احرام پہن رکھنا ضروری ہے؟ ۲۴/ گھنٹہ احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا، یا سلا ہوا کپڑا پہن سکتے ہیں؟

جواب: احرام پہننے کے بعد جب تک حلال نہ ہو، وہاں تک مسلسل رات دن احرام کی حالت میں رہنا ضروری ہے، کسی عذر کی بنا پر مثلاً ایسی سردی ہو کہ جس سے موت کا خطرہ ہو یا بیماری کا خوف ہو، سلا ہوا کپڑا پہنا، تو عذر ہونے کی بنا پر ایک قربانی کرے یا صدقۂ فطر کے برابر گیہوں دے، یا ۳/

روزے رکھے، روزہ رکھنا یا صدقہ دینے کا حکم یہ ہے کہ مکۃ المکرّمہ میں یا اپنے وطن میں ادا کر سکتے ہیں، اس لیے کہ یہ سب جگہ عبادت ہے، البتہ قربانی حرم (منیٰ) میں کرنا پڑے گی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۶/جمادی الاول/ ۱۴۲۳ھ

(۱۴۶۲) حلق سے پہلے مونچھوں کے بال لینا یا ناخن کاٹنا:

سوال: حج میں قربانی کے بعد حلق سے پہلے اگر کوئی آدمی مونچھیں یا ناخن کاٹ لے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی کے بعد حلق کرنا یا قصر کرنا ضروری ہے، اور اس کے بعد مونچھوں کے بال لے اور ناخن کاٹے، لہٰذا حلق سے پہلے اگر مونچھوں کے بال لیے یا ناخن کاٹے، تو جنایت ہے اور کفارہ دینا ضروری ہے۔

”وان تطيب او لبس او حلق من عذر فهو مخير ان شاء ذبح وان شاء تصدق على ستة مساكين وان شاء صام ثلثة ايام ثم الصوم يجزى فى اى موضع شاء لانه عبادة فى كل مكان وكذلک الصدقة“. (هدايه: ۱/ ۲۵۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۶۳) رمی، قربانی اور حلق سے پہلے طواف زیارت کر لے؟

سوال: اگر کوئی شخص مزدلفہ سے منیٰ آ کر صبح صادق کے بعد طواف زیارت کرے، اور اس کے بعد منیٰ آ کر رمی کرے، اس کے بعد قربانی اور حلق کرے اور احرام کھول دے تو دم لازم ہوگا؟

جواب: طواف زیارت کا وقت ۱۰/ویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہو، اور ۱۲/ویں کے سورج غروب ہونے تک رہتا ہے، تو ان ۳/دنوں یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲/کو طواف زیارت کرنا درست ہے، لہٰذا ۱۰/ویں کی صبح صادق کے بعد مزدلفہ سے مکہ آ کر طواف زیارت کرے تو درست ہے، دم واجب نہ ہوگا، مگر رمی، قربانی اور حلق کے بعد طواف زیارت کرنا سنت ہے۔

" اول وقته بعد طلوع الفجر من يوم النحر لان ما قبله من الليل وقت الوقوف بعرفة والطواف مرتب عليه يعني يكون بعده ". (هداية: ۱/ ۲۳۱)

" اول وقته اى طواف الزيارة بعد طلوع فجر يوم النحر وهو فيه افضل اى فى يوم النحر ". (شرح الوقاية: ۲۶۶)

معلم الحجاج میں ہے کہ طوافِ زیارت، جو ۱۰/ویں تاریخ کو ہوتا ہے، اس طواف کی سنت یہ ہے کہ رمی، قربانی اور حلق کے بعد کیا جاوے، اگر ان سے پہلے طواف زیارت کرے تو بھی فرض ادا ہو جاوے گا۔ (احکام الحج: ۸۸)

معلم الحجاج میں ہے طواف زیارت کو رمی اور حجامت کے بعد کرنا سنت ہے واجب نہیں۔ (معلم الحجاج: ۱۹۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۸/ ۳/ ۱۹۹۸ھ

(۱۴۶۴) احرام میں انڈر روئیر (Underwear) پہننا:

سوال: احرام کی حالت میں انڈر روئیر پہن سکتا ہے؟ اگر پہن لی تو دم واجب ہوگا؟

جواب: احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے، چاہے عذر کی بنا پر پہنے یا بغیر عذر کے، دونوں کا حکم ایک ہے، اگر کامل ایک دن پہن رکھا تو دم جنایت واجب ہوگا، اور اگر ایک دن سے کم پہنا تو صدقہ فطر کے برابر گیہوں یا گیہوں کی قیمت جو سعودیہ میں ہوتی ہو، اس کو غریبوں میں تقسیم کر دے، حرم کے غریب یا اپنے وطن کے غریبوں کو بھی دے سکتا ہے۔ (ہدایہ: ۲۸۱، ۲۴۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۶۵) احرام کی حالت میں انڈر روئیر (Underwear) پہننے سے دم؟

سوال: احرام کی حالت میں انڈر روئیر پہننے کے بعد خیال آیا اور پھر نکال دیا، تو انڈر روئیر پہننا درست ہے یا دم دینا پڑے گا؟

جواب: احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے، مذکورہ صورت میں مکمل ایک دن نہیں پہنا ہے، بل کہ تھوڑی دیر پہن کر نکال دی، تو صدقۂ فطر کے برابر گیہوں یا اس کی قیمت غریبوں میں صدقہ کردے، حرم یا غیر حرم کے فقیروں کو صدقہ کرنا درست ہے۔

" وان لبس ثوباً محضاً او غطی راسه یوما کاملا فعلیه دم وان کان اقل من ذلک فعلیه صدقة ". (هدایه: ۱/ ۲۴۷)

" ویجوز ان یتصدق بها علی مساکین الحرم وغیرهم خلافا للشافعی لان الصدقة قربة معقولة والصدقة علی فقیر قربة ". (هدایه: ۱/ ۲۸۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/محرم الحرام/ ۱۴۰۴ھ

(۱۴۶۶) مزدلفہ میں قیام کیے بغیر مدینہ چلا جاوے:

سوال: مزدلفہ مین قیام کیے بغیر مدینہ چلا جاوے تو دم دینا پڑے گا؟

جواب: مزدلفہ میں ۱۰/ویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے اجالا ہونے تک تھوڑی دیر کے لیے بھی قیام کرنا واجب ہے، اور غروب سے صبح صادق تک قیام کرنا سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا عرفات سے سیدھا بغیر عذر شرعی (عورتیں، ضعیف اور بچہ) منیٰ چلے جانے سے دم واجب ہوگا، اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی صبح صادق کے بعد مزدلفہ میں پہنچ کر اس کے بعد منیٰ چلا جاوے تو دم واجب نہ ہوگا، البتہ خلاف سنت ہوگا۔

" ثم هذا الوقوف واجب عندنا حتی لو ترکه بغیر عذر یلزمه الدم ". (هدایه: ۱/ ۲۲۸)

" ثم وقت الوقوف فیها من حین طلوع الفجر الی ان یسفر جدا فاذا طلعت الشمس خرج وقته ولو وقف فیها فی هذا الوقت او مر بها جاز کما فی الوقوف بعرفة وقبله وبعده ولا یجوز . فان مر بها مار بعد طلوع الفجر من غیر ان یبیت فیها فلا شیء علیه ویکون مسیئا بترکه السنة ".

(عالمگیری : ۱/ ۲۱۵ ، الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/محرم الحرام/ ۱۴۰۴ھ

مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان

(۱۴۶۷) حج کے بعد مدینہ منورہ جانا:

سوال: حج ادا کرنے کے بعد مدینہ شریف جانا ضروری ہے؟ اگر نہ جاسکے تو حج ادا ہوا یا نہیں؟

جواب: صحیح قول کے مطابق حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ جانا مستحب ہے، اگر کوئی مدینہ طیبہ نہ جائے اور حج ادا کرنے کے بعد اپنے وطن آجاوے، تو حج میں کوئی کمی نہ ہوگی، حج ادا ہو جاوے گا، مگر بغیر کسی سخت عذر کے مدینہ شریف نہ جانا سخت محرومی کی بات ہے، ایسے شخص پر وعید آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس گنجائش ہو اور میری قبر کی زیارت نہ کرے، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قبر کی زیارت کرنے والے کے لیے میری سفارش لازم ہو جاتی ہے۔

" لما كانت زيارة النبي ﷺ من افضل القرب واحسن المستحبات بل تقرب من درجة ما لزم من الواجبات فانه ﷺ حرض عليها وبالغ في الندب اليها فقال : من وجد سعة ولم يزرني فقد جفاني . وقال ﷺ : من زار قبري وجبت له شفاعتي ، وقال ﷺ : من زارني بعد مماتي فكانما زارني في حياتي " .

(مراقی الفلاح ، فصل فی زیارة النبی ﷺ)

" وزيارة قبره ﷺ مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة مندوبة باجماع المسلمين ". (در مختار مع الشامی: ۳۵۲/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

متفرقات حج

(۱۴۶۸) حج کی فلم کے متعلق:

سوال: حج کے دنوں میں ٹیلی ویژن (T.V) پر طواف، قربانی وغیرہ بتایا جاتا ہے، عوام بہت شوق سے دیکھتے ہیں، تو کیا یہ دیکھنا جائز ہے؟ اس میں حج کے طریقہ کی معرفت ہوتی ہے؟

جواب: یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ فلم کے ذریعہ اور ٹیلی ویژن (T.V) پر حج کے ارکان بتلانا اور اس کا دیکھنا یہ اصل حج تو نہیں، اس کو صرف حج کی نقل کہی جائے گی، حج کے کسی بھی رکن کی صرف نقل کرنے سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، مثلاً: ۹ رویں ذی الحجہ کو وقوف عرفہ ہوتا ہے، تو اس وقوف عرفہ کی اپنے وطن میں نقل اتارنے سے فقہاء نے منع کیا ہے، اس لیے کہ خاص جگہ میں وقوف کرنا عبادت ہے، اور اس جگہ کے علاوہ اس کی نقل کرنا عبادت نہیں ہے۔

”ان یجمع الناس یوم عرفة فی بعض المواضع تشبیها بالواقفین بعرفة ...... فلا یکون عبادة دونه“. (هدایه: ۱/ ۱۵۴، مراقی الفلاح علی الطحطاوی: ۲۹۴)

جب کہ صرف وقوف عرفہ کی دوسری جگہ نقل کرنا عبادت شمار نہیں ہوتی، مکروہ اور ناجائز ہے، تو حج کے ارکان کی نقل کرنا جس میں بہت سی خرابیاں اور نقصان ہے، اس وجہ سے حج کی فلم دیکھنا اور دکھانا ناجائز ہے۔

(۱) حج کرنے والی بے پردہ عورتوں کی تصویریں ہونے کی بنا پر شرعی ضرورت کے بغیر دیکھی جاتی ہے، جو ناجائز ہے۔

(۲) سینما گھر اور گھروں میں ٹیلی ویژن کے پردہ پر حج کی فلم دیکھنے کے لیے مرد اور عورتیں جمع ہوتے ہیں، اور بغیر ضرورتِ شرعی اجنبی مرد اور عورتوں کا جمع ہونا ناجائز ہے، شریعت میں اس نقصان کو دور کرنا ضروری کہا ہے، مراقی الفلاح میں لکھا ہے: عام لوگوں کے جمع ہونے، جوان عورتیں اور مرد ایک جگہ ملنے سے جو نقصان ہوتا ہے اس سے کوئی ناواقف نہیں، اور ایسی خرابی کو دور کرنا اولاً لازم ہے۔ (مراقی الفلاح علی الطحطاوی: ۲۹۴)

(۳) بیت اللہ کو دیکھنے سے مسلمان کے دل میں جو کیفیت، جو بیت اللہ کی عظمت اور پاکیزگی کا خیال آتا ہے، اور مسلمان کے دل کو متوجہ کرنے والی چیز وہ اس خاص جگہ کے لیے ہے جہاں اصل بیت اللہ موجود ہے، اس کی نقل میں اس حقیقت اور روح کی تازگی کہاں سے ہوگی؟ اور ایک مومن دل اور کامل مسلمان اس بات کو کس طرح برداشت کرسکتا ہے کہ فلم اور اسکرین پر اب تک برہنہ اور شرمناک تصویریں لگ چکی ہیں اور بعد میں بھی لگیں گی، تو اس جگہ پر پاکیزہ بیت اللہ اور حج کی تصویریں لگا کر اس کی بے حرمتی ہونے دے، اور اس بے حرمتی میں مسلمان مددگار بنے، یہ بات کامل مسلمان کبھی پسند نہیں کرے گا۔ قرآن حکیم میں ہے: ''جوکوئی خدائی دین کی یادگاروں کا پورا ادب رکھے گا، تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی بات ہے''، مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں تقوی اور خدا کا ڈر ہوگا تو وہ خود شعار اللہ کا ادب کرے گا۔

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ . (سورۃ الحج: ۳۲)

(۴) جن لوگوں نے اب تک سنیما کی طرف رخ نہیں کیا، وہ لوگ حج کی فلم دیکھنے کے لیے دلوں میں بیت اللہ کی تصویر کا احساس رکھ کر سنیما گھروں میں جارہے ہیں، آہستہ آہستہ ان لوگوں کے لیے ہر قسم کی فلم دیکھنے کے لیے راستہ آسان ہو جائے گا، شیطان انسان کا ہمیشہ سے دشمن ہے، اس کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ آہستہ آہستہ خلاف شرع کاموں میں مبتلا کردیا جائے، لہٰذا ''حج فلم'' دیکھنے سے دوسری فلم دیکھنے کا راستہ کھل جائے گا۔

(۵) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ''حج فلم'' دیکھنا نہ کوئی عبادت ہے اور نہ شرعاً پسندیدہ ہے، اور نہ انسان کی ضرورت ہے، تو صرف یہ ایک دل لگی اور (Enjoy) ہے، اور دینی کاموں کو لہو ولعب کے طور پر دکھانا اور دیکھنا سزا کا مستحق ہونا ہے، اور اللہ کے غضب کا مستحق ہونا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کا فرمان ہے: ''اے ایمان والو! میری آیتوں کو مذاق نہ بناؤ!''، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لہولعب کو حرام بتایا ہے: '' کل لهو للمسلم حرام ''. (درمع الشامی: ۵/۳۴۷)

طواف کرنا، حجرِ اسود کو بوسہ دینا، اس میں غیر مسلموں کی غلط فہمی کا خطرہ ہے، حج کے ارکان

کے استہزا کا موقع ملے گا، اور ایسی حالت میں تسبیح، تلاوت، حدیث اور دینی باتیں کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ (عالمگیری:۳۲۷/۵)

لہٰذا اس سے بچنا اور دوسروں کو روکنا انتہائی ضروری ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۶۹) حج کی ویڈیو کیسٹ دیکھنا:

سوال: حج کی ویڈیو کیسٹ بنائی گئی ہے، اور اس میں صرف حج کی تصویریں ہوتی ہیں، اور دوسرا کچھ نہیں ہے، تو کیا حج کی ویڈیو کیسٹ گھر پر عورتوں اور خاندان والوں کو دکھانے کے لیے لاسکتے ہیں؟

جواب: حج کی ویڈیو کیسٹ دیکھنے میں بہت سے دینی نقصانات ہیں:

(۱) ویڈیو لہو ولعب کا آلہ ہے، اور ایسے بے حیا آلات کو حج جیسے مقدس اور مبارک اور دین کے پانچ ارکانوں میں سے ایک رکن میں استعمال کرنا دین کی بے حرمتی ہے۔

(۲) غیر مسلموں کا اپنے مذہب کو لہو ولعب بنانے کی بنا پر قرآن حکیم میں اس فعل کی برائی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''جنہوں نے اپنے مذہب کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔''

﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْواً وَّغَرَّتْهُمُ الحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ .

(سورة الانعام : ٧٠)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جنہوں نے اسلام کو لہو ولعب بنایا ہے، اور دین میں نئی باتیں نکالی ہیں، بعض لوگوں نے اپنی نسبت نیک لوگوں کے ساتھ لگا کر لہو کو اللہ تک پہنچنے کا راستہ سمجھ لیا ہے، اور دین میں نئی باتیں نکالی ہیں۔ (الصاوی شرح جلالین:۲۱/۲)، تو حج جیسے پاکیزہ رکن کو فلم کے پردے پر دیکھنا کتنا برا ہے!!

(۳) حج کی ویڈیو کیسٹ میں حج کی ویڈیو بنانے والے مرد اور عورتوں کی تصویریں ہوتی

ہیں، چاہے حج کرنے والے کی تصویریں ہوں، مگر مرد اور عورتوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا ہرگز جائز نہیں، اس سے بے پردگی ہوتی ہے۔

(۴) اس کیسٹ کو غیر مسلم بھی دیکھیں گے، اور حج کے اکثر ارکان ایسے ہیں جو خلاف قیاس ہیں، صرف اللہ کے حکم کی بنا پر ادا کیے جاتے ہیں، مثلاً صفا و مروہ کی سعی، رمی جمار، تو اس سے شریعت کے استہزا کا موقع ملے گا، اور سبب مسلمان بنے گا۔

(۵) اس میں من گھڑت اور جھوٹی باتیں ملانے کا امکان ہے۔

(۶) متبرک مقامات اور حج کے افعال کی عزت اور آداب ختم ہو جائیں گے، اور بغیر دیکھے ان مقامات کے دیکھنے اور حج کے افعال کا جو شوق اور ولولہ رہتا ہے، وہ اگر ختم نہ بھی ہو تو کم ہونے کا خطرہ ضرور ہے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ویڈیو کیسٹ میں حج کا پروگرام دیکھنا جائز نہیں۔

(امدادالفتاوی) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۷۰) حج میں جاتے وقت خوش دامن (ساس) کے ہاتھ کو بوسہ دینا:

سوال: حج میں جاتے وقت اپنی خوش دامن کے ہاتھ کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

جواب: اگر ذرہ برابر بھی شہوت کا خطرہ ہو، تو ساس کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز نہیں، اگر ہاتھ کو بوسہ دینے سے اپنے اوپر یا ساس پر شہوت کا خطرہ نہ ہو، تو احتراماً ساس کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز ہے۔

”(وما حل نظره) مما مر من ذكر أو انثى (حل لمسه) اذا أمن الشهوة على نفسه وعليها (لانه عليه السلام كان يقبل رأس فاطمة) وقال عليه السلام : (من قبل رِجل أمه فكأنما قبل عتبة الجنة)“ . (در مختار مع الشامی: ۳۶۷/۶، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی النظر واللمس) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۷۱) حاجی کو ہدیہ دینا اور لینا:

سوال: جب کوئی شخص حج کو جاتا ہے، تو اس کے رشتہ دار اور متعلقین اس کو ہدیہ دیتے ہیں، تو یہ دینا اور حج میں جانے والے کا لینا جائز ہے؟

جواب: اگر ہدیہ رسم اور رَواج کے طور پر دیا جاوے تو لینا جائز نہیں، اگر بغیر رواج کے ایک محبت اور تعلق کی بنا پر ہدیہ دیا جاوے، تو یہ دینا اور لینا جائز ہے، اور یہ ایک رَواج ہے کہ جو لوگ حج میں جانے والے کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں، تو حج سے واپسی پر حج میں جانے والا بھی ان کو بدلے میں کچھ دیتا ہے، تو یہ رسماً ہدیہ لینا اور دینا شرعاً درست نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۷۲) حج کے سفر میں نماز میں قصر:

سوال: حج کے سفر میں نماز کی قصر کرنے یا مکمل پڑھنے کے متعلق کیا مسئلہ ہے؟

جواب: جو شخص حج کے لیے مکۃ المکرّمہ میں ایسے وقت پہنچے کہ ۸/ویں ذی الحجہ تک ۱۵/دن سے کم دن رہتے ہوں، اور مکۃ المکرّمہ میں ۱۵/دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کرے، تو بھی اقامت کی نیت صحیح نہیں، وہ مسافر ہی رہے گا، اس لیے کہ ۸/ذی الحجہ کو منیٰ اور ۹/ذی الحجہ کو عرفہ میں جانا ضروری ہے، لہٰذا قصر کرنا (چار رکعت والی نماز کو دو رکعت پڑھنا) ضروری ہے۔ (معلم الحجاج:۱۷۳)

جو شخص مکۃ المکرّمہ میں ۱۵/دن ٹھہرنے کی نیت کرے، اور ۸/ذی الحجہ تک برابر ۱۵/دن ہوتے ہوں، تو یہ شخص مکۃ المکرّمہ میں مقیم شمار ہوگا، لہٰذا نماز پوری پڑھے، اس کے بعد منیٰ اور عرفات میں بھی نماز پوری پڑھے، اس لیے کہ مسئلہ یہ ہے کہ مسافر کسی جگہ ۱۵/دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو یہ جگہ اس کے لیے وطن اقامت کہلائے گی، اور نماز پوری پڑھنا پڑے گی، اس کے بعد وطن اقامت سے ۴۸/میل کے سفر کا ارادہ ہو، تو قصر کرے ورنہ نماز پوری پڑھے، اس لیے کہ مکۃ المکرّمہ سے منیٰ اور عرفات ۴۸/میل کے کم فاصلہ پر ہے۔ (شامی:۲/۷۷۱)

حاجی کو حج کی ادائیگی کے لیے مختلف جگہوں پر جانا پڑتا ہے، اور کسی جگہ پر ۱۵/دن ٹھہرنے کی نیت نہیں ہوتی، تو چاہے الگ الگ جگہ ٹھہر کر ۱۵/دن ہو جاتے ہوں، تو بھی مسافر شمار ہوگا، اور قصر کرنا ضروری ہے۔ (ہدایہ:۱۴۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۷۳) عورتوں کو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنا:

سوال: عورتوں کے مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ عورتوں کو کہاں نماز پڑھنا چاہیے؟

جواب: عورتیں اپنے وطن میں اپنے گھر میں بغیر جماعت کے اکیلی نماز پڑھتی ہیں، مکۃ المکرّمہ اور مدینہ طیبہ میں بھی اپنے قیام کی جگہ پر تنہا نماز پڑھنا افضل ہے، جو ثواب حرم پاک اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کا ہے، اپنی قیام گاہ پر تنہا نماز پڑھنے میں اس سے زیادہ ثواب ہے، عورتوں کے لیے پردہ کا حکم سب جگہ برابر ہے، اگر طواف کے درمیان حرم شریف میں جماعت شروع ہو جاوے، تو مرد کے برابر کھڑی نہ رہے، بل کہ ایک طرف نماز پڑھ لے، اور ازدحام کم ہونے کے بعد باقی شوط پورے کرلے، اگر عورت جماعت کے ساتھ نماز کے لیے مردوں کے برابر کھڑی ہو جاوے، تو تین مردوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، دائیں اور بائیں اور پیچھے کھڑے رہنے والے مردوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے، کہ اس کے آگے اور دائیں اور بائیں طرف کوئی عورت کھڑی نہ رہے۔

" قال فی فتح القدیر : الواحدۃ تفسد صلوۃ ثلاثۃ واحد عن یمینھا وآخر عن شمالھا وآخر عن خلفھا " . (عمدۃ الرعایۃ : ۱/۱۵۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۷۴) اپنے رشتہ داروں کی طرف سے طواف:

سوال: اگر کوئی شخص اپنے رشتہ دار یعنی بھائی، بہن، بھائی کی زوجہ، بہنوئی، اپنی زوجہ اور اپنی اولاد اور

بھائی کی اولاد، اپنے والدین کی طرف سے طواف کر سکتے ہیں؟ اگر کیا تو کفارہ لازم ہوگا؟

جواب: بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے، البتہ طواف میں بات کرنا جائز ہے، اور نفل نماز جتنی چاہے پڑھ سکتا ہے، اسی طرح طواف بھی جتنے چاہے کرسکتا ہے، بل کہ حج کے زمانے میں آفاقی (یعنی باہر سے آنے والے) کے لیے طواف کرنا نماز سے افضل ہے۔

اپنے لیے طواف کرنا جائز ہے، تو اسی طرح دوسرے زندہ یا مردہ کی طرف سے طواف کرنا بھی جائز ہے، اور طواف کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

" ویطوف بالبیت کلما بدأ له لانه یشبه الصلوة ، قال علیه السلام : الطواف بالبیت کالصلوة ، والصلوة خیر موضوع ، فکذا الطواف ویطوف بالبیت نفلاً ما اراد بلا رمل وسعی ، وذلک لانه افضل من الصلوة نافلة للآفاقی".

(هدایه : ۱/۲۲۳، الدر المنتقی علی مجمع الانهر: ۱/۲۷۴، البحر الرائق : ۲/۳۳۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۹/۱۰/ ۱۹۸۰ء

(۱۴۷۵) حج کے سفر میں مالداری کی قربانی:

سوال: ایک شخص ہر سال اپنے وطن (ہندوستان) میں قربانی کرتا تھا، اس سال حج کے لیے گیا تو وطن میں قربانی نہیں کی، قربانی کے لیے ایک چھوٹا جانور (بکرا) گھر پر رکھا ہے، تو اس کے گوشت کا حق دار کون ہے؟ رشتہ دار یہ گوشت کھا سکتے ہیں؟

جواب: حاجی مکۃ المکرّمہ میں مسافر ہو، یعنی مکۃ المکرّمہ میں ۱۵/دن سے کم رہنے کی نیت ہو، تو ایسے حاجی پر ذی الحجہ کی قربانی (مالدار ہونے کی قربانی) کرنا واجب نہیں، لہٰذا وطن میں قربانی کی جاوے تو نفل قربانی شمار ہوگی، اور قربانی کا گوشت غریب اور مالدار سب استعمال کر سکتے ہیں۔

(معلم الحجاج: ۱۷۴)

اگر مکۃ المکرّمہ میں مقیم ہوتو مالداری کی قربانی واجب ہوگی، اور یہ باقی ہےتو قربانی کے لیےخریدا ہوا چھوٹا جانور(بکرا)غریبوں کو دے دیا جاوے۔(درمختار مع الشامی:۲۷۹/۵)فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۵/جمادی الثانی/ ۱۴۰۸ھ

(۱۴۷۶)حاجی پر مالداری کی قربانی:

سوال: حج میں جانے والے پر مالداری کی قربانی مکۃ المکرّمہ میں کرنا واجب ہے؟

جواب: جولوگ حج کے لیے مکۃ المکرّمہ حج سے پہلے،یعنی کم سے کم ۸/ویں ذی الحجہ سے پہلے مکہ پہنچ جاویں، اور وہاں ۱۵/دن قیام کی نیت کرلے،تو ان پر مالداری کی قربانی واجب ہے، یہ قربانی منیٰ میں کرے یا وطن میں کراوے،اور اگر حج سے پہلے مکہ پہنچ کر ۱۵/دن قیام کی نیت نہ ہوتو وہ مسافر ہے،اور مسافر پر مالداری کی قربانی واجب نہیں،لہٰذا ایسے حاجی پر مالداری کی قربانی واجب نہیں۔

" فلا تجب علی حاج مسافر".

(در مختار مع الشامی: ۲۷۵/۵، معلم الحجاج : ۲۱۳)

اس بات کو خیال میں رکھا جاوے کہ مکۃ المکرّمہ کی میونسپل کارپوریشن نے منیٰ کو مکۃ المکرّمہ شہر میں شامل کردیا ہے، لہٰذا منیٰ مکۃ المکرّمہ کا فناء شمار ہوگا، لہٰذا منیٰ مکۃ المکرّمہ کا ہی ایک حصہ ہے، منیٰ کا حکم بھی مکۃ المکرّمہ کی طرح شمار ہوگا، لہٰذا حاجی مکہ پہنچنے کے بعد مکۃ المکرّمہ اور منیٰ میں قیام کے دنوں کو شامل کرکے مکہ سے واپسی تک ۱۵/دن قیام کے ہوتے ہوں،تو مقیم شمار ہوگا، اور اگر مکۃ المکرّمہ پہنچنے سے واپسی تک قیام کے ۱۵/دن سے کم ہوتے ہوں،تو مسافر شمار ہوگا، ہندوستان اور پاکستان کے علماء نے وہاں جاکر خود دیکھ کر اور معلوم کرکے فیصلہ کیا ہے،مزدلفہ کو بھی فناءِ مکہ میں شامل مان لیا ہے۔

نوٹ:اس مسئلہ کا تعلق مقاماتِ مقدسہ؛منیٰ،مزدلفہ اور عرفات کی جو شرعی حد مقرر کی گئی ہے،اس کے ساتھ نہیں،اس لیے کہ منیٰ،مزدلفہ اور عرفات کی حد شرعاً مقرر ہے،اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۷۷) وطن میں مالداری کی قربانی:

سوال: ایک شخص حج کے لیے جارہا ہے، اس نے وطن میں اپنی قربانی کا جانور خریدا ہے، تو حج میں وطن کی قربانی چل سکتی ہے یا دوسری قربانی کرنا پڑے گی، اور وطن کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: حج میں جانے والے شخص نے وطن میں اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ قربانی کے دنوں میں اس جانور کی وطن میں اس کی طرف سے قربانی کردی جاوے، اور حج میں افراد کی نیت کی ہو تو صرف حج کرنے کی بنا پر (عمرہ نہیں ملایا ہے)، کوئی قربانی (یعنی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کی قربانی) واجب نہیں ہوگی۔

اور اگر قران یا تمتع کی نیت کی ہو، تو ایک سفر میں حج اور عمرہ ادا کرنے کے شکریہ کی وطن میں قربانی کرنا درست نہ ہوگا، منیٰ میں تمتع یا قران کی الگ قربانی کرنا ضروری ہے۔

(ہدایہ: ۲۴۵ر، عمدۃ الرعایۃ: ۳۴۱، درمختار) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۷۸) حاجی پر مالداری کی قربانی اپنے وطن میں کرنا ضروری ہے:

سوال: زید مکۃ المکرّمہ حج لیے جارہا ہے، تو زید پر مکۃ المکرّمہ کے علاوہ اپنے وطن میں بھی قربانی کرنا واجب ہے؟

جواب: پہلے ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ مسافر پر مالداری کی قربانی واجب نہیں، اور مسافر نہ ہو یعنی مقیم ہو اپنے وطن میں، تو صاحب نصاب پر مالداری کی قربانی واجب ہے۔

تو اگر حاجی مکہ پہنچنے کے بعد مکۃ المکرّمہ اور منیٰ میں قیام کے دنوں کو شامل کرکے مکۃ المکرّمہ سے واپسی تک ۱۵ر دن قیام کے ہوتے ہوں، تو مقیم شمار ہوگا، اور اگر ۱۵ر دن سے کم ہوں تو مسافر شمار ہوگا، اور مسافر ہو تو قربانی کرنا واجب نہیں، لیکن مقیم ہو تو قربانی کرنا واجب ہے، اور یہ قربانی مکۃ المکرّمہ یا اپنے وطن میں جہاں چاہے کرسکتا ہے۔

مکۃ المکرّمہ کی میونسپل کارپوریشن نے منیٰ کو مکۃ المکرّمہ میں شامل کردیا ہے، لہٰذا منیٰ مکۃ المکرّمہ کا ایک حصہ ہے۔

"فلا تجب علی حاج مسافر ، ان الاضحیۃ غیر واجب علی الحاج لا سیما المسافرین". (مرقاۃ:۲۳۲/۳، تنویر الابصار:۲۷۵/۵)

نوٹ: اس مسئلہ کا تعلق مقامات مقدسہ؛ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کی جو شرعی حد مقرر کی گئی ہے، اس کے ساتھ نہیں، اس لیے کہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کی حد شرعاً مقرر ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۷۹) مکۃ المکرّمہ میں روافض کے مسافر خانے میں مفت میں قیام:

سوال: ایک شخص حج یا عمرہ کے لیے مکۃ المکرّمہ جارہا ہے، اور مکۃ المکرّمہ میں روافض کے مسافر خانے میں قیام کرتا ہے، جہاں پر قیام کرنا اور کھانا سب مفت میں دیا جاتا ہے، اس کے لیے یہاں "سورت" سے سفارشی خط لینا پڑتا ہے، تو ایسے رباط یعنی مسافر خانے میں قیام کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب: قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَلِلهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ البَيتِ مَنِ ا سْتَطَا عَ اِلَيهِ سَبِيْلاً ﴾ .

(سورۃ آل عمران)

یعنی جو شخص بیت اللہ تک جانے کی طاقت رکھتا ہو، اس پر حج کرنا فرض ہے، مطلب کہ آنے جانے کا کرایہ اور مکۃ المکرّمہ میں رہنے کے درمیان کا ضروری خرچ، معلّمین کی فیس اور مکان کرایہ وغیرہ جس کے پاس ہو تو حج فرض ہے، اگر اتنا مال نہیں تو حج بھی فرض نہیں، عمرہ زندگی میں ایک مالدار پر سنت مؤکدہ ہے، بار بار جانا سنت مؤکدہ نہیں۔

روافض کے عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں، حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو برا بھلا کہنا ان کا عقیدہ، طریقہ اور عادت ہے، وہ ان کی مزار پر بھی حاضر نہیں ہوتے، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" لاَ تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ" "میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو۔"

روافض کے مسافر خانے میں قیام کرنا اور کھانا کھانا مروت کے خلاف ہے، بل کہ ناجائز ہے، ان کے وہاں قیام کرنا اور ان کا کھانا کھانا گویا ان کے طریقہ کو اچھا سمجھنا ہے، اور یہ کفر نہیں تو فسق ضرور ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: " لا یذل نفسه " اپنے آپ کو ذلیل نہ کریں، سفارشی خط لکھوانا اور ان کا کھانا کھانا ان کے تابع ہونے کے مرادف ہے، جس سے حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/ربیع الثانی/۱۴۱۹ھ

(۱۴۸۰) حج کی دعائیں کتابوں میں دیکھ کر پڑھنا:

سوال: حج کی دعاؤں کو کتابوں میں دیکھ کر پڑھنا جائز ہے؟

جواب: حج کی دعاؤں کو کتابوں میں دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔ (فتاوی دار العلوم: ۶/۵۵۳)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں حج کے مقامات میں کوئی دعا مقرر نہیں کی، اس لیے کہ مقررہ دعاؤں کی پابندی سے دل کی نرمی اور خشوع باقی نہیں رہتا، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں پڑھنا ثابت ہے ان دعاؤں کو برکۃً پڑھا جاوے تو بہتر ہے۔ (ہدایہ: ۲۲۰)

" وینبغی ان یستغفر للمؤمنین فی دعائه فی هذه المواقف ، لان النبی علیه السلام قال : اللهم اغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج ". اخرجه الحاکم .

حاجی کے لیے مناسب ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے بخشش کی دعا کرے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اے اللہ! حاجی کو اور حاجی جس کے لیے بخشش چاہے اس کو بھی معاف کردے۔ (هدایه : ۱/ ۲۳۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

عمرہ کا بیان

(۱۴۸۱) عمرہ کی فضیلت اور طریقہ:

سوال: عمرہ کی فضیلت اور طریقہ بیان کریں؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ کرنے والا اللہ کا مہمان ہے، اگر وہ اللہ سے دعا کرے تو اللہ دعا قبول فرماتے ہیں، اور اگر گناہوں سے معافی مانگے تو گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

عمرہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھے اور دو رکعت نماز پڑھے، اور اس طرح نیت کرے:

" اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ فَیَسِّرْهَا لِیْ وَ تَقَبَّلْهَا مِنِّیْ ".

ترجمہ: اے اللہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، اس کو میرے لیے آسان فرما، اور میری طرف سے قبول فرما۔

نماز کے بعد سر پر سے احرام کی چادر اتار دے اور تلبیہ پڑھے۔ تلبیہ یہ ہے:

" لبیک اللھم لبیک ، لبیک لا شریک لک لبیک ، ان الحمد والنعمة لک والملک ، لا شریک لک ".

اس کے بعد حرم پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرے ۷/ شوط کے ساتھ، اس کے بعد صفا و مروہ کی سعی کرے، سعی کے بعد حلق کرے یا قصر کرے اور حلال ہو جاوے۔ یہ ایک عمرہ ادا ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۸۲) زندہ شخص کی طرف سے عمرہ کرنا:

سوال: کیا زندہ شخص کی طرف سے عمرہ کر سکتے ہیں؟ ایک شخص دو چار زندہ لوگوں کی طرف سے عمرہ کر سکتا ہے؟ ایک شخص متعدد مرحومین کی طرف سے عمرہ کر سکتا ہے؟

جواب: زندہ شخص کی طرف سے عمرہ کرنا درست ہے، کسی شخص کے کہے بغیر اس کی طرف سے عمرہ کیا جاوے، تو دو چار کی طرف سے عمرہ کرنا درست ہے، اگر کسی نے اپنی طرف سے عمرہ کرنے کی درخواست کی ہو، اور اس کی درخواست کو قبول کیا ہو، تو ایک مکمل عمرہ کرنے کا وعدہ کرنے کی بنا پر اس میں دوسرے کو شریک کرنا درست نہیں۔

ایک عمرہ کر کے متعدد مرحومین کو ثواب پہنچانا بھی درست ہے، زندہ یا مردے کی طرف سے عمرہ کرنے کا مقصد ان کو ثواب پہچانا ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح نفل نماز اور تلاوت کر کے زندہ یا مردہ کو ثواب پہنچایا جاتا ہے، اسی طرح چار پانچ مرحومین کی طرف سے عمرہ کرنا، یا عمرہ کر کے ثواب پہنچانا دونوں درست ہے۔

" ومن اهل بحجة عن ابويه يجزيه ...... فانما يجعل ثواب حجه له ".

(هدايه : ۱/ ۲۷۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۷/۶/ ۱۹۷۹ء

(۱۴۸۳) زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ سنت مؤکدہ: ایک سے زائد عمرہ کرنا:

سوال: ایک شخص ایک مرتبہ عمرہ کرنے کے بعد اپنی طرف سے دوسری مرتبہ عمرہ کرسکتا ہے؟ اسی طرح اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں کی طرف سے ایک سے زائد مرتبہ عمرہ کرسکتا ہے؟

جواب: صاحب حیثیت پر زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے، اس کے بعد جتنی مرتبہ عمرہ کیا جاوے وہ نفل شمار ہوگا، لہٰذا اپنی طرف سے اور اپنے رشتہ داروں کی طرف سے ایک سے زائد مرتبہ عمرہ کرنا درست ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۱/۶/ ۱۹۷۹ھ

(١٤٨٤) حج کے مہینوں میں حل میں رہنے والوں کا عمرہ کرنا:

سوال: حج کے مہینوں میں حل کا رہنے والا عمرہ ادا کرسکتا ہے؟ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اگر جدہ میں رہنے والا اور حل میں رہنے والا شخص پہلی شوال سے لیکر ١٠/ویں ذی الحجہ تک مکۃ المکرّمہ پہنچ کر عمرہ کرے گا تو دم دینا پڑے گا، اور دم نہیں دے گا تو اس پر عورت حرام رہے گی تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: مکۃ المکرّمہ میں رہنے والا اور جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں، اگر وہ لوگ حج کے مہینے میں حج کرنے والے ہوں، تو حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا ان کے لیے مکروہ ہے، اس لیے وہ متمتع ہوجائے گا، اور مکی کو (میقات میں رہنے والا بھی مکی کے حکم میں ہے) تمتع کرنا مکروہ ہے، اور اگر حج کا ارادہ نہ ہو تو حج کے مہینے میں یعنی؛ شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے ١٠/دن میں صرف عمرہ کرنا صحیح ہے، لہٰذا آپ جس جگہ رہتے ہیں اگر وہ جگہ میقات کے اندر ہے اور حج کا ارادہ نہیں ہے، تو حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرنا درست ہے۔

"یزاد علی الایام الخمسة من کراھة فعلھا فی اشھر الحج لاھل مکة ومن بمعناھم ای من المقیمین، ومن فی داخل المیقات لان الغالب علیھم ان یحجوا فی سنتھم فیکونوا متمتعین، وھم عن التمتع یمنعون والا فلا منع للمکی عن العمرة المنفردة فی اشھر الحج اذا لم یحج فی تلک السنة، ومن خالف فعلیه البیان". (شرح اللباب، شامی: ٢٠٨/٢، زبدۃ المناسک: ٢٥٥/١)

جب کہ حل میں رہنے والا بغیر احرام کے مکۃ المکرّمہ میں داخل ہوسکتا ہے، تو اس پر دم واجب نہیں ہوتا، اور دم نہ دینے کی صورت میں عورت کو طلاق بھی نہیں ہوگی، اور حج کے مہینوں میں جب کہ حج کا ارادہ نہ ہو، تو عمرہ کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا دم لازم نہ ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(١٤٨٥) ماہِ شوال المکرّم میں عمرہ کرنا:

سوال: میں جدہ میں ملازمت کرتا ہوں، میں حج ادا کرچکا ہوں، میں نے رمضان کے بعد شوال میں

عمرہ ادا کیا، تو ایک دوست نے کہا کہ شوال المکرّم میں نہیں کر سکتے تو صحیح حقیقت کیا ہے؟

جواب: ۹/۱۰/۱۱/۱۲/اور۱۳/ذی الحجہ میں عمرہ کرنا حج کرنے والے کے لیے، یا غیر حاجی کے لیے مکروہِ تحریمی ہے، مذکورہ پانچ دنوں کے علاوہ پورے سال کے درمیان عمرہ کرنا جائز ہے، ''فتح القدیر'' میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پانچ دنوں میں عمرہ کرنا منع ہے، اس کے علاوہ ان دنوں سے قبل یا ان دنوں کے بعد جتنے چاہے عمرے کرسکتا ہے، آپ نے فرض حج ادا کرلیا ہے تو شوال المکرّم میں عمرہ کرنا درست ہے، منع نہیں ہے۔

" وهی ای العمرة جائزة فی جميع السنة ... يدل علی جوازها فی اشهر الحج ، وقد اختلف فی ذلک السلف ، والصحيح جوازها بل كراهة بدليل ما روی البخاری فی صحيحه باسناده الی رسول الله ﷺ انه ﷺ اعتمر فی ذی القعدة اربع عمر". (عنايه : ۲/۳۰۴)

" قال البحر ای ابن العباس : خمسة ايام يوم عرفة ويوم النحر وثلاثة ايام التشريق اعتمر قبلها او بعدها ما شئت ". (فتح القدير: ۲/۳۰۴)

''معلم الحجاج'' میں ہے کہ حج لیے ایک وقت معین ہے، عمرہ تمام سال میں ہوسکتا ہے، صرف پانچ دن کے علاوہ۔ (معلم الحجاج:۲۲۲، عمدہ الفقہ :۴/۳۲۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۳/شوال المکرّم/۱۴۱۰ھ

(۱۴۸٦) جس پر حج فرض ہو وہ عمرہ کے لیے جاسکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ: ایک شخص پر حج فرض ہے، فی الحال حج کے دن نہیں ہیں، مگر یہ شخص عمرہ کے لیے جانا چاہتا ہے، تو کیا یہ شخص عمرہ کرسکتا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرماوے!

جواب: جو شخص عمرہ کے لیے جاسکتا ہے، اس پر پوری زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے، اور پورے سال میں پانچ دنوں کے علاوہ (۹/۱۰/۱۱/۱۲/۱۳) جب بھی عمرہ کرنا چاہے، کرسکتا ہے، لہٰذا فی الحال عمرہ کے لیے جاسکتے ہیں، اگر آپ پر حج فرض ہو تو بعد میں حج کرنا ضروری ہے، حج ادا نہ کرنے سے گناہ ہوگا۔

" **العمرة عندنا سنة وليست بواجبة ، ووقتها جميع السنة الا خمسة ايام تكره فيه العمرة ، وهى يوم عرفة ويوم النحر وايام التشريق** ".

(فتاوى عالمگيرى: ۱/ ۲۵۲)

" **لو ملكه مسلما فلم يحج حتى افتقر حيث يتقرر الحج فى ذمته دينا عليه** ". (عالمگيرى : ۱/ ۲۳۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۸/۲۰/ ۱۹۷۹ء

(۱۴۸۷) جس پر حج فرض ہو وہ صرف عمرہ کرسکتا ہے؟

سوال: ایک شخص پر حج فرض ہے، اور ابھی حج ادا نہیں کیا، تو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کے لیے جاسکتا ہے؟

جواب: مالدار شخص پر حج فرض ہے، اور عمرہ سنت مؤکدہ ہے، اور ذی الحجہ کے پانچ دن کے علاوہ (۹/۱۰/۱۱/۱۲/۱۳) پورے سال میں جب چاہے عمرہ ادا کرسکتا ہے، لہٰذا حج فرض ہے تو سب سے پہلے جلدی سے حج کرنا چاہیے، اور حج کے سفر میں عمرہ بھی کرلے، پھر بھی صرف عمرہ کے لیے جاسکتے ہیں، مگر بعد میں حج فرض ہونے کی بنا پر حج کرنا ضروری ہے۔

" **العمرة عندنا سنة ، ووقتها جميع السنة الا خمسة ايام تكره فيه العمرة** ". (عالمگيرى : ۱/ ۲۵۲، ۱/ ۲۳۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۸۸) طواف افضل ہے یا نفل نماز؟ دوسروں کی طرف سے طواف کرنا:

سوال: حج میں جانے والا شخص اپنے والدین اور رشتہ داروں کی طرف سے طواف کرسکتا ہے؟ اور حج میں جانے والے کے لیے مکۃ المکرّمہ کے قیام کے درمیان نفل طواف کرنا افضل ہے؟ یا نفل نماز پڑھنا افضل ہے؟

جواب: حج میں جانے والا مکہ کے قیام کے درمیان جب بھی چاہے طواف کرسکتا ہے، اور بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے، جس طرح نماز پڑھنے سے ثواب ملتا ہے، اسی طرح نفل طواف جتنے بھی زیادہ کرے گا زیادہ ثواب ملے گا، جس طرح نفل نماز جتنی چاہے پڑھ سکتا ہے، اسی طرح نفل طواف بھی جتنا چاہے کرسکتا ہے، بل کہ مکی کے علاوہ باہر سے آنے والوں کے لیے نفل نماز کی بنسبت نفل طواف افضل ہے، اور اپنے لیے طواف کرسکتا ہے، تو دوسروں کی طرف سے بھی، یعنی زندہ اور مردوں کی طرف سے بھی طواف کرنا جائز ہے۔ (ہدایہ:۲۲۳، الدرالمنتقی:۱/۴/۲۷، بحر:۱/۴/۲۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۸۹) آفاقی کے لیے مکۃ المکرّمہ میں کونسی عبادت افضل ہے؟

سوال: آفاقی کے لیے مکۃ المکرّمہ میں زیادہ سے زیادہ عمرہ کرنا افضل ہے یا نفل نماز پڑھنا افضل ہے؟

جواب: آفاقی کے لیے مکۃ المکرّمہ میں قیام کے درمیان عمرہ اور نفل نماز کی بنسبت بغیر رمل کے طواف کرنا افضل ہے۔ (ہدایہ:۲۲۲، بحرالرائق:۲/۴/۲۳، الدرالمنتقی:۴/۲۷، معلم الحجاج:۲۴۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۹۰) دومرتبہ حج ادا کرلیا، اب عمرہ کرنا افضل ہے یا صدقۂ جاریہ؟

سوال: ایک شخص دومرتبہ حج ادا کرچکا ہے، اب اس کے رشتہ دار عمرہ کے لیے جانے کو کہتے ہیں، تو وہ کہتا ہے کہ میں نے دومرتبہ حج کرلیا ہے، اب بجائے عمرہ کے کچھ مال صدقۂ جاریہ میں خرچ کروں،

تو میرے رشتہ دار اور مرحومین کو ثواب پہنچے اور دوسروں کا بھی نفع ہو، لہٰذا عمرہ کرے یا صدقہ جاریہ میں خرچ کرے؟

جواب: اصل مدار ضرورت پر ہے، جس چیز کی ضرورت زیادہ ہو اور بہت لوگوں کو نفع پہنچتا ہو تو وہ کام کرنا افضل ہوگا، اگر کسی جگہ مسجد کی ضرورت ہو یا دینی تعلیم کے لیے مدرسہ کی ضرورت ہو، یا مسافر خانہ کی ضرورت ہو، تو ان کاموں میں خرچ کرنا صدقہ کرنے اور نفل حج کرنے سے افضل ہے، اگر کوئی شخص مجبور ہو، یا متقی ہو، سید ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہوں، تو ان کی مدد کرنا حج اور عمرہ سے بھی افضل ہے۔ (شامی: ۲/۲۴۸)

''شامی'' میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک ہزار دینار جمع کر کے حج میں جانے کی تیاری کی، راستہ میں ایک عورت نے کہا کہ میں اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتی ہوں، میں حاجت مند ہوں، اگر آپ کے پاس کچھ مال ہو تو میری مدد کرو، تو اس شخص نے وہ ایک ہزار دینار اس عورت کو دیدیئے، جب اس کی بستی کے لوگ حج ادا کر کے واپس آئے، تو وہ مال خرچ کرنے والے کو مبارک بادی دینے لگے، وہ شخص تعجب کرنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل بیت النبی صل اللہ علیہ وسلم کی مدد اور اس کا احترام کیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی شکل کا ایک فرشتہ پیدا کیا، اور اس فرشتہ نے آپ کی طرف سے حج ادا کیا، اور قیامت تک حج ادا کرتا رہے گا۔ (شامی: ۲/۳۴۸)

قرآن حکیم میں ہے:

﴿لَيَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ﴾ . (سورة الحديد)

ترجمہ: تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ دوسروں کے برابر نہیں، بل کہ ان لوگوں کا درجہ فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے والوں سے افضل ہے، کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان کم اور دشمن زیادہ تھے، ایسے وقت جان و مال کی زیادہ ضرورت تھی، ایسے حالات میں مال خرچ کرنا افضل ہے۔ (روح المعانی: ۱۴/۱۷۲)

لہٰذا ضرورت ہو، لوگ مصیبت میں مبتلا ہوں، جیسے فسادات ہوں؛ کہ لوگوں کا مالی نقصان ہوگیا، ایسے سخت ضرورت کے موقع پر نفل حج اور عمرہ کرنے کی بہ نسبت غریب اور نادار لوگوں کی مدد کرنے میں ان شاء اللہ زیادہ ثواب ملے گا۔

﴿لاَ يَسْتَوِیْ مِنْكُمْ ...... اُوْلٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً﴾ . **لانهم انما فعلوا ما فعلوا عند كمال الحاجة الى النصرة بالنفس والمال لقلة المسلمين وكثرة اعدائهم فكان ذلك انفع**". (تفسير روح المعانی: ۱۴/۲۷۱۲) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۹۱) نفل حج افضل ہے یا غریبوں کی مدد کرنا:

سوال: ہر سال حج اور عمرہ کرنا افضل ہے یا غریبوں کی مدد کرنا؟ یا مسجد اور مدرسوں کی مدد کرنا افضل ہے؟

جواب: جس وقت جس کی ضرورت زیادہ ہو، اس پر عمل کرنے سے ثواب زیادہ ملتا ہے، اور وہ عمل افضل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ الگ شخصوں نے ایک ہی سوال کیا: " **أی الأعمال احب الی الله** "؟ کون سا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی سوال کا الگ الگ جواب دیا، کسی کو کہا کہ نماز وقت پر ادا کرنا، کسی کو جواب دیا کہ کھانا کھلانا، کسی کو جواب دیا کہ والدین کی خدمت کرنا، لہٰذا جس کی حالت کے مناسب جو تھا، اور جس شئ میں اصلاح ہوتی، اور جس کو جو ضرورت ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ویسی ہی اصلاح فرماتے تھے۔ (مشکوۃ المصابیح: ۵۸، مرقاۃ: ۱/۳۸۷)

لہٰذا جس وقت جہاں خرچ کرنے کی ضرورت زیادہ ہو، وہاں خرچ کرنے میں ثواب زیادہ ملے گا۔ فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۹۲) عمرۂ بدل میں دوسرے کو شامل کرنا:

سوال: حج میں جانے والا زندہ یا مردہ کی طرف سے ایک عمرہ میں ایک سے زیادہ لوگوں کو شریک کرسکتا ہے؟

جواب: زندہ کی طرف سے عمرہ کرنا درست ہے، کسی کے کہے بغیر اس کی طرف سے عمرہ کرے، اور ایک سے زیادہ کی بھی طرف سے عمرہ کرے تو یہ درست ہے، اگر کسی شخص نے اپنی طرف سے عمرہ کے لیے کہا ہو، اور اس کی طرف سے عمرہ کرنا قبول کیا ہو، تو پورا عمرہ کرنے کے وعدہ کی بنا پر اس میں دوسرے کو شامل کرنا مناسب نہیں، ایک عمرہ کا ثواب ایک سے زائد مردوں کو پہچانا درست ہے، دوسروں کی طرف سے عمرہ کرنے کا مقصد ان کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے، جس طرح نفل نماز، حج، تلاوت وغیرہ والدین اور متعدد مردوں کی طرف سے ادا کرنا درست ہے، اسی طرح متعدد مردوں کی طرف سے عمرہ کرنا بھی درست ہے۔

" ومن اهل بحجة عن ابويه يجزيه فانما يجعل ثواب حجه له ".

(هدايه : ۱ / ۲۷۹) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۴۹۳) حج کے مہینوں میں حل میں رہنے والے کا عمرہ ادا کرنا:

سوال: حج کے مہینوں میں حل میں رہنے والا عمرہ ادا کرسکتا ہے؟

جواب: مکۃ المکرّمہ میں رہنے والا اور وہ شخص جو میقات کے اندر رہتا ہو، اگر یہ لوگ حج کا ارادہ رکھتے ہوں، تو حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنا ان کے لیے مکروہ ہے، اس لیے کہ عمرہ اور اس کے بعد حج ادا کرے گا، تو متمتع ہوگا، اور مکی اور میقات کے اندر رہنے والے کا تمتع کرنا مکروہ ہے، اگر ان لوگوں کا حج کرنے کا ارادہ نہ ہو، تو حج کے مہینوں میں (شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے ۱۰/ دن) صرف عمرہ

کرنا درست ہے، لہٰذا آپ سعودیہ میں جس جگہ رہتے ہیں، وہ جگہ میقات کے اندر ہو، اور آپ کا حج کرنے کا ارادہ نہ ہو، تو حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنا درست ہے، البتہ حج کے پانچ دنوں میں عمرہ نہ کیا جاوے۔

" (تنبيه) يزاد على الأيام الخمسة ما في اللباب وغيره من كراهة فعلها في أشهر الحج لأهل مكة ، ومن بمعناهم أي من المقيمين ، ومن في داخل الميقات لأن الغالب عليهم أن يحجوا في سنتهم ، فيكونوا متمتعين ، وهم عن التمتع ممنوعون ، وإلا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج " .

(شامی : ۲/ ۴۷۳ ، مطلب أحكام العمرة ، مكتبه سعيد) فقط

واللہ اعلم بالصواب

کتاب النکاح

نکاح صحیح کا بیان

(۱۴۹۴) نکاح کا طریقہ:

سوال: نکاح کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: نکاح کا طریقہ یہ ہے کہ نکاح کی مجلس میں نکاح کرنے والا دو گواہوں کے سامنے کہے کہ؛ میں نے فلاں لڑکی کے ساتھ نکاح کیا، اسی مجلس میں لڑکی یا لڑکی کی طرف سے وکیل کہے کہ میں نے اس نکاح کی اجازت دی، اور نکاح کا قبول ایک ساتھ دونوں گواہ سن لیں، تو نکاح ہو جاوے گا۔

(وینعقد) ...... (بإیجاب) ...... (وقبول) ...... وضعا للمضی ...... (کزوجت) نفسی ...... او بنتی اوموکلتی منک (و) یقول الآخر (تزوجت)".

(درمختار مع الشامی :۳/۱۰)

" (شرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر) لیتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدین (حرین) أو حر وحرتین (مکلفین سامعین قولهما معا) علی الأصح ". (در مختار مع الشامی :۳/۲۲، کتاب النکاح ، مکتبه سعید)

" (ومنها) ان یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحد ".

(عالمگیری : ۱/۲۶۹، کتاب النکاح ، الباب الأول)

مذکورہ صورت میں دو مسلمان گواہوں کے سامنے نکاح کرنے والے سے دریافت کیا جاتا ہے اور وہ منظور کرتا ہے، اور بالغ لڑکی کی اجازت لے کر اس کا وکیل بھی ہاں کہتا ہے، تو یہ نکاح صحیح اور درست ہے، تین مرتبہ دریافت کرنا ضروری نہیں، ایک ہی مرتبہ قبول کرنے سے نکاح صحیح اور درست ہو جائے گا۔

" لا یشترط تعدد اللفظ فانه لو قال ولی الصغیرین او وکیل الجانبین :

زوجت من هذه فانه يكفي ، صرح به في جامع المضمرات ".

(عمدة الرعاية: ٢/٦)فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۵/۴/ ۱۹۷۰ھ

(۱۴۹۵) طلاق دینے کے ارادے سے نکاح کرنا:

سوال: اگر طلاق دینے کے ارادے سے کوئی شخص نکاح کرے، تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ عورت کو خبر نہیں کہ یہ شخص چند دنوں کے بعد طلاق دیدے گا، عورت کا تو اس کے ساتھ ہمیشہ رہنے کا ارادہ ہے؟

جواب: طلاق دینے کے ارادے سے نکاح کرے، اس سے اگر یہ مراد ہو کہ شرعی طریقہ پر نکاح کیا جاوے، مگر شرارتاً مرد کا یہ ارادہ ہو کہ کچھ مدت کے بعد عورت کو طلاق دیدوں گا، اور نکاح کے وقت مدت متعین نہ کی جاوے، اور عورت اور لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ہمیشہ کے لیے نکاح ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں نکاح درست ہو جاوے گا، مگر بغیر وجہ کے طلاق دینے سے مرد سخت گنہگار ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۸/۷/ ۱۹۷۹ء

(۱۴۹۶) اپنے سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا:

سوال: مسلمانوں میں مرد کا اپنے سے کم عمر کی بالغہ لڑکی سے، اور بڑی عمر کی عورت سے نکاح کرنے کا دستور ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت رہی ہے، تو کیا شرعاً مرد اور عورت کی عمر کے فرق کی کوئی قید ہے؟ ۲۶/سال کی عورت کے ساتھ ۶۰/سال کا صحت مند مرد نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: نکاح کے لیے شرعاً کوئی عمر کی قید نہیں، لڑکے اور لڑکی کی عمر میں آپس کی مصلحتیں اور دونوں کی ازدواجی زندگی کا خیال رکھ کر، دونوں کی عمر میں برابری کی رعایت رکھی جاوے تو بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال کا مدار شرعی مصلحتوں پر تھا، اس میں بے شمار مصلحتیں

تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل میں شک وشبہ نہ کیا جاوے۔ (فتاوہ محمودہ:۲۰۹/۹)

ازواجِ مطہرات درحقیقت مدرسہ محمدیہ کی طالبات تھیں، ۶۰/سال کا بوڑھا مرد ۲۶/سال کی نوجوان عورت سے نکاح کرے، تو نکاح میں کوئی حرج نہیں، مگر دونوں کی زندگی اچھی طرح گذرنا مشکل ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۰۰۲/۷/۳

(۱۴۹۷) متبنیٰ باپ کا نام لیا تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

سوال: زید عمر کا بیٹا ہے، مگر بکر نے اس کو متبنیٰ بنایا ہے، اور پال پوس کر بڑا کیا، اب زید کے نکاح کے وقت عقد کرانے والے سے غلطی ہوئی کہ زید بن بکر کے ساتھ نکاح کرایا، تو اس کا حقیقی باپ عمر کے بجائے متبنیٰ باپ بکر کا نام لیا، تو زید کا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں زید کا نکاح صحیح ہوگیا، اس لیے کہ باپ کی نسبت کا مطلب یہ ہے کہ زید جو بکر کی تربیت میں ہے، اس کے ساتھ نکاح ہورہا ہے، بل کہ جو عمر کا نام لیا جاتا تو ہوسکتا ہے کہ زید کا تعارف اتنی حد تک نہ ہوتا جتنا کہ بکر کا نام لینے سے ہو، اور اصل مقصد عدم تعارف کو دور کرنا ہے، اور یہاں زید کا تعارف ہوگیا، لہٰذا نکاح صحیح ہوگیا۔

" نظیره فی الشامی : لو جرت المقدمات علی معینة وتمیزت عند الشهود ایضا یصح العقد ، وهی واقعة الفتوی لان المقصود نفی الجهالة ".

(شامی : ۶۲/۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۴۹۸) عقد نکاح کے وقت دولہا کو کتنی مرتبہ پوچھا جاوے؟

سوال: عقد نکاح کے وقت عقد کرانے والا دولہا کو ایک ہی مرتبہ پوچھے تو نکاح صحیح ہوگا؟

جواب: نکاح کا عقد کرانے والے مولانا صاحب دولہے کو قبول نکاح کے لیے ایک مرتبہ پوچھے، اور نکاح کرنے والا ایک ہی مرتبہ قبول کرے، تو اس طرح ایک ہی مرتبہ پوچھنے سے نکاح صحیح اور درست ہے، تین مرتبہ پوچھنا ضروری نہیں۔ (امداد الفتاوی:۲/۱۹۳) فقط

والله اعلم بالصواب

۳۰/۴/ ۱۹۷۰ء

(۱۴۹۹) نکاح کے ایجاب وقبول سے پہلے کلمۂ شہادت پڑھانا:

سوال: ایک شخص کا نکاح ہو رہا تھا، مولانا صاحب نے اس کے پاس کلمۂ شہادت نہیں پڑھایا، اور فقط خطبۂ نکاح پڑھ کر ایجاب وقبول کرا لیا، تو یہ نکاح صحیح ہوگا؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کلمۂ شہادت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا، تو مذکورہ صورت میں دوبارہ نکاح کا عقد کرانا پڑے گا یا نہیں؟

جواب: نکاح کے صحیح ہونے کے لیے ایجاب وقبول اور دو گواہوں کا ہونا، اور گواہوں کا ایک ہی وقت میں ایجاب وقبول کے الفاظ کا سننا ضروری ہے، اس کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا، البتہ کلمۂ شہادت پڑھانا نکاح کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں، کلمۂ طیبہ پڑھائے بغیر نکاح صحیح ہو جاتا ہے، دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں۔

(فتاوی دار العلوم جدید:۷/۵۴، شرح وقایہ:۲/۸، فتاوی دار العلوم:۸/۳۱۲) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۵۰۰) گواہوں کے سامنے ''تو میری بیوی ہے''، ''تو میرا شوہر ہے'' کہنا:

سوال: ایک مرد اور ایک عورت نکاح کے ارادے سے، عورت مرد کو اپنا شوہر قبول کرے (اپنا شوہر کہے)، اور مرد عورت کو اپنی بیوی کے طور پر قبول کرے (یعنی تو میری بیوی ہے)، اس طرح گواہوں کی موجودگی میں کہنے سے نکاح صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب: دو گواہوں کے سامنے عورت مرد کو کہے: میں نے اپنی ذات کو تیرے نکاح میں دیا، اور اسی

مجلس میں مرد دو گواہوں کے سامنے قبول کرے تو نکاح صحیح ہوگا، باقی صرف گواہوں کے سامنے یوں کہے کہ: تو میری بیوی ہے، اورعورت یوں کہے: تو میرا شوہر ہے، تو اس طرح کہنے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

" قال فی الخانیة : روی عن ابی حنیفة انه قال : کل ما یقبل ملک الرقبة فی الامة یقبل ملک النکاح فی الحرة اذا قالت المرأة لرجل عند الشهود تصدقت بنفسی علیک او وهبت نفسی منک علی وجه النکاح فیقول الرجل قبلت یکون نکاحا ". (فتاوی کاملیة : ۲۰)

" وینعقد النکاح بالایجاب والقبول ، ومن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس اذا کان الشخصان حاضرین ، ولو اختلف المجلس لم ینعقد ".
(فتاوی کاملیة : ۱۹، ۱۸)

" لو قال: ''ایں زنِ من است'' بمحضر من الشهود فقالت المرأة: ''ایں شوئے من است''، ولم یکن بینهما نکاح اختلف المشائخ رحمهم الله فیه والصحیح انه لا ینعقد النکاح ". (خلاصة الفتاوی: ۲/۴)

" لا بقولها عند الشهود ما زن وشوئیم ". (شرح وقایه : ۲/۷) فقط
واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۰۱) نکاح کی سند (سرٹیفیکٹ) پر دستخط کرنے سے نکاح:

سوال: لڑکا دوسرے ملک میں ہے اور لڑکی ہندوستان میں ہے، ان دونوں کا نکاح کسی مجلس میں نہیں ہوا، صرف سند (سرٹیفیکٹ) پر دونوں نے دستخط کی ہے، نہ نکاح کا خطبہ پڑھا گیا، اور نہ گواہ اور وکیل کوئی بھی نہیں تھا، تو کیا اس طرح نکاح درست ہوسکتا ہے، فی الحال دونوں ساتھ رہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح صحیح ہونے کے لیےضروری ہے کہ لڑکا اورلڑکی، یا لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل دو مسلمان گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب اورقبول کرے، اور دونوں گواہ ایک ساتھ سنے، لہذا گواہ نہ ہوں، یا زبان سے تلفظ کے بغیر صرف دستخط کرنے سے نکاح نہ ہوگا۔

" **لا بد من التلفظ ولو من احد الجانبين ، فان الكتابة المجردة من الطرفين لا تكفى**". (عمدة الرعاية : ۲/ ۵)

لہٰذا گواہوں کے سامنے نکاح نہ کیا ہو،صرف کاغذ پر لڑکے اورلڑکی نے دستخط کی، اور زبان سے تلفظ نہ کیا ہو، تو یہ نکاح نہ ہوگا، ساتھ رہنا حرام ہے، یہ زنا شمار ہوگا، اولاد حرامی شمار ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۰۲) بالغہ کا جبراً نکاح کرانا:

سوال: کلثوم بی بی دوسرے ملک میں ہے، اور زید بھائی ہندوستان میں ہیں، زید کا نکاح شرعی طور پر ہوا ہے، کلثوم بی بی سے جبراً نکاح کے سرٹیفیکٹ پر دستخط کرائی ہے، دستخط کرنے بعد کلثوم بی بی نے کہا کہ مجھے تیرے ساتھ نکاح نہیں کرنا ہے، مجھ سے زبردستی دستخط کرائی ہے، اور زید کے ساتھ فون یا خط کے ذریعے سے کوئی بات چیت بھی نہیں ہوئی ہے، تو کیا لڑکی دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

جواب: لڑکی بالغہ ہو اور جبراً دستخط کرائی ہو، اورلڑکی کی طرف سے مذکورہ نکاح کی رضامندی کی کوئی علامت آج تک؛ مثلاً خط وکتابت، یا فون پر گفتگو کرنا، ہدیہ بھیجنا یا ہدیہ قبول کرنا ایسا کچھ نہ ہوا ہو، اور ولی نے بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کرایا ہو تو نکاح نہ ہوگا۔

" **والبكر البالغة لا تجبر عندنا** ". (شرح وقايه : ۲/ ۲۱، مكتبه بلال ديوبند)

" **وخيار الغلام والثيب (كانت بكرا عند النكاح) لا يبطل بلا رضاء صريح او دلالة الصريح** ". (شرح وقايه : ۲/ ۲۵، مكتبه بلال)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں ایک عورت "خنساء" کا نکاح ان کے باپ

نے ان کی رضامندی کے بغیر کرادیا،اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکراس کی شکایت کی،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح ردکردیا۔

" **عن خنساء بنت حذام الانصارية ان اباها زوّجها ، وهي ثيب فكرهت ذلک ، فأتت رسول الله فردّ نكاحها** ". (بخاری : ۲/ ۷۷۱)فقط

واللہ اعلم بالصواب

۸ر رجب المرجب ر ۱۴۲۰ھ

(۱۵۰۳) دھوکہ سے نکاح کے سرٹیفیکٹ پر دستخط کرالینا:

سوال: ایک مرد نے ایک عورت کی اجازت کے بغیر اور عورت کے کہے بغیر ایک تحریر اس قسم کی ایک کاغذ پر لکھی: میں (عورت) نے اپنی ذات کو اس مرد کے نکاح میں ان دو گواہوں کے روبرو بخش دیا، پھر اس تحریر پر اس عورت کی دستخط لے لی، گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہوا، بعد میں گواہوں کے طور پر دو الگ الگ مرد سے اس کاغذ پر دستخط لے لی،تو کیا اس صورت میں نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ کیا عورت کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں نکاح نہیں ہوا،عورت خودمختار ہے، دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے،نکاح صحیح نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بلا تلفظ محض تحریر سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے، اور مذکورہ صورت میں دونوں جانب سے تلفظ نہیں ہے بل کہ صرف تحریر ہے،نکاح صحیح نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا اور ایجاب وقبول کا ایک ساتھ سننا ضروری ہے، اور یہاں گواہ موجود نہیں ہے، بل کہ صرف گواہوں کے الگ الگ کاغذوں پر دستخط لے لیے ہیں، لہٰذا مذکورہ طریقہ پر نکاح ہوا ہی نہیں،عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا بالکل درست ہے۔

" **هو النكاح ينعقد بايجاب وقبول لفظهما ، وفيه اشارة الى انه لا بد من التلفظ ، ولو من احد الجانبين فان الكتابةالمجردة من الطرفين لا تكفي** ".

" (ولا ینعقد بکتابۃ حاضر) فلو کتب تزوجتک فکتبت قبلت لم ینعقد ...... اذ الکتابۃ من الطرفین بلا قول لا تکفی ".

(شامی: ۳/ ۱۲، مکتبہ سعید، عالمگیری: ۸/ ۲۷۰، مجمع الانہر: ۱/ ۱۵۹)

" وشرط سماع کل واحد منہما لفظ الآخر وحضور حرین او حر وحرتین ...... مکلفین مسلمین سامعین معا لفظھما فلا یصح ان سمعا متفرقین".

(شرح وقایہ: ۲/ ۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۰۴) دوسرے نکاح کے لیے پہلی بیوی کی اجازت:

سوال: میں شادی شدہ ہوں، ۱۸/ سال قبل پہلی بیوی کو طلاق دی تھی، اب دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں، تو موجودہ بیوی کی اجازت لینا ضروری ہے؟

جواب: ایک عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت کے ساتھ بغیر ضرورت کے نکاح نہ کرے، چاہے دونوں عورتوں میں انصاف کرنے کی امید ہو، دوسری عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے موجودہ منکوحہ کو تکلیف اور غم ہوگا، اس خیال سے نکاح نہ کرے گا تو ثواب ملے گا، اگر دونوں عورتوں میں انصاف کرنے کی امید نہ ہو، تو دوسرا نکاح کرنا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّاتَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ .

ترجمہ: اگر تم خوف کرتے ہو کہ دونوں عورتوں میں انصاف نہ کرسکو گے، تو ایک عورت پر صبر کرو، ایک سے زائد عورتیں نکاح میں ہوں تو کھانے، پینے، کپڑے اور رات گذارنے میں برابری اور انصاف کرنا ضروری ہے۔ (اصلاحِ انقلابِ امت از حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: ۲/ ۱۴۴)

" وورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من کانت لہ امرأتان ومال الی احدھما جاء یوم القیامۃ وشقّہ مائل ". (عمدۃ الرعایہ: ۲/ ۶۳، باب القسم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے نکاح میں دو عورتیں ہوں، اور ایک عورت کی طرف جھک گیا (دوسری کا خیال نہ رکھا)، تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے بدن کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا، اور دوسرا حصہ اوپر کو اٹھا ہوا ہوگا۔

بالغ ہونے کے بعد بیوی کی اجازت تو کیا، کسی کی بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں، خود نکاح کرسکتا ہے۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

۵/۸/ ۱۹۹۶ھ

(۱۵۰۵) بیوی مطیع نہ ہو تو مرد دوسرا نکاح کرسکتا ہے؟

سوال: میرے نکاح کو دس سال ہوئے، تین بچے بھی ہیں، بیوی کے ساتھ اختلاف ہوتا رہتا ہے، فی الحال وہ اپنے والد کے گھر پر ہے، سمجھانے کے باوجود صاف انکار کرتی ہے، زیادہ اصرار کرنے سے طلاق تک بات پہنچ جاتی ہے، اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے کرتی ہے، ایسی حالت میں میں اس کو اس کے والد کے گھر رہنے دوں، اور دوسرا نکاح کرلوں تو کیا گناہ ہوگا؟

مذکورہ سوال کے متعلق عورت کا بیان:

جناب مفتی صاحب مذکورہ تفسیر بالکل غلط ہے، میں میرا شوہر جہاں کہے وہاں رہنے پر راضی ہوں، میری والدہ ضعیف اور اپاہج ہے، اس بنا پر میں اپنی والدہ کے پاس رہتی تھی، میں اپنی رضامندی سے شوہر کے مکان پر رہنے کو تیار ہوں، اس کے متعلق میں نے دریافت بھی کیا ہے، اپنے شوہر کی تمام باتیں ماننے کو تیار ہوں، ایسی حالت میں کیا میرا شوہر دوسرا نکاح کرسکتا ہے؟ (ہرن گاؤں)

جواب: شریعت نے مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ عدل کرے، قرآن حکیم میں ہے: اگر تم کو خوف ہو کہ انصاف نہیں کرسکو گے، تو ایک ہی کے ساتھ نکاح کرو۔

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ .

مطلب یہ ہے کہ ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہ کرنے کا خوف ہو تو ایک عورت پر بس کرو۔

حدیث شریف میں عدل نہ کرنے والے شخص کے لیے سخت وعید فرمائی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : " اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيمة وشقة ساقط " . (مشکوۃ المصابیح : ۲۷۹)

" من كانت له امرأتان فمال الى احدٰهما جاء يوم القيٰمة وشقه مائل اى مفلوج ". (فتح القدیر ، باب القسم)

یعنی جس کی دو بیویاں ہوں، اور ایک کی طرف جھک گیا، تو قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک طرف کا حصہ جھکا ہوا (فالج زدہ) ہوگا۔

آپ کی اور آپ کی بیوی کی تحریر الگ الگ ہے، عورت وہاں رہنے کے لیے اور آپ کی فرمانبرداری کے لیے تیار ہے، لہٰذا قرآن اور حدیث کی مذکورہ تعلیم کے بموجب بیوی کو اپنے مکان پر رکھ کر ایک عورت پر اکتفا کیجئے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۵/۹/ ۱۹۸۰ء

(۱۵۰۶) پاگل لڑکی کا نکاح کس طریقہ سے کیا جاوے؟

سوال: ہماری بہن (قریشہ) کا پہلا نکاح ہوا تھا، دماغی توازن صحیح نہ ہونے کی بنا پر شوہر نے طلاق دے دی، اب لوگوں کے کہنے سے دوبارہ نکاح کرایا ہے، تو پاگل لڑکی کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ (بھروچ)

جواب: بالغہ (پاگل) عورت کے نکاح کا ولی اس کا بیٹا ہے، بیٹا نہ ہو تو باپ، اور باپ نہ ہو تو بھائی

نکاح کراوئے تو شرعاً نکاح صحیح ہوگا، لہٰذا مذکورہ عورت پاگل ہے، اور ولی نے نکاح کرایا ہے، تو نکاح صحیح ہوگا۔

" واذا اجتمع فی المجنونة ابوها وابنها فالولی فی انكاحها ابنها فی قول أبی حنیفة وأبی یوسف ". (هدایه: ۲/ ۲۹۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۰۷) مسجد میں عقد نکاح کا ثبوت:

سوال: بعد سلام عرض ایں کہ؛ موجودہ دور میں مسجد میں عقد نکاح ہو رہا ہے، اس کے لیے کوئی کتابی ثبوت ہو، تو براہِ کرم رہنمائی فرمائیں! احادیث کی کتابوں میں رات کو نکاح کرنا افضل بتایا ہے، اور نکاح کے موقع پر گانے کی اور دفّ بجانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے، لہٰذا قرآن اور حدیث اور کتابی معلومات کا حوالہ دے کر بتلائیں کہ مسجد میں شریعت کے مطابق عقد نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اعلان کر کے عقد نکاح کرنا، یعنی ظاہراً نکاح کرنا اور مسجد میں کرنا مستحب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " اعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف ".

(مشکوۃ المصابیح: ۲۷۲، ترمذی: ۱۲۹)

مسجد میں نکاح اس لیے کیا جاوے کہ لوگوں کو نکاح کی اطلاع ہو، مسجد کی برکت حاصل ہو، مسجد عبادت کی جگہ ہے، اور نکاح بھی ایک عبادت ہے، لہٰذا نکاح کی سنت عبادت مسجد میں ادا کرنا مستحب ہے، فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ اور مسلک حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کے شارح علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ: نکاح کے عبادت ہونے کی بنا پر مسجد میں کرنا اور جمعہ کے دن کرنا مستحب ہے۔

" قال ابن الهمام : يستحب مباشرة عقد النكاح فى المسجد لانه عبادة وكونه فى يوم الجمعة ". (مرقاة :۳/۴۲۵، فتح القدير :۳/۲۲۳، البحر الرائق :۳/۸۰)

مسجد میں عقد نکاح کا ثبوت ''ترمذی شریف'' کی مذکورہ حدیث، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس سے ہوتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور قول سے زیادہ مسجد میں نکاح کے ثبوت کے لیے اور کون سی دلیل ہوسکتی ہے! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح دن میں ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رات کے وقت نکاح ہوتے تھے، تو عشاء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر جانے کے کیا معنی؟ نکاح میں مقصد تشہیر اور اعلان ہے، تاکہ جن کا نکاح ہو رہا ہے ان کے متعلق لوگوں کو اطلاع ہو جاوے، رات کو اور مسجد کے علاوہ دوسری جگہ نکاح کرنے میں تشہیر کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عن النبى صلى لله عليه وسلم قال : " فصل ما بين الحلال والحرام الصوت والدف فى النكاح " . (مشكوة المصابيح: ۲/۲۷۲)

یعنی حلال اور حرام میں فرق نکاح میں آواز اور دف کا بجانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں نکاح کا ذکر کرو! اس کی تشہیر کرو! اور دف بجا کر خوب اچھی طرح ظاہر کرو! جس سے نکاح اور زنا میں فرق ہو جاوے۔

عن النبى صلى الله عليه وسلم : " فصل ما بين الحلال والحرام " اى فرق ما بينهما الصوت اى الذكر والتشهير بين الناس والدف اى ضربه فى النكاح فانه يتم به الاعلان ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح :۳/۴۲۶)

نکاح کے وقت دف بجانا جائز ہے،مگراس میں جھانج (میوزک) نہ ہو،عرب میں شادی کے موقع پر اشعار پڑھ کر اپنی خوشی کے اظہار کرنے کا رَواج تھا،لہٰذا جائز اشعار پڑھنا درست ہے،مگر اجنبی عورت اور امرد (بے ریش لڑکے) لڑکے سے سننا حرام ہے، شہنائی، ڈھول، باجا وغیرہ حرام ہے۔ (مظاہرحق،فتح القدیر:۲/۲۲۴)فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۹/۴/ ۱۹۹۲ء

(۱۵۰۸)لڑکی سے جبراً نکاح کے سرٹیفکیٹ پر دستخط لینا:

سوال: ایک بالغہ لڑکی جس کی عمر ۱۸/سال ہے،اس کا ہم سایہ لڑکے سے بات چیت کا تعلق تھا،ایک مرتبہ یہ لڑکی کالج میں تھی،اس نے وہاں جاکر کہا کہ تیری والدہ بہت بیمار ہے،اور ابھی فوراً تجھے بلاتی ہے، اس طرح کہہ کر ایک سواری میں جبراً ایک وکیل کے پاس لے جاکر کچھ کاغذات پر دستخط کرالئے ،لڑکی اسی وقت وہاں سے بھاگ کر اپنے گھر پہنچ گئی، گھر پہنچتے ہی بے ہوش ہوگئی، ہوش میں آئی تو مذکورہ بالا حقیقت اپنے ولی کو بتائی،تو کیا لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہوگیا؟ لڑکے کی والدہ کہلواتی ہے کہ لڑکی کو ہمارے وہاں بہو کے طور پر بھیج دو،لڑکی کسی صورت میں بھی جانے کو تیار نہیں ہے، شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: اسلام میں نکاح صحیح ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں،اگر وہ شرطیں پائی جائیں گی،تو نکاح صحیح ہوگا:

(۱) نکاح کے وقت مسلمان، عاقل، بالغ دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ کے طور پر نکاح کی مجلس میں حاضر ہونا،اور ایجاب وقبول ایک ساتھ سننا ضروری ہے۔(ہدایہ:۲۸۶)

(۲) نکاح کے الفاظ (میں نے نکاح کیا، میں نے اس نکاح کو قبول کیا) کا زبان سے تلفظ کرنا ضروری ہے،زبان سے تلفظ کیے بغیر صرف دستخط کردینے سے نکاح صحیح نہ ہوگا۔

(عمدۃ الرعایہ:۲/۶)

(۳) لڑکا اور لڑکی بالغ ہوں، تو نکاح کے صحیح ہونے کے لیے ان کی رضامندی ضروری ہے، اور اگر بغیر رضامندی کے نکاح کیا جاوے اور وہ اس نکاح کو منظور نہ رکھے تو نکاح رد و باطل ہوگا۔ (عالمگیری:۱/۲۸۷، ہدایہ:۲۹۴)

شریعت کے مذکورہ اصول کے مطابق صورتِ مسئولہ کو دیکھنا چاہئے، سوال میں تحریر کردہ حقیقت اگر صحیح ہو اور حقیقت میں ایسا ہی ہو جو سوال میں تحریر شدہ ہے، تو یہ نکاح صحیح نہ ہوا۔

" **لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا ، فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها ، فان اجازت جاز ، وان ردت بطل كذا في السراج الوهاج** ".

(فتاوی عالمگیری : ۱/۲۸۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۳/۵/ ۱۹۹۳ء

(۱۵۰۹) قاضی کا نکاح کا فیصلہ کرنا:

سوال: ایک عورت ایک مرد پر عاشق ہوگئی، اور دونوں کے درمیان عقد نکاح نہیں ہوا، اور وہ عورت کہتی ہے کہ اس مرد نے مجھ سے شادی کی ہے، اور وہ عورت اپنے اس دعوے پر دو گواہ بھی پیش کرتی ہے، اور اس عورت نے اس کو عدالت میں پیش کیا، اور قاضی نے ان کے درمیان میاں بیوی کا فیصلہ دیدیا، تو کیا وہ مرد عورت سے جماع کرسکتا ہے یا نہیں؟ مدلل اور باحوالہ جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: مرد یا عورت نے دو گواہوں کے ذریعے، چاہے گواہ جھوٹے ہوں، اپنا نکاح ثابت کیا اور مسلمان، عادل، دیندار حاکم نے نکاح ہونے کا فیصلہ کردیا، تو استمتاع حلال ہوگا، اور یوں سمجھا جاوے گا کہ قاضی اور حاکمِ شرعی نے دو گواہوں کے ذریعے ابھی نکاح کردیا، اور یہ نکاح کا حکم ظاہراً و باطناً یعنی عند الحاکم اور عند اللہ نافذ ہوجاوے گا۔

" اذا ادعی رجل نکاح امرأة وشهد شاهدان فحکم القاضی بنکاحه حل له الاستمتاع . ویذکر ارباب تصنیفنا واقعة علي انه ادعی عنده رجل نکاح امرأة وشهد شاهد الزوج فحکم علی بالنکاح فقامت المرأة ، فقالت : والله لوانه کاذب فانکحنی به یا امیر المؤمنین کیلا یأثم فقال علی : شاهداک زوجاک ".

(العرف الشذی : ۴۰۶)

" ان القضاء نافذ ظاهرا وباطنا وانکره البخاری ".

(العرف الشذی : ۴۰۵ ، احسن الفتاوی : ۹۱۵ ، کتاب القضاء)

" (وینفذ القضاء بشهادة الزور ظاهرا وباطناً) حیث کان المحل قابلا والقاضی غیر عالم بزوره (فی العقود) کبیع ونکاح ". در مختار.

" قوله : (ظاهرا وباطناً) المراد بالنفاذ ظاهراً ان یسلم القاضی المرأة الی الرجل ویقوله : سلمی نفسک الیه ، فانه زوجک ویقضی بالنفقة والقسم وبالنفاذ باطنا ان یحل له وطیها ، ویحل لها التمکین فیما بینها وبین الله تعالی ".

قوله : (کبیع ونکاح) فلو قضی ببیع امة بشهادة زور حل للمنکر وطیها وکذا لو ادعی علی امرأة نکاحا ، وهی جاحدة او بالعکس وقضی بالنکاح کذلک حل للمدعی الوطی ولها التمکین عنده ".

(درمختار مع الشامی : ۴/۴۶۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۱۰) زنا سے حمل والی عورت کے ساتھ نکاح:

سوال: ایک عورت کو زنا سے حمل تھا، نکاح کے بعد چار مہینہ اور گیارہ دن پر بچے کی پیدائش ہوئی، تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ مہر لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر طلاق دی جاوے، تو عدت کا نفقہ لازم ہوگا؟

(بھوڑان)

جواب: جس عورت سے نکاح کیا گیا، اسے زنا سے حمل تھا تو حاملہ من الزنا کے ساتھ مفتیٰ بہ قول کے مطابق نکاح درست ہے، نکاح کرنے والا زانی کے علاوہ دوسرا مرد ہو، یا زانی خود نکاح کرلے، زانی کے علاوہ دوسرا شخص نکاح کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے، البتہ بچے کی پیدائش تک جماع نہ کرے، اور اگر زانی خود نکاح کرے، تو احناف کے تینوں اماموں کے نزدیک درست ہے۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں شرعاً نکاح صحیح ہے، تو مہر لازم ہوگا، اس لیے کہ نکاح کرنے سے مہر واجب ہوجاتا ہے، اور اگر طلاق دی جاوے تو عدت کا نفقہ بھی واجب ہے۔

" وصح نكاح حبلى من الزنا عند الطرفين ، وعليه الفتوى ، وفيه اشعار بانه لو نكح الزانى فانه جائز بالاتفاق " . (مجمع الانهر: ۱/۳۲۹)

" قال ابو حنيفة ومحمد : يجوز ان يتزوج امرأة حاملا من الزناء ولا يطأها حتى تضع ، وقال ابو يوسف : لا يصح ، والفتوى على قولهما . وإذا تزوج امرأة قد زنى هو بها وظهر بها حبل فالنكاح جائز عند الكل ، وله ان يطأها عند الكل وتستحق النفقة عند الكل " . (فتاوى عالمگيرى : ۱/۲۸۰)

" ان المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوط بردتها تقبيلها ابنه او تنصف بطلاقها قبل الدخول ، وانما يتاكد لزوم تمامه بالوطى ونحوه ".

(شامى : ۲/۴۵۴ ، هدايه : ۲/۲۹۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۱۱) صرف یوکے (U.K) جانے کے لیے کاغذ پر نکاح کرنا:

سوال: ایک لڑکی نے ایک لڑکے کو یوکے (U.K) بلایا، مگر وہ نکاح کے لیے انکار کرتی ہے، لڑکی کہتی ہے کہ رشتہ دار کا لڑکا ہے، تو تیرا حق ہوجائے، اس لیے رجسٹریشن کرتی ہوں، دونوں رجسٹریشن

ہو گئے، اس کے بعد لڑکی نے دوسرے کے ساتھ نکاح کرلیا، اور جس لڑکے کو بلایا تھا اس کے ساتھ رہی نہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ جو دوسرے لڑکے سے نکاح کیا وہ صحیح ہوگا؟

جواب: نکاح صحیح ہونے کے لیے نکاح کے وقت دو مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اور دونوں گواہوں کا لڑکے اور لڑکی کے ایجاب وقبول کو ایک ساتھ سننا ضروری ہے، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا بھی کافی ہے۔

" ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدَين حرَّين عاقلَين بالغَين مسلمَين رجلَين أو رجل وامرأتَين ...... اعلم ان الشهادة شرط فى باب النكاح بقوله عليه السلام : " لا نكاح الا بشهود ". (هدايه : ۲/ ۲۸۶)

ہماری تحقیق کے مطابق "یوکے" میں کورٹ میں نکاح رجسٹریشن کرتے وقت دونوں لڑکے اور لڑکی سے دو مسلمان گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کراتے ہیں، اور نکاح کرنے والے کے رشتہ دار بھی حاضر ہوتے ہیں، اگر اسی طرح ہوا ہو تو نکاح صحیح ہوگیا، بغیر طلاق کے لڑکی دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی، لہٰذا بغیر طلاق کہ جو نکاح کیا ہے وہ صحیح نہ ہوگا، رجسٹریشن کرنے والا لڑکا طلاق دے اس کے بعد دوبارہ نکاح کیا جاوے۔

" لا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين لا يجوز نكاح منكوحة الغير عند الكل ".

(خانيه : ۳۶۶ ، عالمگيرى : ۲/ ۱۴۸)

مذکورہ بالا تحریر کے مطابق نکاح رجسٹرڈ ہوگیا ہو، تو یہ نکاح صحیح ہے، اور لڑکا اور لڑکی ساتھ نہیں رہتے ہوں تو یہ لڑکا طلاق دے، اس کے بعد فوراً جس کے ساتھ چلی گئی ہے، اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرلے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۱۲) فون پر نکاح:

سوال: بعد سلام مسنون عرض ایں کہ؛ کیا فون پر مرد اور عورت نے گواہوں کی حاضری میں ایجاب اور قبول کیا، تو اب دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے؟ شافی اور کافی جواب مرحمت فرمائیں! یہ فتویٰ کینیڈا روانہ کرنا ہے۔ (بربوڈن۔سورت)

جواب: نکاح صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ لڑکا اور لڑکی، یا ان کی طرف سے وکیل دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایجاب اور قبول کرے، اور دونوں گواہ ایک ساتھ سنیں تو نکاح صحیح ہوگا، اگر دونوں گواہ ایک ساتھ نہ سنیں تو نکاح صحیح نہ ہوگا، تو فون سے نکاح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی نے فون پر کسی شخص کو اپنی طرف سے نکاح کا وکیل بنایا ہو، یا خط لکھ کر بھیجا ہو، تو اس خط کو نکاح کی منظوری سمجھ کر دو گواہوں کے سامنے نکاح ہوا ہو، تو دوبارہ نکاح کرنے ضرورت نہیں۔

" **وشرط سماع** (أى ولو حكما كالكتاب الى غائبة لان قراءته قائمة مقام الخطاب) **كل واحد منهما لفظ الاخر وحضور حرين أو حر وحرتين ...... مكلفين مسلمين سامعين معا لفظهما فلا يصح ان سمعا متفرقين** ".

(شرح وقايه : ۲/ ۹، عمدة الرعايه : ۲/ ۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۱۳) بریلوی عالم کا عقد کرایا ہوا نکاح:

سوال: بریلوی حضرات جو اپنے عقائد میں بے حد غلو کیے ہوئے ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نائبِ مطلق ماننا، جنت کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں دے دی گئیں ہیں، احمد رضا خان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ، اور بریلوی حضرات احمد رضا خان کے بندے، اور جیسا کہ لکھتے ہیں عبید الرضا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا۔ (ماخوذ: حق پر کون ہے؟) اب سوال یہ ہے کہ ایسے عقیدے کے ایک صاحب جو ان عقائد کے قائل تھے، انہوں نے

''تھانہ'' میں نکاح پڑھایا ہے، تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ کیا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟

جواب: بریلوی حضرات اپنے عقائد میں تاویل کرتے ہیں، اور جب تک کسی قول میں کوئی بعید سے بعید تاویل ایسی ہو سکے جو موجب کفر نہ ہو، وہاں تک کفر کا حکم نہیں لگایا جاوے گا، اس لیے کہ کفر بہت بھاری گناہ ہے، اسی بنا پر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ۹۹ (ننانوے) وجہ کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی ہو، تو تکفیر مسلم جائز نہیں، لہٰذا احتیاط فی التکفیر کی بنا پر مؤوِل (تاویل کرنے والا) کافر نہیں ہوگا۔

" وفی الخلاصة وغیرها : اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنعه فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم " . " وفی التاتارخانیه : لا یکفر بالمحتمل لان الکفر نهایة فی العقوبة ". (ردالمختار: ۳/۳۹۳)

لہٰذا مذکور فی السؤال نکاح صحیح ہے، شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بریلوی عالم نے صرف ایجاب اور قبول کرایا ہے، تو اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا، البتہ بہتر یہ ہے کہ کسی عالمِ صالح سے کام لیا جاوے، تاکہ سنت کے مطابق تمام کام انجام پاوے، اور باعث برکت ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم جدید: ۷/۱۴۸، ۱۶۶) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۱۴) دو گواہوں کی حاضری میں ایک دوسرے کو شوہر اور بیوی مان لینا:

سوال: میں ''مریم بی بی'' دو گواہوں کے سامنے تین مرتبہ کہتی ہوں کہ میں اپنی ذات کو ''یعقوب بن اسماعیل بھادی گر'' کو بخش دیتی ہوں۔ میں ''یعقوب بن اسماعیل بھادی گر'' ان دو گواہوں کے سامنے تین مرتبہ کہتا ہوں کہ میں نے ''مریم بی بی'' کو اپنے نکاح میں لیا، اور دونوں گواہ ان الفاظ کے سننے کی گواہی دیتے ہیں، تو کیا یہ نکاح ہو گیا؟

جواب: جن الفاظ سے دائمی طور پر عورت کے اوپر نکاح کی ملکیت حاصل ہوتی ہو، ایسے الفاظ دو

گواہوں کے سامنے کہے جاویں، تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے، تو مذکورہ صورت میں عورت نے دو گواہوں کے سامنے کہا ہے کہ میں اپنی ذات کو ''یعقوب بن اسماعیل بھادی گر'' کو بخش دیتی ہوں، اور نکاح کرنے والے نے اس کے جواب میں اسی مجلس میں کہا میں نے ''مریم بی بی'' کو میرے نکاح میں لیا، اور دونوں گواہوں نے ایک ساتھ ان الفاظ کو سنا ہے، تو نکاح صحیح ہوگا، ''ذات بخش دینا'' ان الفاظ سے بھی نکاح ہوجاتا ہے۔

" انما يصح بلفظ تزويج ونكاح . وكل لفظ وضع لتمليك عين كاملة". (در مختار مع الشامی : ۳۶۸/۲)

" ما يفيد ملك العين فى الحال " . (عالمگیری ، الباب الثانی)

" وعن ابى حنيفة انه ينعقد بما وضع لتمليك الشيء الكل ".

(جامع الرموز : ۲۷۰)

" ومن شرط الشهادة فى انعقاد النكاح ان يسمع الشهود كلامهما جميعا فى حالة واحدة ، حتى لو كان احد الشاهدين اصم فسمع الآخر ثم خرج واسمع صاحبه لم يجز ، وكذا اذا سمع الشاهدان كلام احد العاقدين ولم يسمعا كلام الآخر لم يصح النكاح " . (الجوهرة النيرة: ۵۸/۲)

" يصح بلفظ نكاح وتزويج وهبة ". (هبة اى اذا اضيفت الى الحرة او الى الامة مع دلالة الحال على النكاح كاحضار الشهود وتسمية المهر) .

(شرح وقایہ: ۷/۲، مع عمدة الرعاية) فقط

واللہ اعلم بالصواب

نکاح میں گواہوں کا بیان

(۱۵۱۵) بغیر گواہوں کے نکاح:

سوال: زید نے ایک ۶۵/سالہ بیوہ عورت کے ساتھ بغیر گواہوں کے نکاح کیا، تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگا؟ اور دونوں میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں؟

جواب: نکاح صحیح ہونے کے لیے نکاح کے ایجاب اور قبول کے وقت کم سے کم دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا زید نے بیوہ عورت کے ساتھ بغیر گواہ کے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، دونوں کو میاں بیوی کی طرح رہنا جائز نہیں، حرام ہے۔

" وشرط حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الاصح ". (در مختار مع الشامی: ۲/۳۷۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۱۶) نکاح صحیح ہونے کے لیے گواہوں کا ہونا ضروری ہے:

سوال: مرد نے کہا: آج سے تو میری بیوی ہے، اور عورت نے کہا: آج سے تو میرا شوہر ہے، مرد اور عورت کے علاوہ وہاں کوئی گواہ وغیرہ نہیں تھا، تو کیا اس طرح نکاح صحیح ہے؟

جواب: نکاح صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کم سے کم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں ایجاب اور قبول کے وقت حاضر ہوں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں نکاح نہیں ہوا، اور وہ دونوں میاں بیوی کی طرح ساتھ نہیں رہ سکتے۔

" لا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين ". (هدايه: ۲/۲۸۶) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۱۷) نکاح کے وقت صرف قاضی صاحب (ایجاب وقبول کرانے والا) ہو گواہ نہ ہو:

سوال: زید نے ایک بیوہ عورت کے ساتھ زنا کیا، پھر اسی کے ساتھ نکاح کیا، تو یہ درست ہے؟ کیا کفارہ لازم ہے؟ نکاح کے وقت صرف قاضی صاحب ہوں، زید اور بیوہ عورت نے ایجاب وقبول کیا، تو یہ نکاح صحیح ہوگا؟

جواب: زید اور بیوہ عورت نے جس وقت قاضی کے سامنے ایجاب اور قبول کیا، اس وقت صرف قاضی ہو اور کوئی دوسرا نہ ہو تو یہ نکاح معتبر نہ ہوگا، اگر ایجاب اور قبول کے وقت قاضی کے علاوہ دوسرا ایک مرد بھی ہوگا، تو نکاح صحیح ہوگا، ایسی صورت میں قاضی اور دوسرا ایک شخص یہ دونوں دو گواہ سمجھے جائیں گے۔ (شرح وقایہ:۲/۱۱) فقط

والله اعلم بالصواب

۱۳/۱/ ۱۹۷۲ء

(۱۵۱۸) نکاح کا عقد کرانے والا خود شاہد اور وکیل بن کر عقدِ نکاح کرائے:

سوال: ایک شخص ایک عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے، نکاح کا عقد کرنے والا قاضی صاحب خود شاہد اور وکیل بن کر ایجاب اور قبول کرے، تو نکاح صحیح ہوگا؟ جس عورت کا نکاح ہو رہا ہے اس کا صرف نام لیکر اس طرح کہا جاوے کہ: فلاں عورت کو نکاح میں دیتے ہیں، تو ''دیتے ہیں'' لفظ بولنے سے نکاح صحیح ہوگا؟

جواب: قاضی صاحب کو وکیل بنایا ہو اور نکاح کرنے والی بالغہ عورت نکاح کی مجلس میں حاضر ہو، اور قاضی صاحب کم سے کم ایک گواہ کی حاضری میں نکاح کا ایجاب اور قبول کرائیں، تو نکاح صحیح ہو جائے گا، ایسی صورت میں عورت خود عقد کرنے والی کہلائے گی، اور قاضی اور دوسرا ایک گواہ یہ دونوں دو گواہ سمجھے جاویں گے۔

''یصح العقد لو زوَّج الاب بالغة عند رجل واحد ان حضرت البالغة

صح، والا فلا یصح لانه اذا حضرت صارت کأنها عاقدة والاب وذلک الرجل شاهدان " . (مجمع الانهر : ۱/ ۳۲۲)

" أب ینکح بالغة عند فرد ان حضرت صح ، فصار کأنَّ البالغة عاقدة والأب وذلک الفرد شاهدان ". (شرح الوقایة : ۲/ ۱۰، هدایه : ۲/ ۲۸۷)

نکاح صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جس عورت کا نکاح ہورہا ہو، وہ عورت نکاح کرنے والے اور گواہوں سے انجان نہ رہے، بل کہ برابر پہچان لے، لہٰذا اگر عورت نکاح کی مجلس میں حاضر ہو اور اس کی طرف اشارہ کرکے گواہوں کی حاضری میں کہا جاوے کہ: اس عورت کا نکاح آپ کے ساتھ کردیا تو نکاح صحیح ہوجاوے گا، اور اگر عورت خود نکاح کی مجلس میں حاضر نہ ہو، اور اس کی طرف سے وکیل نکاح کا ایجاب وقبول کرتا ہو، تو باپ اور دادا کا نام بھی لیا جاوے، ''فلاں عورت کو دیتے ہیں'' صرف اس طرح کہنے سے وضاحت نہیں ہوتی، لہٰذا اس طرح کہنا چاہیے کہ: فلاں عورت کو تمہارے نکاح میں دیتے ہیں، نکاح ہوجانے کے بعد عورت کو اصل نام کے علاوہ دوسرے نام سے مخاطب کیا جاوے تو نکاح میں کوئی خلل نہ ہوگا۔

" ولا بد من تمییز المنکوحة عند الشاهدین لتنتفی الجهالة فان کانت حاضرة منتقبة فی الاشارة بها ، وان کانت غائبة ولم یسمعوا کلامها بان عقد لها وکیلها فان کان الشهود یعرفونها کفی ذکر اسمها اذا علموا انه ارادها . وان لم یکن یعرفونها لا بد من ذکر اسمها واسم ابیها وجدها . والظاهر ان المراد بالمعرفة ان یعرفا ان المعقود علیها هی فلانة بنت فلان لا معرفة شخصها ".

(شامی: ۲/ ۳۷۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳۰/۱/ ۱۹۷۱ء

(۱۵۱۹) ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح:

سوال: ایک مسلمان مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح صحیح ہوگا؟

جواب: نکاح صحیح ہونے کے لیے دو مسلمان، عاقل، بالغ مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ہونا ضروری ہے، اگر ایک مرد اور ایک عورت ہوں تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۲۰) ''کورٹ میریج'' کے بعد تین طلاق دے پھر دوبارہ نکاح کرنا چاہے:

سوال: میں نے کورٹ کے ذریعے سے ایک لڑکی سے دوسرا نکاح کرلیا، اور میں نے شرعاً اس لیے نکاح نہیں کیا کہ گھر جا کر اپنے والدین کو راضی کر کے نکاح کا ایجاب اور قبول کروں گا، مگر میرے والد نے مجھے اس عورت کو طلاق دینے پر مجبور کر دیا، اس لیے میں نے تین طلاق دے دی، تو میں اب اس عورت سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہوں؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: سوال میں لکھا ہے کہ ''کورٹ کے ذریعے اس لڑکی سے شادی کی اور نکاح اس لیے نہیں کیا کہ گھر لوٹ کر سب کے ساتھ خوشی کے ساتھ کرلوں گا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ کورٹ میں صرف میریج ہوا ہے، شرعی طور پر مسلمان گواہوں کے سامنے نکاح نہیں ہوا ہے، اگر صورت یہی ہے تو شرعاً نکاح ہی نہیں ہوا، کیوں کہ نکاح کے ایجاب اور قبول کے وقت دو مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اور وہ دونوں ایک ہی ساتھ ایجاب اور قبول کو سنیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''سنن'' میں لکھا ہے:

عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال : '' البغایا اللاتی ینکحن ...... بغیر بینة''.

ترجمہ: وہ عورتیں زانیہ ہیں جو اپنا نکاح بغیر گواہوں کے کرتی ہیں۔

اس حدیث کے ذیل میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

" **والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وبعدهم من التابعین وغیرهم قالوا : لا نکاح الا بشهود** ". (ترمذی)

یعنی صحابۂ کرام اور تابعین کا عمل ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، ''مؤطا امام محمد'' اور ''مؤطا امام مالک'' میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا نکاح رد کر دیا تھا، جس میں دو گواہوں کے بجائے ایک مرد اور عورت دو گواہ تھے، نیز فرمایا کہ اگر میں پہلے سے تم کو اس کا اعلان کر دیتا تو میں تم کو رجم کر دیتا۔

فقہ کی مشہور کتاب ''قدوری'' جو ''ہدایہ'' کا متن ہے اس میں لکھا ہے:

" **ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین بالغین مسلمین** ".

یعنی دو آزاد، بالغ، مسلمان گواہوں کے بغیر مسلمان کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (ہدایہ: ۲/۲۸۶)

لہٰذا جب نکاح ہی نہیں ہوا، تو تین طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ طلاق کے وقت وہ اجنبیہ تھی، اور غیر منکوحہ کو طلاق نہیں پڑتی۔

" **قال النبی ﷺ : لا طلاق قبل النکاح** ". (هدایه : ۲/۳۶۵)

لہٰذا شرعی طور پر اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں، اور اگر پہلی مرتبہ شرعی طور پر نکاح کیا ہے، تو اب بغیر حلالہ کے اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۴/ رجب المرجب/ ۱۴۰۲ھ

۱۹/ مئی/ ۱۹۸۲ء

نکاح فاسد کا بیان

(۱۵۲۱) حاملہ من الزنا سے نکاح:

سوال: ایک لڑکا اور لڑکی کا رشتہ ہو گیا، اس کے بعد نکاح سے پہلے دونوں کی ملاقات ہوئی، اور لڑکی کو حمل رہ گیا، تو ایسی حاملہ عورت سے نکاح ہو سکتا ہے؟ کیا اس حمل کا اسقاط جائز ہے؟

جواب: عورت کو زنا سے حمل رہ گیا تو حمل کی حالت میں زانی خود، یا کوئی دوسرا شخص نکاح کرے تو نکاح صحیح ہو جائے گا، زانی کے علاوہ دوسرا کوئی نکاح کرے تو بچہ پیدا ہونے تک جماع کرنا اور مس کرنا جائز نہیں، اور اگر زانی خود اس عورت سے نکاح کرے تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے بھی جماع کر سکتا ہے۔

" **وحبلى من زناً و لا توطأ حتى تضعَ حملَها** ". (شرح وقايه : ۲/۱۷)

" **ان الحاملة بالزنا يجوز نكاحها ولا يجوز وطيها حتى تضع حملها ...... هذا كله اذا كان الناكح غير الزانى ، فان نكح الزانى بحبلى من الزنا منه جاز النكاح اتفاقاً ، وحل الوطى أيضا كذا فى فتح القدير** ". (عمدة الرعاية : ۲/۱۷)

" **وان تزوج حبلى من زناً جاز النكاح ولا يطأها حتى تضع حملها ...... ولهذا لم يجز اسقاطه** ". (هدايه: ۲/۲۹۲)

" **هذا اذا استبان خلقه وان كان غير مستبين الخلق يجوز اما فى زماننا يجوز وان استبان الخلق وعليه الفتوى** ". (حاشيه هدايه: ۲/۲۹۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۹/۱/۲۰۰۰ء

(۱۵۲۲) عدت میں نکاح:

سوال: ہماری بستی کے ایک لڑکے نے دوسری بستی میں پانچ سال قبل نکاح کیا، اس کی تین سال کی ایک لڑکی ہے، اب وہ لڑکا تقریباً ساڑھے تین چار سال سے بیرون ملک "ڈھاکہ" چلا گیا ہے، اب

وہ لڑکی اپنے والدین کے وہاں رہتی تھی، اس کے شوہر کے خط وکتابت کا سلسلہ جاری تھا، روپئے بھی بھیجتا تھا، مگر لڑکی اپنے والدین کے وہاں رہنے کی بنا پر والدین کی عدم توجہی سے غلط راستہ پر چلی گئی، دوسرے مرد سے تعلق ہو گیا، اور اس مرد سے حمل بھی رہ گیا، یہ بات مشہور ہو گئی کہ شوہر کے والدین اور شوہر کو اطلاع ہونے کی بنا پر شوہر نے غصہ میں آکر ڈھاکہ سے تین آدمیوں کی گواہی کی دستخط کے ساتھ لڑکی کو طلاق بھیج دی، لڑکی نے پندرہ دن ہوئے اسقاطِ حمل کی بہت کوشش کی، ڈاکٹروں کو ہزاروں روپئے دینے کو کہا، پھر بھی انکار کر دیا، تو اس کے والدین نے دوسرے گاؤں میں خود جا کر لڑکی کا حمل کے ساتھ مفت میں نکاح کرا دیا، تو اس طرح بغیر عدت گذارے نکاح درست ہوسکتا ہے؟ نکاح پڑھانے والا گنہگار ہوگا؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں عورت پر بچہ پیدا ہونے تک عدت گذارنا ضروری ہے، اس سے پہلے دوسرا نکاح کرنا درست نہیں، لہٰذا مذکورہ عورت کا نکاح طلاق کے بعد عدت ختم ہونے سے پہلے ہی کر دیا گیا ہے، تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

" ان الفراش على اربع مراتب ، وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقي بينهما سنة فولدت لستة اشهر مذ تزوجها ...... " .

(در مختار مع الشامی : ۵۵۰/۳ ، فصل فی ثبوت النسب ، مکتبہ سعید)

" لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة ".

(عالمگیری : ۲۸۰/۱)

نکاح پڑھانے والے نے اگر پوری حقیقت کا علم ہونے کے باوجود نکاح پڑھایا، تو گنہگار ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۲۳) نکاح شدہ (شوہر والی) عورت کے ساتھ نکاح:

سوال: ایک عورت نے نکاحِ ثانی کیا، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، یہ عورت انگلینڈ کی تھی اور مطلقہ تھی،

شوہر کو دھوکہ دے کر انگلینڈ چلی گئی تھی، کئی سالوں کے بعد: ''میں مطلقہ ہوں'' ایسا کہہ کر، ایک اور مرد سے نکاح کرلیا، حالاں کہ (زوج ثانی نے طلاق نہیں دی تھی)، یہ تیسرا نکاح مسلمانوں کی حاضری میں کیا، تو اس نکاح کے وقت جو لوگ حاضر تھے ان کو دوبارہ کلمہ پڑھنا ضروری ہے، اور نکاح کی تجدید کرنا ضروری ہے؟

جواب: ایک مرتبہ نکاح ہونے کے بعد جب تک شوہر طلاق نہ دے، شوہر والی عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کرنا درست نہیں، قرآن حکیم میں ہے: ﴿**والمحصنٰت من النساء**﴾ ''اور شوہر والی عورتیں تم پر حرام کی گئیں''۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

'' **لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذلک المعتدۃ** ''.

مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ نکاح کرے دوسرے کی زوجہ کے ساتھ، اسی طرح معتدہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ (عالمگیری: ۱/۲۸۰)

سوال میں تحریر کردہ حقیقت اگر سچ ہو، تو علم کے باوجود ایسے نکاح میں جو بھی مدد کرے گا، وہ بھی گنہگار ہوگا، اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳۰/۸/ ۱۹۹۹ء

(۱۵۲۴) نکاح کے بعد مفقود الخبر واپس آگیا:

سوال: میرا شوہر ۱۳/ سال سے مفقود ہے، کوئی اطلاع نہ ملی اور نفقہ وغیرہ نہ ہونے سے زندگی گذارنا مشکل ہوگیا، تو برادری کے لوگوں نے کہا کہ تیرے شوہر کا کوئی پتہ نہیں، تو دوسرا نکاح کرسکتی ہے، میرے تین بچے ہیں، مجبوراً میں نے دوسرا نکاح کرلیا، جس سے ایک بچہ پیدا ہوا، اب گم شدہ شوہر آگیا، تو اب مجھے کس شوہر کے ساتھ زندگی گذارنی چاہیے؟

جواب: شوہر کے مفقود ہونے کی بنا پر دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرلیا، اس کے بعد پہلا شوہر

آجاوے، تو یہ پہلے شوہر کی زوجہ ہوگی، لہٰذا مذکورہ صورت میں یہ عورت پہلے شوہر کی بیوی شمار ہوگی، ایک حیض گذار لینے کے بعد پہلا شوہر جماع کرسکتا ہے، اس کے بغیر جماع نہیں کرسکتا۔

(الحیلۃ الناجزہ:۶۷)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''شامی'' میں لکھا ہے:

'' لو عاد حیا بعد الحکم بموت اقرانه ...... ان زوجته له ''.

(شامی : ۴۵۸/۳)

مذکورہ صورت میں شرعی پنچایت کے فیصلہ کے بغیر دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، لہٰذا یہ نکاح صحیح نہ ہوا، پہلے شوہر کو بچے کی پرورش کرنی چاہیے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مفقود الزوج کسی صورت میں بھی اس کے نکاح سے خارج ہونے کے لیے خود مختار نہیں ہے، بل کہ ہر حال میں قضاءِ قاضی شرط ہے۔

(الحیلۃ الناجزہ:۶۸)

لہٰذا یہ عورت پہلے شوہر کی زوجہ شمار ہوگی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۲۵) عقد نکاح میں لڑکی کا نام نہ لیا:

سوال: نکاح کا عقد کرانے والے امام صاحب نے نکاح کے خطبہ کے بعد وکیل اور دو شاہدوں کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ: فلاں کی لڑکی کو فلاں کے لڑکے کے ساتھ، بعوض ایک سو ساڑھے ستائیس روپئے مہر نکاح میں دیا؟ اس کے بعد دولہے کو مخاطب کر کے پوچھا کہ: فلاں کی لڑکی آپ کے ساتھ بعوض ایک سو ساڑھے ستائیس روپئے مہر نکاح میں دی، اور لڑکی کا نام نہ لیا تو نکاح درست ہے؟

جواب: جب کہ لڑکی نکاح کی مجلس میں حاضر نہیں تھی، اور لڑکے سے قبول کراتے وقت لڑکی کا نام نہ لیا، بل کہ صرف لڑکی کے والد کا نام لیا، تو اگر مذکور شخص کی ایک سے زائد لڑکیاں ہوں، اور ان کا نکاح نہیں ہوا ہے، تو نکاح کے وقت لڑکی کا نام نہ لینے سے نکاح درست نہ ہوگا۔

البتہ اگر مذکور شخص کی ایک ہی لڑکی ہو، یا ایک سے زائد ہوں، مگر ان کا نکاح ہو چکا ہے، صرف مذکورہ لڑکی بغیر نکاح کی ہے، تو اس کا نام نہ لینے کے باوجود بھی نکاح صحیح ہو جائے گا۔

" ومنها ان لا تكون المنكوحة المجهولة فلو زوج بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة بخلاف ما اذا كان له بنت واحدة ". (البحر الرائق: ۸۴/۳)

"(ومنها) ان يكون الزوج والزوجة معلومين فلو تزوج بنته وله بنتان لا يصح الا اذا كانت احدٰهما متزوجة فينصرف الى الفارغة ".

(عالمگیری: ۲۸۷/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۳/۵/ ۱۹۷۰ء

(۱۵۲۶) عقد نکاح میں غلط نام:

سوال: "آدم ابن ابراہیم" کے بجائے "آدم ابن عمر" کے نام سے نکاح کرے، تو نکاح درست ہو سکتا ہے؟

جواب: جب کہ نکاح کی مجلس میں نکاح کرنے والا خود حاضر ہو، اور وہ خود قبول کرے، اور وکیل و گواہ بھی جانتے ہوں کہ عورت نے جس شخص کے ساتھ نکاح کی رضامندی ظاہر کی ہے، وہ یہی شخص ہے، تو ایسی صورت میں والد کا نام بدل جانے سے نکاح میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

" واذا ذكروا في النكاح اسم رجل غائب وكنية ابيه ولم يذكروا اسم ابيه ان كان الزوج حاضرا وأشاروا اليه جاز وان كان غائبا لا يجوز ما لم يذكر اسمه و اسم ابيه و اسم جده قال و الاحتياط ان ينسب الى المحلة أيضًا ".

(فتاوی خانية: ۳۲۴/۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۲۷) غلط نام لے کر نکاح کا عقد کرنا:

سوال: ایک شخص ایک عورت کے ساتھ نکاح کر رہا ہے، مگر اس عورت کا جو نام ہے اس کو بدل کر دوسرا نام لے کر نکاح کرے، مثلاً ''مریم بی بی'' نام ہو، اور ''حور بی بی'' نام لے، اور اس کے والد کا نام ''محمد'' ہو، اس کے بجائے ''اسماعیل'' نام لے، تو مذکورہ صورت میں ''مریم بنت محمد'' کا نکاح ہو، مگر ''حور بنت اسماعیل'' کے نام سے نکاح کیا جاوے، تو اس صورت میں نکاح ہوسکتا ہے؟ اگر نکاح ہوسکتا ہے تو نکاح کس کے ساتھ ہوا؟ نام تبدیل کرنے سے کوئی پریشانی آسکتی ہے؟ نام تبدیل کرنے سے نکاح صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب: جب کہ عورت نکاح کی مجلس میں حاضر نہیں ہے، اور نکاح کا عقد کرنے والے نے جس عورت کا نکاح ہو رہا ہے، اس کے صحیح نام کے بجائے سہواً غلط نام لیا، جیسے کہ ''مریم بنت محمد'' کا نکاح ہو رہا ہے، اور سہواً ''حور بنت اسماعیل'' کا نام لیا، تو نام بدل جانے سے ''مریم بنت محمد'' کا نکاح صحیح نہ ہوگا، دوبارہ عقد کرنا پڑے گا۔

" لو كان له بنتان ، كبرى واسمها عائشة ، وصغرى اسمها فاطمة ، فأراد تزويج الكبرى فغلط فسماها فاطمة انعقد على الصغرى . فلو قال : فاطمة الكبرى لم تنعقد لعدم وجودها ". (البحر الرائق : ۸۴/۳ ، ومثله في الهندية : ۲۷۰/۱)

" رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة ، قال لرجل زوجت منك ابنتي عائشة ، ولم تقع الاشارة الى شخصها ذكر في فتاوى الفضلي انه لا ينعقد النكاح ". (عالمگیری : ۲۷۰/۱ ، باب شروط النكاح) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۲۸) عورت کو اطلاع کئے بغیر اس کا نکاح کرادینا:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، وکیل اور گواہ نے عورت کی اجازت کے بغیر

جھوٹی گواہی دی، اور مولانا صاحب نے عقدِ نکاح کر دیا تو کیا نکاح صحیح ہوگا؟

جواب: جس لڑکی کا نکاح کیا گیا ہے اگر وہ بالغہ ہو، اور اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرا دیا، تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، نکاح کا علم ہونے کے بعد وہ نکاح کو قبول کرے تو نکاح صحیح ہوگا، اور اگر خبر ہونے کے بعد نکاح کو ردّ کر دے، تو بغیر اجازت کے کرایا ہوا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

" لا یجوز نکاح بالغة من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا ، فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردّته بطل " .

(عالمگیری : ۱/۲۸۷)

" وکذلک لو زوج رجل امرأة بغیر رضاها او رجل بغیر رضاه . فان کل عقد صدر من الفضولی وله مجیز انعقد موقوفا علی الاجازة " . (هدایة ۲/۳۰۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳۰/۴/ ۱۹۷۰ء

(۱۵۲۹) پہلے شوہر کے طلاق دیئے بغیر دوسرے مرد سے نکاح کرنا:

سوال: نکاح کے بعد عورت اپنے شوہر کے پاس کچھ وقت رہی، اس کے بعد شوہر کے تکلیف دینے کی بنا پر وہاں سے چلی گئی، اور بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کرلیا، اور دوسرے شوہر سے اولاد بھی پیدا ہوئی، تو یہ اولاد حلال کہی جائے گی یا حرام؟

جواب: ایک مرد کے نکاح میں ہونے کے باوجود دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرنا سخت گناہ کا کام ہے، پہلے شوہر کے نکاح میں ہونے کی بنا پر نکاح ثانی صحیح نہ ہوگا، اور اولاد بھی پہلے شوہر کی کہی جائیگی۔

" اذا ظهر زوج غیره فلا شک فی عدم ثبوته من الثانی " .

(شامی : ۲/۸۶۸)

" لان الولد للفراش ولو كان الاول حاضرا والمسألة بحالها فالولد للاول ". (عالمگیری) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۳۰) رضاعی بھتیجی سے نکاح:

سوال: میری لڑکی "زہرہ" کا نکاح میرے بھتیجے "محمود" کے ساتھ ہوا، ان کے دو بچے ہیں، میرے بھتیجے اور داماد "محمود" نے میری والدہ یعنی کہ اپنی دادی کا آٹھ مہینے کی عمر میں دودھ پیا تھا، تو "محمود" کا "زہرہ" کے ساتھ نکاح صحیح ہوا؟ (پانولی)

جواب: شریعت کا اصول ہے کہ بچہ ڈھائی سال کی عمر تک کسی عورت کا دودھ پئے، تو دودھ پلانے والی اس بچہ کی رضاعی ماں ہوتی ہے، اور دودھ پلانے والی کی اولاد دودھ پینے والے بچے کے بھائی بہن ہوجاتے ہیں، مذکورہ اصول کے مطابق صورتِ مسئولہ میں "محمود" نے آٹھ مہینہ کی عمر میں اپنی دادی کا دودھ پیا، تو دادی رضاعی ماں اور دادی کی اولاد رضاعی بھائی بہن ہوگئے، اور "زہرہ" "محمود" کی بھتیجی ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نسب سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں، رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں۔

" الرضاعة تحرِّم ما تحرِّم الولادة ". (الصحيح للبخاري : ۲/۷۶۴)

" يحرُم من الرضاعة ما يحرُم من الولادة ". (الصحيح لمسلم : ۱/۴۶۶)

" امومية المرضعة للرضيع ويثبت ابوة زوج مرضعة اذا كان ابنها منه فيحرم منه اى بسببه ما يحرم من النسب رواه الشيخان ".

(در مختار مع الشامي : ۲/۵۵۷)

" وضابطته ما في هذا البيت الفارسي ...... بيت " :

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند ☆ وز جانب شیرخوارہ زوجان وفروع

(شرح الوقاية : ۲/۶۷ ، جامع الرموز : ۲۹۹)

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب جس طرح حقیقی بھتیجی سے نکاح کرنا جائز نہیں، اسی طرح رضاعی بھتیجی کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز نہیں، تو ''محمود'' اور ''زہرہ'' کے درمیان چچا بھتیجی کا رشتہ ہوا، لہٰذا نکاح درست نہ ہوا، اس لئے دونوں میں جدائی کردی جائے۔

" لا حل بين رضيع وولد مرضعته ولو سفل ". (مجمع الانهر: ۱۸۹)

یعنی دودھ پینے والا بچہ اور دودھ پلانے والی عورت کی اولاد کے درمیان نکاح جائز نہیں، چاہے نیچے تک ہو، مذکورہ نکاح سے جو دو بچے پیدا ہوئے ہیں، ان کا نسب ''محمود'' سے ثابت ہوگا۔

" رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابى حنيفة خلافا لهما بناء على ان النكاح فاسد عند ابى حنيفة باطل عندهما ".

(عالمگیری : ۱/ ۵۴۰ ، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۳۱) عورت کا بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کرنا:

سوال: میں نے اپنی بیوی ''ہاجرہ بی بی'' کو طلاق نہیں دی ہے، اور طلاق دینے کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے، میں اپنے بیٹے کی بنا پر آٹھ سال سے اکیلا ہوں، میری بیوی نے مجھ سے پہلے ایک مرد سے نکاح کیا تھا، اس نے طلاق دی تو اس کے والد ''ہاشم'' نے جبراً میرے ساتھ نکاح کرادیا، اب وہ تیسرے مرد کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

جواب: سوال میں تحریر کردہ حقیقت اگر صحیح ہے کہ آپ نے اپنی بیوی کو زبانی، یا تحریراً کوئی طلاق نہیں دی ہے، تو عورت آپ کے نکاح میں ہے، لہٰذا وہ دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی، اور نکاح درست بھی نہیں، وہ زنا شمار ہوگا، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ یعنی شوہر والی عورت تمہارے لیے حرام ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عورت جب تک ایک مرد کے نکاح میں ہو، وہاں تک دوسرے مرد کے

ساتھ اس کا نکاح کرنا درست نہیں۔

"اما نکاح المنکوحة الغیر ...... فلم یقل احد بجوازہ". (شامی: ۴۸۲/۲)

مذکورہ صورت میں عورت طلاق کا دعویٰ کرتی ہے، اور شوہر انکار کرتا ہے، اور طلاق کے ثبوت کے لیے دو شرعی گواہ بھی نہیں ہیں، تو شوہر کی بات قسم کے ساتھ قبول کی جائے گی، اگر جھوٹی قسم کھائے گا تو شوہر گنہگار ہوگا۔ (شامی: ۵۱۴/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۹/۱۰/ ۱۹۹۷ء

(۱۵۳۲) کورٹ میرج گواہوں کے سامنے، پھر بغیر طلاق کے دوسرا نکاح:

سوال: ہندوستان کے لوگ جو بیرون ملک "کینیڈا" میں رہتے ہیں، وہ اپنی لڑکیوں کا نکاح ہندوستان میں رہنے والے لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں، تو لڑکیاں انکار کرتی ہیں، اس کے باوجود ہندوستان کے لڑکوں کو بیرون ملک "کینیڈا" بلاتے ہیں اور کورٹ میں نکاح کراتے ہیں، اس کے بعد لڑکی الگ ہوکر جہاں چاہے بغیر طلاق کے نکاح کر لیتی ہیں، تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ کورٹ میں جو نکاح ہوا وہ صحیح ہے؟ اگر نکاح صحیح ہو تو لڑکی بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟

جواب: عاقلہ، بالغہ لڑکی کفو میں خود نکاح کرنے کی مختار ہے، اس کی مرضی کے خلاف جبراً اس کا نکاح کرانا درست نہیں، اگر ایسی لڑکی کا نکاح باوجود ناراضگی کے کرایا جاوے، تو وَلی کی اجازت لیتے وقت فوراً انکار کردے، اگر خبر کیے بغیر نکاح کرایا ہو تو نکاح کی خبر ہوتے ہی انکار کردے، تو نکاح ردّ ہوگا، اگر کچھ دیر بعد انکار کرے تو خاموش رہنے کے بعد انکار کرنے سے نکاح ردّ نہ ہوگا، بل کہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔

"ینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وان لم یعقد علیها ولی بکر کانت او ثیبا . ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح . فاذا استأذنها

الولی فسکتت فهو اذن . ولو زوجها فبلغها الخبر فسکتت فهو علی ما ذکرنا ای ان المخبر ولیها او رسوله یعتبر السکوت ". (هدایه : ۲/۲۹۳ ، شامی : ۲/۴۲۵)

کینیڈا میں کورٹ میں نکاح کرتے وقت دو مسلمان گواہوں کے سامنے لڑکے اور لڑکی کو ایجاب وقبول کرایا جاوے، اور اس وقت لڑکی خاموش رہے، انکار نہ کرے تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔
(فتاوی دارالعلوم: ۷/۷۰)

بغیر طلاق کے نکاح ثانی درست نہیں۔

" ولا یجوز نکاح للمنکوحة الغیر ومعتدة الغیر عند الکل ".
(فتاوی خانیه : ۳٦٦)

کورٹ میں جو نکاح کیا جاتا ہے اس نکاح کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ لڑکا یا لڑکی دونوں زبان سے ایجاب کرے، صرف فارم پر دستخط نہ کرائے۔

" لا بد من التلفظ ولو من احد الجانبین ، فان الکتابة المجردة من الطرفین لا یکتفی ". (عمدةالرعایه : ۲/۵)

" فان استأذنها هو ای الولی او وکیل او رسوله فسکتت فهو اذن ای البکر البالغة بخلاف الابن الکبیر فلا یکون سکوته رضًا حتی یرضی بالکلام ".
(شامی: ۲/۴۱۱ ، باب الولی)

" وبطل خیار البکر بالسکوت عالمة باصل النکاح . قالت لا ارضی جاز الرد اذا قالته متصلة ". (شامی : ۲/۴۲۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۳۳) شادی شدہ مرد کا ایک ساتھ چار عورتوں سے نکاح ثانی:

سوال: تفسیر ''بیان القرآن'' میں سورۃ النساء کی تفصیل میں ایک مسئلہ لکھا ہے'' چار سے زائد عورتوں سے کسی نے بیک وقت یعنی ایک ہی ایجاب اور قبول میں نکاح کرلیا، تو وہ نکاح سرے سے باطل

ہے'' تو اب سوال یہ ہے کہ اگر چار عورتوں سے نکاح کیا، پھر کچھ مدت کے بعد پانچویں عورت سے نکاح کرے، تو پہلی چار عورتوں کا نکاح بھی باطل ہو جائے گا، اگر ایک ساتھ نکاح کرنے سے نکاح نہ ہوتا ہو، تو اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کے لیے عدت یا حلالہ ضروری ہے؟

جواب: اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے نکاح میں ایک ساتھ چار عورتیں رکھ سکتا ہے یا نہیں!

قرآن حکیم میں ہے:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾. (سورۃالنساء :۳)

ترجمہ: پس نکاح کرو تم جو پسند ہو، دو دو کے ساتھ، تین تین کے ساتھ، یا چار چار کے ساتھ۔

لہٰذا چار سے زائد عورتوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا جائز نہیں، حرام ہے، اگر چار عورتیں نکاح میں ہوں، اور پانچویں عورت کے ساتھ نکاح کیا جاوے، تو پانچویں عورت، جس کا نکاح بعد میں ہوا ہے اس کا نکاح درست نہیں، مگر اس سے پہلی چار عورتوں کے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، ان کا نکاح باقی رہے گا، اگر پانچ یا پانچ سے زائد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جاوے، یعنی نکاح کا قبول پانچوں کے لیے ایک ساتھ کیا جاوے، تو پانچوں کا نکاح فاسد ہو جائے گا، اور اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا جاوے، تو پہلی چار عورتوں کا نکاح صحیح ہوگا، اور چار کے بعد کی عورتوں کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

'' واذا تزوج الحر خمسا علی التعاقب جاز نکاح الاربع الاول ولا یجوز نکاح الخامسة وان تزوج خمسا فی عقدة فسد نکاح الکل ''.

(فتاوی عالمگیری : ۱/ ۲۷۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

منگنی کا بیان

(۱۵۳۴) لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کا پیغام:

سوال: نکاح کے لیے لڑکی والے اپنی پسند کی جگہ پر خود نکاح کا پیغام بھیج سکتے ہیں، بہت سی جگہوں پر لڑکی والے پیغام بھیجیں، تو اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے، لہٰذا پیغام نہیں بھیجتے اور اچھی جگہ ہاتھ سے نکل جاتی ہے، یا لڑکی بغیر نکاح کے رہ جاتی ہے؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں صحیح رہنمائی فرمائیں!

جواب: لڑکے والے نیک، صالح اور متبع شریعت ہوں، تو ایسے لڑکے کے لیے خود اپنی لڑکی یا بہن وغیرہ کے نکاح کا پیغام بھیجیں، تو اس میں کوئی عیب یا شرم کی بات نہیں، حضرت شعیب علیہ السلام نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میں امانت داری اور قوت محسوس کرلیا، تو خود موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

" قال شعیب لموسیٰ بعد الاطلاع علی قوته وأمانته :

﴿ اِنِّی اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ ﴾ . (سورۃ قصص:۲۷، روح البیان :۳/۶۷)

ترجمہ: یعنی میں چاہتا ہوں کہ میری ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا جب وہ بیوہ ہوئیں، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے عذر ظاہر کیا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے کہا کہ: اگر آپ کا ارادہ ہو تو ''حفصہ'' کا نکاح آپ کے ساتھ کرادوں۔ (بخاری شریف:۲/۷۶۷، باب عرض الانسان ابنته او اخته علی اہل الخیر)

جب کہ ایک جلیل القدر نبی اور اکابر صحابہ نے اپنی بیٹی کے لیے نیک خاندان میں نکاح کے لیے سامنے چل کر پیغام دیا، تو ایک سنت ادا کرنے میں عیب اور شرم کیسے ہوسکتی ہے! سنت پر عمل کرنے میں شرم نہیں کرنی چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱/ شعبان المعظم/ ۱۴۲۲ھ

(۱۵۳۵) منگنی کی رسم کے وقت دیئے ہوئے زیور کا مالک کون؟

سوال: ہمارے وہاں ایک رسم ہے کہ نکاح کی منگنی کے وقت لڑکے کی طرف سے لڑکی کو زیور اور ایک جوڑا کپڑوں کا دیتے ہیں، اور جو زیور ہوتے ہیں وہ کمیٹی کے اراکین اپنے قبضہ میں رکھتے ہیں، اور اس کی رسید بھی دیتے ہیں، اور حفاظت کے لیے فیس بھی لیتے ہیں، تو ایسا قانون بنانا درست ہے؟

ہمارے وہاں ایک واقعہ پیش آیا کہ عمر بھائی کے لڑکے ''حسین'' کی منگنی ایک لڑکی کے ساتھ کی گئی، منگنی کی رسم کے بعد عمر بھائی نے جماعت کے اراکین سے کہا کہ میرے لڑکے ''حسین'' کا نکاح مذکورہ لڑکی سے نہیں کرانا ہے، لڑکی کو جو زیور دیا ہے وہ مجھے واپس دو، مگر اراکین نے یہ بات نہیں مانی اور منگنی کو باقی رہنے دیا، مگر اس بات سے لڑکی کے والد اور اراکین کو عمر بھائی پر سے اعتماد اٹھ گیا، جس کی بنا پر لڑکی کے باپ اور اراکین نے عمر بھائی اور اس کے بیٹے ''حسین'' پر ایک شرط رکھی کہ لڑکی کو منگنی کے وقت جو زیور دیا ہے، وہ ہمیشہ لڑکی کی ملکیت میں رہیں گے، تو عمر بھائی اور اس کے لڑکے حسین نے یہ شرط منظور کی اور اس شرط کی تحریر لی گئی، مگر لکھنے والے نے دھوکے سے اصل شرط میں تغیر کر کے یوں لکھا کہ ''زیور صرف دو سال تک لڑکی کے پاس رہے گا''، اور گواہوں نے تحریر پڑھے بغیر دستخط کر دی، پھر بعد میں اس دھوکہ کی اطلاع ہوئی، تو زیور کا مالک کون، لڑکی یا لڑکا؟

جواب: شریعت کا اصول ہے کہ کسی کا تھوڑا سا مال بھی مالک کی رضامندی کے بغیر دوسرے کے لئے حلال نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا:

" ألا لا تظلموا ، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه " .

''خبردار کسی پر ظلم نہ کرو! اور اچھی طرح سمجھ لو کہ کسی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر دوسرے کے لیے حلال نہیں۔'' (مشکوٰۃ المصابیح:۱/۲۵۵)

قرآن حکیم میں ہے: ''عورتیں اپنی رضامندی سے اپنے مہر میں سے کچھ ہبہ کرے، تو تم وہ مال خوشی کے ساتھ کھا سکتے ہو۔'' (سورۃ النساء:۴)

﴿فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه﴾ " وفي الآية دليل على وجوب الاحتياط ، حيث بنى الشرط على طيب النفس " . (روح البیان : ۱/۲۱۳)

" فان المرٰعی هو تجافی نفسها عن الموهوب طيبة ".

(التفسير الكبير للرازى : ۲/ ۲۰۸)

" قال الغزالى : من أخذ شيئًا مع العلم بان باعت لا معطى الحياء منه أو من الحاضرين ولولا ذلک لما اعطاه فهو حرام اجماعا ويلزمه ردّه اورد به له اليه او الى ورثته ".

(مرقاة المفاتيح : ۲/ ۴۵۲ ، باب من لا تحل له المسئلة ومن تحل له ، الفصل الأول)

مذکورہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ہدیہ کے لیے رضامندی کا ہونا ضروری ہے۔

سوال میں لکھا ہے کہ ''لڑکی کے والد اور اراکین نے عمر بھائی اور ان کے لڑکے حسین کے سامنے یہ شرط رکھی کہ ''مریم بی بی'' کو منگنی کے وقت دیئے ہوئے زیور کی ملکیت مریم بی بی کی رہے گی''، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والے ''حسین'' نے رضامندی سے ''مریم بی بی'' کو زیور کا مالک نہیں بنایا، لہٰذا ایسی صورت میں قرآن پاک اور مذکورہ حدیث کی روشنی میں زیور کی ملکیت ''مریم بی بی'' کی نہ ہوگی، شرط نامہ میں تبدیلی کی گئی ہے، اس کی خبر اراکین کو نہ ہوئی اور شرط نامہ پڑھے بغیر اس پر دستخط کردی، جب کہ زیور کے لیے اختلاف بھی چل رہا تھا، یہ تعجب اور قابل غور ہے!

(۲) شریعت میں نکاح کے وقت شوہر پر مہر کے علاوہ اور کوئی چیز عورت کو دینا متعین نہیں کیا گیا ہے، مہر بھی نکاح کی اہمیت اور اس کے احترام کے لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ نکاح کو معمولی نہ سمجھیں۔

" ثم المهر واجبة شرعاً ابانةً لشرفِ المحل " . (هدايه : ۲/ ۳۰۲)

" فعلمنا ان البدل النفقة وهذا الاظهار خطره فلا يستهان به ".(فتح القدير : ۲/ ۴۳۴)

لہٰذا منگنی کی رسم کے وقت مہر کے علاوہ زیورات لینا اور اپنے قبضہ میں رکھنا شرعاً درست نہیں، نکاح آپس میں رضامندی سے کیا جاتا ہے، اس میں زیورات کو جمع کرنا اور اس کی حفاظت کرنا اور حفاظت کے بدلے فیس لینا ان تمام چیزوں کی کیا ضرورت ہے! فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲/۳/ ۱۹۸۳ء

شادی بیاہ کی رسومات اور بدعات

(۱۵۳۶) شادی بیاہ کی رسوماتِ بد:

سوال: شادی کے وقت منگنی ہوتی ہے، جس میں ۵۰/ یا ۱۰۰/ آدمی کو کھانا کھلایا جاتا ہے، اس کے بعد شادی متعین کرنے کے لیے جب لڑکے والے جاتے ہیں، تو ان کو پوچھا جاتا ہے کہ کتنے جوڑے کپڑے دیں گے؟ کتنے زیورات دیں گے؟ اور شادی کے دو، تین دن پہلے حرام باجوں اور مزامیر کا استعمال کرنا، ناچ گانے، گھوڑے پر سواری کرنا، بارات لے کر بلا ضرورت شہر میں پھرنا، بارات کے ساتھ ڈھول باجا ہونا، گانے والے اور گانے والیوں کو بارات میں شامل کرنا، بارات میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا چلنا وغیرہ رسومات ہوتی ہیں، تو ایسی شادی میں شرکت کرنی چاہیے یا نہیں؟ سنت طریقہ کے مطابق بارات جاتی ہو، تو کہا جاتا ہے کہ میت جیسا ہو رہا ہے، تو ایسا کہنا کیسا ہے؟

جواب: شریعت میں نکاح کی رسم کو بہت آسان بنایا ہے، اور زیادہ خرچ کرنے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برکت کے اعتبار سے وہ نکاح افضل ہے، جس میں خرچ کم کیا جاوے۔

عن عائشة قالت : قال النبي صلى الله عليه وسلم : " ان اعظم النكاح بركة أيسره مؤنة ". (مشكوة المصابيح: ٢٦٨/٢)

جس مجلس میں شریعت کے خلاف کام ہوتا ہو تو اس میں شرکت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

عن علي قال : " صنعت طعاما فدعوت رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء فرأى تصاوير فرجع ". (ابن ماجة: ٢٤٠)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، مگر گھر میں تصویر دیکھ کر واپس چلے گئے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں ہے: ''جس دعوت میں خلاف شرع افعال ہونے کا علم ہو، تو ایسی دعوت میں

بالکل شریک نہ ہونا چاہیے۔‘‘

’’ **وان علم اولا باللعب لا يحضر اصلا سواء كان ممن يقتدى به او لا لان حق الدعوة انما يلزمه بعد الحضور لا قبله** ‘‘. (در مختار مع الشامی: ۳۵۰/۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان اور ’’درمختار‘‘ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مجلس میں ڈھول، باجا وغیرہ خلاف شرع کام ہوتے ہوں، تو ایسی مجلس میں شرکت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

قرآن حکیم میں ایک دوسرے کی مذاق کرنے سے منع کیا گیا۔

﴿**لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ**﴾ . (سورة الحجرات : ۱۱)

لہٰذا بارات جارہی ہو تو اس کو یوں کہنا کہ ’’میت جیسا ہو رہا ہے‘‘ یہ درست نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۳۷) مرد کو زیورات دینے پر مجبور کرنا:

سوال: ہماری برادری میں ایک مخصوص زیور جس کو عورتیں ٹخنوں پر پہنتی ہیں، جو تقریباً ۵۰ر تولہ سے زیادہ وزن کا بنایا جاتا ہے، شوہر یا شوہر کے گھر والوں پر شادی یا منگنی کے وقت نہایت پابندی کے ساتھ بنا کر بیوی کو پہنانا پڑتا ہے، یعنی اتنی زیادہ پابندی ہے کہ اس کے بغیر منہ دکھانے کے لائق نہیں، اگر ایسا نہ کریں تو لعن طعن کی بوچھاریں مجلس میں ہونے لگتی ہیں، ہمارے معاشرہ کے غریبوں پر ظلم کیا جاتا ہے، اگر ایسا نہ کریں تو برادری چھوڑ کر کہاں جاوے؟ اس زیور کے ترک کرنے یا کرانے پر شوہر کے مرنے کی بدشگونی لی جاتی ہے؟ (ہانسوٹ)

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ **ان اعظم النكاح بركة ايسره مؤنةً** ‘‘ . (مشکوۃ : ۲۶۸/۲)

بابرکت اور بھلائی والا نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو۔

ایک عورت نے اپنی ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیش کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت نہیں محسوس فرمائی، ایک صحابی نے عرض کیا کہ اس عورت کا نکاح مجھ سے فرمادیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس کیا ہے؟ جواب دیا: ’’ **ما عندى الا ازارى هذا** ‘‘

’’اس تہہ بند کے علاوہ کچھ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا:

" التمس ولو خاتما من حديد ".

’’تلاش کرو چاہے لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو، وہ بھی نہیں تو قرآن یاد ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا۔ (سنن ترمذی:۱۳۲، ابوداؤد:۲۸۷)

سیدۃ نساء اہل الجنۃ؛ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ زرہ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

" ألا لا تغالوا صدقة النساء ، فانها لو كانت مكرمة فى الدنيا او تقوى عند الله لكان اولاكم بها نبى الله صلى الله عليه وسلم ". (ترمذی : ۱۳۲/۱)

اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں کہ لڑکے کے پاس کچھ نہیں تھا، علم اور دین داری کی وجہ سے نکاح کر دیا گیا، کسی کو مجبور کر کے زیورات لینا ضروری نہیں، غیر لازم کو لازم کر دینا شیطانی کام ہے۔

" من اعتقد الوجوب فى امر ليس بواجب او عمل معاملة الواجب معه يكون هذا خطأ من الشيطان وبدعة مذمومة ". (بذل المجهود : ۱۴۹)

غریب آدمی عدم استطاعت کی وجہ سے نہ دے، تو برادری سے الگ کر دینا سراسر ظلم ہے، قرآن پاک میں اصول بیان کیا گیا ہے: ﴿لاَ تَظْلِمُوْنَ وَلاَ تُظْلَمُوْنَ﴾ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جاوے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا ضَرر ولا ضِرار“ نہ تو نقصان اٹھایا جاوے اور نہ تو نقصان پہنچایا جاوے، اور ایک جگہ فرمایا:” من ضارّ ضارّ الله به “ جو کسی کو ضرر پہنچائے گا اللہ اس کو ضرر پہنچائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح:۴۲۸)

لہٰذا یہ رَواج قابل ترک ہے، اور ﴿لاَ يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لائِم﴾ کو پیش نظر رکھ کر اس پر عمل نہ کیا جاوے، بدشگونی لینا جاہلوں کا عقیدہ ہے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمایا ہے: ”لا طير ولا صفر“، فرما کر۔ (ابوداؤد:۵۴۶) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۰/۷/ ۱۹۹۱ء

(۱۵۳۸) منگنی اور شادی میں دعوت اور ایوار کرنا:

سوال: آج کل ایک رسم ہے کہ نکاح سے پہلی منگنی ہوتی ہے، جس میں لڑکی والوں کی طرف سے آنے والوں کا استقبال اور میزبانی ہوتی ہے، اور جب عقد نکاح کے لیے آتے ہیں، تو اس وقت بھی آنے والی بارات کی دعوت کی جاتی ہے، بعض مرتبہ لڑکی والوں کو برادری کا خیال رکھتے ہوئے، اور لڑکی کو سسرال والے طعنہ زنی نہ کریں، اس لیے بھی دعوت کرنی پڑتی ہے، اور آنے والے لوگ ایوار بھی کرتے ہیں، اگر ایوار دو تو اس کو بھی برا سمجھتے ہیں، لہٰذا شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ (موصالی)

جواب: شریعت نے نکاح کو سنت کا درجہ دیا ہے، اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اس میں رسم اور رواج اور فضول خرچی اور ریاکاری نہ ہونا چاہیے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں نہ منگنی تھی اور نہ کوئی شادی کی رسم، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، اور کچھ صحابہ حضرت انس، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی حاضری میں عقد نکاح کرادیا، نہ شیرینی اور بارات، اور نہ کھانے کی دعوت تھی، اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہاں رخصت کردیا، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دور سے منگنی کے لیے آوے اور میزبانی کے طور پر ہمدردی کے مقصد سے کھلایا جاوے تو درست ہے، مگر رسم اور رواج اور لڑکی کو طعنہ زنی کے خوف سے، اور اپنے نام ونمود کے لیے لوگوں کو کھانا کھلانا گناہ کا کام ہے، شریعت میں ایسا کام ردو باطل شمار ہوتا ہے، ثواب نہیں ملتا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

" ان عمل المرائی باطل لا ثواب فیه ویأثم به ".

قال الله تبارک وتعالی : انا اغنی الشرکاء عن الشرک ، من عمل عملا اشرک فیه معی غیری ترکته وشرکه . والمراد عمل المرائی " .

(شرح النووی علی مسلم : ۲/۴۱۱ ، باب تحریم الریاء)

مفتی محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر دولہے کے ساتھ اس کے خاص رشتہ دار بھائی وغیرہ آوے، تو میز بانی کرنا احترام کا تقاضا ہے، بڑی بارات بلانا، قرض کر کے کھانا کھلانا ہرگز شرعاً پسندیدہ نہیں۔ (فتاوی محمودیہ:۱۵/۴۲۱)

آگے لکھتے ہیں: لڑکی والوں کے وہاں کھانا کھلانا لازم کرنا، جیسے آج کل رواج ہے یہ ثابت نہیں۔(فتاوی محمودیہ:۱۵/۴۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''خبردار کسی پر ظلم نہ کرو! کسی کا مال اس کی رضا مندی کے بغیر لینا جائز نہیں۔''

'' ألا لا تظلموا ، ألا لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه '' .

(مشكوة المصابيح : ۲۵۵)

شادی وغیرہ کے موقع پر ہدیہ کے طور پر نقد یا کوئی چیز دینا، جس میں ریا کاری، نام ونمود مقصد نہ ہو، اور دے کر اس کا بدلہ لینے کی نیت نہ ہو، تو درست ہے، کوئی کراہت اور خرابی نہیں، مگر آج کل شادی کے موقع پر جو رواج ہو گیا کہ شادی میں کچھ دیا جاتا ہے، اس کا حساب بھی رکھا جاتا ہے، تحقیق کے ساتھ دینے والے کا نام اور کتنے روپئے دیئے وہ بھی لکھا جاتا ہے، اور دینے والے کے وہاں شادی وغیرہ کے موقع پر دی ہوئی رقم سے زیادہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے، اس طرح دینا جائز نہیں، اور یہ بخشش نہیں بل کہ قرض ہے۔

﴿وَمَآ اٰتَيۡتُمۡ مِنۡ رِّبًا لِّيَرۡبُوَ فِيۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ .

(سورة الروم : ۳۹)

اس کی تفسیر میں مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت میں ایک غلط رسم کی اصلاح کی گئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ رشتہ دار جو کچھ دیتے ہیں اس کو یاد رکھا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں بھی کوئی تقریب ہوگی، تو اس کو زیادہ کر کے دیں گے، تو اس آیت میں بتلایا گیا کہ جس نے عوض لینے کی نیت سے دیا، تو جو زائد رقم ملے گی اس کا کوئی ثواب نہیں، اور قرآن حکیم میں اس زیادتی کو ''سود'' کہہ کر اس کی

مذمت بیان کی گئی ہے، یہ بھی سود کا ایک طریقہ ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

" الظاهر انه يريد به الزيادة المعروفة في المعاملات واليه ذهب ابن عباس وغيره ".

یعنی آپسی معاملات میں زیادہ دینے کا دستور ہے، ظاہر ہے کہ آیت میں یہ زائد رقم مراد ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی مطلب مراد لیا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شادی میں جو کچھ دیا جاتا ہے، اگر عوض لینے کے طور پر دینے کا رواج ہو تو یہ قرض ہے، اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔

" حتى في كل وليمة يحضرون الخطيب يكتب لهم ما يهدى ، فاذا جعل المهدى وليمة يراجع المهدى الدفتر فيهدى الاول الى الثاني مثل ما اهدى اليه". (شامی : ۴/۷۱۷)

یعنی بعض جگہوں میں ولیمہ کی دعوت میں ایک شخص دینے والے کے نام لکھتا ہے، اور جب دینے والے کے وہاں کوئی تقریب ہو تو اس کا عوض دیتا ہے۔

بعض مرتبہ دینے والے کی نیت ریاکاری اور شہرت کی ہوتی ہے کہ دوسروں سے بڑھ کر لکھواوے۔ اور قرض کے متعلق حکم ہے کہ جلد سے جلد اس کو ادا کیا جاوے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: طاقت ہونے کے باوجود دیر کرنا ظلم ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: قرض دینے کے بعد جو نفع لیا جاوے وہ سود ہے۔

لہٰذا موجودہ زمانہ میں جس طرح ایوار لینے دینے کا طریقہ ہے وہ جائز نہیں، البتہ دینے کے بعد عوض لینے کی نیت نہ ہو، صرف تعاون کے طور پر دیا جاوے تو جائز بل کہ افضل ہے۔

" وفي البناية : اجابة الدعوة سنة وليمة وغيرها . واما دعوة يقصد بها التطاول ...... او ما اشبهه فلا ينبغي اجابتها لا سيما اهل العلم فقد ما وضع احد

يـده فـي قصعة غيره الا ذل له اهـ ..... وفي التتارخانية عن الينابيع : لو دعي الى دعـوة فـالـواجب الاجابة ان لم يكن هناك معصية ولا بدعة والامتناع اسلم في زماننا الا اذا علم يقينا ان لا بدعة ولا معصية ...... ". (شامی : ۵/۳۰۴)

" كـل قـرض جـر نـفعا فهو ربا " . روى الحارث بن اسامة في مسنده عن علي مرفوعا بلفظ " كل قرض جر نفعة فهو ربا ". (مجموعه قواعد الفقه : ۱۰۲)

" اذا دعى احدكم الطعام فليجب ".

(ترمذی : ۱/۹۷، باب ما جاء في اجابة الصائم الدعوة)

" فليجب اذا لم يكن هناك محظور شرعي ، ولم يكن الداعي فاسقا ولا الـطـعـام حـرامـا ، امـا اذا ذهـب ثم علم ان هناك محظورا فان كان على السفرة يقوم". (الكوكب الدرى : ۱/۲۶۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۳۹) خلافِ شرع کام والی دعوت میں شرکت کا حکم:

سوال: موجودہ زمانہ میں نکاح کی مجلس اور ولیمہ کی دعوت میں بہت سے غیر شرع رواج (فوٹوگرافی، ویڈیو کیسٹ، ناچ گانے) وغیرہ عام ہوگئے ہیں، تو ایسے نکاح اور ولیمہ میں شرکت کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح کی مجلس میں اور دعوت میں جانے سے پہلے اس میں خلاف شرع (فوٹوگرافی، ویڈیو کیسٹ، ناچ گانے) وغیرہ کی خبر ہو، تو ایسی مجلس میں شریک ہونا اور کھانا کھانا، اور دعوت قبول کرنا بالکل جائز نہیں۔ (ابوداؤد: ۵۲۷)

البتہ خلاف شرع کوئی افعال ہونے کی خبر نہ ہو، اور مجلس میں پہنچ گیا، اور وہاں خلاف شرع کام ہوتا ہو، تو اپنے کام سے فارغ ہوکر جلد چلا جانا چاہیے، اور اگر خلاف شرع کام ہونے کا شک شبہ ہو تو نہ جانا بہتر ہے، البتہ اگر پورا یقین ہو کہ کسی بھی قسم کے خلاف شرع کام نہ ہوں گے، تو ایسی دعوت

قبول کرنا بہتر ہے۔

" فـان عـلـم اولا بـاللعب لا يحضر اصلا سواء كان ممن يقتدى به او لا ، لان حق الدعوة انما يلزمه بعد الحضور لا قبله ، وما رواه ابن ماجة ان عليا رضى الـلـه عـنه قال : صنعت طعاما فدعوت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرآى فى البيت تصاويرفرجع ". (شامی :۳۰۵/۵)

" لـو دعى الى دعوة فالواجب الاجابة ان لم يكن هناک معصية ولا بدعة والامتناع اسلم فى زماننا الا اذا علم يقينا ان لا بدعة ولا معصية ".

(شامی :۳۰۴/۵ ، عالمگیری :۳۴۳/۵)

" ان رجـلا اضـاف عـلي بن ابى طالب فصنع له طعاما ، فقالت فاطمة : لو دعـونـا رسـول الله صلى الله عليه وسلم فأكل معنا فدعوه ، فجاء فوضع يده على عضادتى الباب ، فرأى القرام قد ضرب به فى ناحية البيت فرجع ".

(ابوداود :۵۲۷ ، باب الرجل يدعى فيرى مكروها) فقط

واللہ اعلم بالصواب

محرم اور غیر محرم کا بیان

(فصل اول)

جن سے نکاح جائز ہے

(۱۵۴۰) رضاعی بھائی کا نکاح حقیقی بہن کے ساتھ:

سوال: احمد نے دودھ پینے کی مدت کے درمیان فاطمہ کا دودھ پیا، اب فاطمہ جو احمد کی رضاعی ماں ہے، اس سے احمد کے حقیقی بھائی بہنوں کی حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ یا صرف احمد سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ احمد اپنی حقیقی بہن کا نکاح فاطمہ یعنی رضاعی ماں کے لڑکے (رضاعی بھائی) کے ساتھ کرنا چاہتا ہے تو یہ درست ہے؟

جواب: اصول یہ ہے کہ رضاعی ماں کی اولاد رضاعی بھائی بہن ہوجاتے ہیں، جیسے اس شعر میں کہا گیا ہے:

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند ☆ واز شیر خوارہ زوجان وفروع

لہٰذا رضاعت صرف احمد سے ثابت ہوگی، احمد کے حقیقی بھائی بہن سے ثابت نہ ہوگی، تو احمد اپنی حقیقی بہن کا نکاح اپنے رضاعی بھائی (رضاعی ماں فاطمہ کے لڑکے) سے کرسکتا ہے۔

"وتحل اخت اخيه رضاعا". (رد المحتار: ۲/۵۶۱، شرح الوقايه: ۲/۶۰)

"اذا كان لک اخ رضاعي له اخت نسبي فهي حلال عليک".

(عمدة الرعاية: ۲/۶۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۴۱) رضاعی بہن کی رضاعی بہن کے ساتھ نکاح:

سوال: زید نے ایک عورت کا دودھ پیا، اور دودھ پلانے والی کی چار لڑکیاں ہیں، جب عورت نے زید کو دودھ پلایا، تو اس وقت اس کی حقیقی لڑکی بھی دودھ پی رہی تھی، اب زید کا نکاح اس رضاعی بہن کی رضاعی بہن کے ساتھ ہوسکتا ہے، فی الحال اس کی منگنی ہوگئی ہے، نکاح اس فتویٰ کے جواب پر

موقوف ہے۔

ہم نے ایک مسئلہ پڑھا ہے ''حقیقی بھائی کی رضاعی بہن، یا رضاعی بھائی کی حقیقی بہن، یا رضاعی بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح جائز ہے'' تو کیا یہ مسئلہ صحیح ہے؟

جواب: زید کی منگنی جس لڑکی کے ساتھ ہوئی ہے، اس لڑکی نے جس عورت کا دودھ پیا ہے، زید نے بھی اس عورت کا دودھ پیا ہو، تو زید کا نکاح اس لڑکی سے جائز نہیں، چاہے دونوں نے ایک ہی وقت میں پیا ہو، یا الگ الگ وقت میں پیا ہو۔

حقیقی بھائی کی رضاعی بہن، یا رضاعی بھائی کی حقیقی بہن، یا رضاعی بھائی کی رضاعی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے، اس لیے کہ تینوں مسئلوں میں لڑکے اور لڑکی نے ایک ہی عورت کا دودھ نہیں پیا ہے، بل کہ دونوں نے الگ الگ عورت کا دودھ پیا ہے۔

" **وتحل اخت اخيه رضاعا ...... قوله : (رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف اليه وبالمضاف وبكليهما كان يكون لك اخ نسبي له اخت رضاعية فهي حلال عليك ، وكذا اذا كان لك اخ رضاعي له اخت نسبية ، وكذا الاخت الرضاعية للاخ الرضاعي** ". (عمدة الرعاية: ۲/ ۶۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۴/ ۵/ ۱۹۷۱ء

(۱۵۴۲) سوتیلے بھائی کا نکاح سوتیلی بہن کے ساتھ:

سوال: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے بعد اس عورت کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد میں نے ایک بیوہ عورت سے دوسرا نکاح کیا، جس کی پہلے شوہر سے ایک لڑکی ہے، وہ لڑکی کو بھی ساتھ لائی، اب سوال یہ ہے کہ میری پہلی بیوی کا جو لڑکا ہے اس کا نکاح دوسری بیوی کی لڑکی سے ہو سکتا ہے؟

جواب: مرنے والی بیوی کا لڑکا اپنی سوتیلی ماں کی لڑکی کے ساتھ جو اگلے شوہر سے ہے (جو اپنے ساتھ لائی ہے) نکاح کرسکتا ہے۔

" **يجوز ان يتزوج باخت اخيه من النسب مثل الاخ من الاب اذا كانت له اخت من امه جاز لاخيه من ابيه ان يتزوجها** ". (هدايه: ۲/ ۳۳۱) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۵۴۳) رضاعی بھائی کی رضاعی ماں سے نکاح:

سوال: راشد نے فاطمہ کا دودھ پیا، فاطمہ کا بیٹا عاقل نے خدیجہ کا دودھ پیا، تو راشد کا خدیجہ سے نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب: راشد اپنے رضاعی بھائی کی رضاعی ماں سے (جس کا راشد نے دودھ نہیں پیا) نکاح کرسکتا ہے۔

" **الا ام اختته او اخيه وهي شاملة لثلث صور والام رضاعا للاخت او الاخ رضاعا** ". (شرح الوقاية: ۲/ ۵۸)

لہٰذا راشد خدیجہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ فقط

والله اعلم بالصواب

۸/ صفر المظفر / ۱۴۲۰ھ

(۱۵۴۴) غیر مسلم کو مسلمان بنا کر اس کے ساتھ نکاح:

سوال: زید نے ایک ۱۳/ سال کی غیر قوم کی لڑکی کے ساتھ اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا کر نکاح کیا ہے، تو یہ درست ہے؟ اس کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے؟

جواب: ۱۳/ سال کی لڑکی کو مسلمان بنا کر اگر زید نے اسلامی طور طریقہ پر نکاح کیا ہو، تو یہ نکاح درست ہے، دونوں میاں بیوی کی طرح ساتھ رہ سکتے ہیں۔ فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۵۴۵) نسبتی بہن کی لڑکی (بھانجی) کے ساتھ نکاح:

سوال: ایک عورت سے نکاح ہوا، وہ زندہ ہے، تو اس کی بہن یعنی نسبتی بہن کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے؟

جواب: ''شامی'' میں ہے کہ عورت نکاح میں ہو، تو اس کی بھانجی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا بیوی کی حیات میں اس کی بھانجی یعنی نسبتی بہنی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، حرام ہے۔

" **وحرم الجمع بين امرأتين ايتهما فرضت ذكرا لم تحل للاخرىٰ أبدا لحديث مسلم : لا تنكح المرأة على عمتها وعلى خالتها ولا على ابنة اخيها ولا على ابنة اختها** ". (شامی: ۲/ ۳۹۱) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۵۴۶) نواسی کا نکاح بھتیجے کے ساتھ:

سوال: زید اپنی حقیقی نواسی کا نکاح اپنے حقیقی بھتیجے کے ساتھ کرسکتا ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں زید اپنی نواسی اور اپنے بھتیجے کے درمیان نکاح کرنا چاہتا ہے، تو ان دونوں کا نکاح درست ہے، اس لیے کہ اس نکاح کرنے والے لڑکے کے لیے مذکورہ لڑکی چچازاد بہن کی لڑکی ہوتی ہے، اور چچازاد بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، تو چچازاد بہن کی اولاد کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

" **تحل لبنات العمات والاعمام والخالات والاخوال** ".

(فتح القدير شرح هدايه: ۲/ ۳۵۷) فقط

والله اعلم بالصواب

۷/ ۴/ ۱۹۸۰ء

(۱۵۴۷) رضیعہ کی بہن کا نکاح مرضعہ کے لڑکے کے ساتھ:

سوال: فرید کی لڑکی نے فرید کی بہن کو دودھ پلایا، تو دودھ پینے والی لڑکی کے علاوہ فرید کی دوسری لڑکی کا نکاح دودھ پلانے والی بہن کے لڑکے کے ساتھ ہوسکتا ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں فرید بھائی کی جس لڑکی نے فرید کی بہن کو دودھ پلایا، تو اس لڑکی کے علاوہ فرید کی دوسری لڑکی کا نکاح دودھ پلانے والی عورت کے لڑکے کے ساتھ درست ہے، احسن الفتاوی میں ہے کہ: دودھ پلانے والی کی سب اولاد دودھ پینے والے پر حرام ہوجاتی ہیں، البتہ دودھ پینے والے کے بھائی بہن دودھ پلانے والی کی اولاد پر حرام نہیں۔ (احسن الفتاوی: ۵/۸۷) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۵۴۸) اہل کتاب کے ساتھ نکاح:

سوال: مسلمان اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرے، تو اس کو کلمہ پڑھانا چاہیے، یا وہ اپنے مذہب پر رہے، تو یہ عورت مسلمان کے نکاح میں رہ سکتی ہے؟ اور وہ اپنے مذہب پر رہے تو اولاد کیا شمار ہوگی؟ (سورت)

جواب: اگر عورت واقعی اہل کتاب ہو، اپنے مذہب کے اصول اور نبی، اور اس پر نازل شدہ کتاب پر ایمان رکھتی ہو، تو اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، پھر بھی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے میل جول کی بنا پر اپنی ذات پر اور اولاد پر غلط اثر پڑنے کا پورا خطرہ ہے، عقائد کے بگڑنے کا پورا خوف ہے، لہٰذا نکاح نہ کرنا بہتر ہے، اور نکاح کرنا مکروہ کہا گیا ہے۔

" ویجوز تزوج الکتابیات ، والاولی ان لا یفعل ، ولا یاکل ذبیحتھم الا لضرورۃ ". (شامی: ۲/ ۳۹۷)

اہل کتاب وہ ہیں جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھیں، مثلاً یہودی توریت پر اور نصاریٰ انجیل پر ایمان رکھتے ہوں، البتہ موجودہ زمانے کے یہود اور نصاریٰ صرف نام کے رہ گئے ہیں، نہ تو

اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ نبوت کا اقرار کرتے، اور نہ کسی کتاب کو مانتے ہیں، لہٰذا یہ اہل کتاب نہیں، ان کا حکم کافر جیسا ہے، ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

(قاموس الفقہ :۴۸۳، امداد الفتاوی:۲/ ۱۷۰، فوائد عثمانی: پارہ ۶ تفسیر روح المعانی: پارہ ۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۱/ ۵/ ۱۹۹۱ء

(۱۵۴۹) زانی اور مزنیہ کے فروع کا آپس میں نکاح:

سوال: ایک شخص نے مثلاً زید نے ہندہ سے چند سال پہلے شہوت سے مس کیا، اب ہندہ کی لڑکی اور زید کے لڑکے کی منگنی ہوئی، اور عنقریب دونوں کا نکاح ہونے والا ہے، شرعاً یہ صحیح ہے؟ اور زید کے لڑکے اور ہندہ کی لڑکی کا نکاح شرعاً جائز ہے؟ مدلل مفصل جواب عنایت فرما کر ممنوع ومشکور فرمائیں! نوازش ہوگی۔ (سورت)

جواب: ایک مرد اور عورت نے زنا کیا، یا شہوت سے ہاتھ لگایا، تو ان دونوں کی اولاد کا آپس میں نکاح صحیح ہے، البتہ زانیہ یا مزنیہ میں سے کسی کا ایک دوسرے کے اصول اور فروع سے نکاح درست نہیں ہے کہ شریعت نے زنا اور نکاحِ صحیح دونوں کا حکم حرمت میں یکساں دیا ہے، شہوت سے ہاتھ لگانا یہ بھی جماع کے حکم میں ہے۔

مذکورہ صورت میں زید نے ہندہ کو شہوت سے مس کیا ہے، لہٰذا زید کے لڑکے اور ہندہ کی لڑکی ان دونوں کا نکاح صحیح ہے۔

" لو زنى بامرأة حرمت عليه اصولها وفروعها وحرمت المزنية على اصوله حرم ايضا بالصهرية اصل مزنيته واصل ممسوسته بشهوة ...... وفروعهن مطلقاً يرجع الى الاصول والفروع اى وان علون وان سفلن ". (شامی : ۲/ ۳۸۵)

" وكما تثبت هذه الحرمت بالوطء تثبت بالمس والتقبيل ".

(عالمگیری : ۱/ ۲۷۴)

" والزنا فی قبل بمنزلة الوطء الحلال فی ذلک عندنا " .

(فتاوی خانیه بر عالمگیری : ۱/ ۳۶۰ ، قاضی خان : ۱/ ۱۶۷)

" ان المس والنظر سبب داع الی الوطء فیقام مقامه فی موضع الاحتیاط" . (هدایه : ۲/ ۲۸۹)

" وفروعه ولا تحرم اصولها وفروعها علی ابن الواطی وابیه کما فی المحیط للسرخسی " . (مجمع الانهر : ۱/ ۳۲۶) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۵۰) حاملہ من الزنا کا نکاح زانی سے: اور بچہ کے نسب کا حکم:

سوال: ''نظام الدین'' اور ''سہرابانو'' کی منگنی ہوئی، اس کے بعد دونوں ملتے رہے، اور ''سہرابانو'' کو نکاح سے پہلے ہی حمل رہ گیا، تو کیا ''سہرابانو'' کا نکاح ''نظام الدین'' کے ساتھ درست ہے؟ بچہ کیا حکم؟

جواب: جس عورت کو بغیر نکاح کے زنا سے حمل رہ گیا، تو حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے، اگر زانی خود نکاح کرے تو جماع کرنا بھی جائز ہے، اور اگر زانی کے علاوہ دوسرا کوئی نکاح کرے، تو نکاح تو درست ہوگا، مگر بچہ پیدا ہونے تک جماع درست نہیں، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

" اذا أقر الزوج ان الحبل منه فالنکاح صحیح بالاتفاق " . (عالمگیری : ۱/ ۵۴۶)

نکاح کرنے والا اقرار کرے کہ عورت کو حمل مجھ سے ہے، تو نکاح بالاتفاق صحیح ہے، لہٰذا نظام الدین اور سہرابانو کا نکاح زنا سے حمل کی حالت میں شرعاً معتبر ہے۔

" وإن تزوج حبلی من زناء جاز النکاح ولا یطأها حتی تضع حملها ، وهذا عند ابی حنیفة ومحمد ، وقال ابویوسف : النکاح فاسد ". (هدایه : ۲/ ۲۹۲)

بچہ پیدا ہونے کے بعد، یا حمل کی حالت میں '' نظام الدین'' ''سہرا بانو'' کے ساتھ نکاح کرے، اور نکاح سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو، تو اس بچہ کا نسب ''نظام الدین'' سے ثابت نہ ہوگا۔

" ولو زنی بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جائت به لستة أشهر

فصاعدا ثبت نسبه ، وان جائت به لأقل من ستة اشهر لم يثبت نسبه الا أن يدعيه ولم يقل انه من الزنا أما ان قال انه مني من الزنا فلا يثبت نسبه ولا يرث منه ''.

(عالمگیری : ۱/۵۴۰) فقط

والله اعلم بالصواب

(فصل دوم)

جن سے نکاح جائز نہیں

(۱۵۵۱) ایک بہن کی موجودگی میں اس کی حقیقی بہن سے نکاح:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس کے چودہ سال بعد اس عورت کی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح کیا، تو کیا پہلی عورت سے نکاح فاسد ہوگا؟

جواب: ایک عورت سے نکاح کیا، اس کے بعد اس کے نکاح میں ہونے کی حالت میں اس کی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح کرنے سے اس کے نکاح میں کوئی حرج نہیں ہوگا، اس کا نکاح باقی رہے گا، البتہ بعد میں اس کی بہن کے ساتھ جو نکاح ہوا، وہ فاسد ہے، اس لیے کہ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْن﴾ یعنی دو بہنوں کو نکاح میں ایک ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔

''شامی'' میں ہے:

'' اذا تزوجهما على التعاقب فكان نكاح الاول صحيح ...... فان نكاح الثانية باطل قطعا ''. (شامی : ۲/۳۹۰)

اگر دو بہنوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح کیا جاوے، تو پہلا نکاح صحیح اور دوسرا قطعاً باطل ہے، دوسری بہن کو فوری طور پر الگ کر دیا جاوے، اگر دوسری بہن سے اولاد پیدا ہوئی، تو حرامی ہوگی، نسب ثابت نہ ہوگا۔ (فتاوی دار العلوم: ۷/۳۱) فقط

والله اعلم بالصواب

۳/۵/ ۲۰۰۲ء

(۱۵۵۲) دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا:

سوال: ایک عورت کے نکاح میں ہونے کے باجود، اس کی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب: ایک عورت کے نکاح میں ہونے کے بادجود اس کی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح کرنا قرآن حکیم میں منع کیا گیا ہے: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْن﴾ یعنی حرام کیا گیا تم پر دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا۔

لہٰذا مذکورہ شخص کے نکاح میں ایک بہن موجود ہو، تو اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۸/۳۱/ ۱۹۶۸ء

(۱۵۵۳) انگریز عورت کے ساتھ نکاح:

سوال: ایک مسلمان نے تقریبا ۲۵/ سال قبل ایک انگریز لڑکی سے نکاح کیا، اس انگریز عورت کا انتقال ہوا، اس کی وصیت کے مطابق نصاریٰ کے طریقہ پر دفن کی گئی، اس عورت کے شوہر نے ایصالِ ثواب کے لیے ایک مجلس رکھی، اس میں کچھ لوگ شریک ہوئے، مسجد کے امام صاحب بھی شریک ہوئے، اور کہتے ہیں کہ مصلحۃً میں شریک ہوا، اور اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہیں، اس کے باجود مقتدی عوام لوگ فتویٰ طلب کرتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ کیا انگریز لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے؟ اس کی تدفین میں شریک ہونا درست ہے؟ اس کو ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے؟ اور مذکورہ امام صاحب کی امامت کا کیا حکم ہے؟

جواب: موجودہ زمانہ میں جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، وہ صرف قومی برادری کی حیثیت سے اور صرف نام کے نصاریٰ ہیں، مذہبی اعتبار سے وہ دہریہ ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ مسلمان کو نکاح کرنا جائز نہیں۔ (فوائد عثمانی، بیان القرآن، امداد الفتاوی: ۲/۱۷۰، فتاوی دار العلوم: ۷/۲۷۸)

اور جب موجودہ نصاریٰ دہریہ ہیں، تو مذکورہ انگریز عورت کی تجہیز وتکفین میں شریک ہونا اور ایصالِ ثواب کرنا جائز نہیں، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام مسلمانوں کو مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ . (سورۃ التوبہ:۱۱۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں، چاہے ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ صاف معلوم ہے کہ کفر کی بنا پر وہ دوزخی ہیں۔

جن لوگوں نے مذکورہ عیسائی عورت کی تدفین میں شرکت کی ہے، اور ایصالِ ثواب کیا ہے، انہوں نے اچھا کام نہیں کیا، اپنی اس غلطی پر اللہ کے حضور میں توبہ کر لینی چاہیے، امام صاحب اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہیں، تو ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نماز درست ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عن عبد الله بن مسعود قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " التائب من الذنب كمن لا ذنب له ". (مشكوة المصابيح : ٢٠٦)

یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۵۴) بیوی کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اب زید اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا چاہے، تو نکاح ہو سکتا ہے؟

جواب: زید نے اگر اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کی عدت ختم ہو گئی، تو زید اس بیوی کی بہن کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

" اذا طلق امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا لم يجز له ان يتزوج بأختها حتى تقضى عدتها ". (هداية : ٢/ ٢٩٠ ، باب المحرمات)

اوراگراپنی بیوی کوطلاق دینے کے بعد،اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے،اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرے،تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔

" **لو تزوج امرأة فی عدة اختها من طلاق بائن او ثلاث لا یجوز له عن اصحابنا** ". (خلاصة الفتاوی: ۲/۷)

" **حرم الجمع بین المحارم نكاحًا ای عقدا صحیحا وعدة ولو من طلاق بائن** ". (در مختار مع الشامی: ۲/۳۹۰، باب المحرمات)

زیدنے اپنی بیوی کوطلاق دی ہے،تو طلاق کی عدت ختم ہونے کے بعد(اگر حاملہ ہوتو وضع حمل کے بعد،اوراگر حاملہ نہ ہوتو تین حیض ختم ہونے کے بعد)،زیداپنی بیوی کی بہن کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے،اس سے پہلے نکاح صحیح نہ ہوگا۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۵۵)ایک عورت کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح:

سوال: زیدلندن میں رہتا ہے اوراس کی بیوی کی بہن بھی لندن میں رہتی ہے،اور زید کی بیوی ہندوستان میں ہے،اب زید نے اپنی بیوی کی بہن کے ساتھ لندن میں کسی کوعلم نہ ہو،اس طریقہ سے نکاح کرلیا ہے،تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: زیدکواس کی بیوی کے نکاح میں ہونے کی حالت میں،اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں،حرام ہے،قرآن حکیم میں دو بہنوں کوایک ساتھ نکاح میں رکھنے کوحرام کہا ہے۔

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ تم دو بہنوں کونکاح میں جمع کرو، یہ حرام ہے۔

(سورۃ النساء:۲۳)فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۱/۸/۲۸ء

(۱۵۵۶) شیعہ آغا خانی لڑکی کے ساتھ نکاح:

سوال: میں نے شیعہ اسماعیلی آغا خانی قوم کی ایک لڑکی کے ساتھ اہل سنت کے مذہب کے مطابق نکاح کیا، اس عورت سے دو لڑکے بھی ہیں، یہ لڑکی اپنے مذہب پر ہے، اپنے خوجہ جماعت خانے میں جاتی ہے، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: شیعہ میں بہت سی جماعتیں ہیں، اگر شیعہ اسماعیلی آغا خانی جماعت کے عقائد؛ اسلام کے خلاف ہو، مثلاً یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانتے ہوں، قرآن کی وحی میں حضرت جبرئیل کی غلطی کا عقیدہ رکھتے ہوں، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں، تو یہ لوگ اسلام کے قطعی حکم کا انکار کرنے کی بنا پر کافر کہلائیں گے، اور کافر کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، تو یہ شیعہ لڑکی مذکورہ عقیدہ والی قوم میں سے ہو، تو اس کے ساتھ نکاح درست نہ ہوگا، لہٰذا اس عورت کو الگ کر دینا ضروری ہے۔

اگر یہ شیعہ لڑکی اسلام کے خلاف عقیدہ والی قوم میں سے نہیں، تو نکاح درست ہے، پھر بھی احتیاطاً شیعہ کے ساتھ نکاح نہ کیا جاوے۔

" ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوهية فی علي او ان جبرئيل غلط فی الوحی او کان ينكر صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة بخلاف ما اذا كان يفضل عليا او يسب الصحابة فانه مبتدع لا كافر ، اما الرافضی ساب الشيخين بدون قذف ".

(شامی: ۴۰۶/۳، ۳۹۸/۲)

" والاسماعيلية الذين يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف ، ونقل عن علماء المذاهب الاربعة انه لا يحل اقرارهم فی ديار الاسلام، و لا تحل مناكحتهم و لا ذبائحهم ". (شامی: ۴۱۱/۳ ، امداد المفتین: ۱۲۴/۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹/۷/۱۹۷۲ء

(۱۵۵۷) رضاعی بھتیجی کے ساتھ نکاح:

سوال: زید نے اپنی چچی ''فاطمہ'' کا دودھ پیا، اور ''فاطمہ'' کا ایک لڑکا ''بکر'' ہے، تو ''بکر'' کا نکاح ''زید'' کی لڑکی کے ساتھ درست ہے؟ نکاح ہو چکا ہے، اس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہو چکا ہے، اس کا نسب ثابت ہوگا؟

جواب: زید نے بکر کی والدہ کا دودھ پیا، اس لیے زید اور بکر دونوں رضاعی بھائی ہوئے، اور زید کی لڑکی ''بکر'' کی رضاعی بھتیجی ہوئی، اور جیسے نسبی بھتیجی سے نکاح جائز نہیں، حرام ہے، اسی طرح ''بکر'' کا نکاح رضاعی بھتیجی، یعنی ''زید'' کی لڑکی سے جائز نہیں، حرام ہے۔

" یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب " . (هدایه: ۲ / ۳۳۰)

اب نکاح کرلیا ہے، تو دونوں میں تفریق کردینا ضروری ہے، لڑکے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔

" رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ " . (فتاویٰ عالمگیری: ۱ / ۵۴۰ ، باب ثبوت النسب) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۵۸) بیٹے کی بیوی (بہو) سے نکاح:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی، تو اس عورت کے ساتھ طلاق دینے والے لڑکے کا باپ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متبنیٰ کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح کیا، تو اس کی حقیقت کیا ہے؟ ایک عورت کی موجودگی میں دوسری عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ (راج پپلا)

جواب: قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَحَلَائِلُ اَبْنَائِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ﴾ . (النساء: ۲۳)

تمہارے صلبی بیٹے کی بیوی تم پر حرام کی گئی ہے۔ لہٰذا اپنے صلبی بیٹے نے جس عورت سے نکاح کیا، چاہے اس سے جماع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اس عورت کے ساتھ اس بیٹے کا باپ نکاح نہیں

کرسکتا، فقہ کی مشہور کتاب ’’ہدایہ‘‘ میں لکھا ہے کہ ’’اپنے صلبی بیٹے اور بیٹے کے بیٹے (پوتے) کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔‘‘

’’ ولا بامرأة ابنه وبنى اولاده ‘‘ . (هدايه : ۲/ ۲۸۸)

’’ وتحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بها اولا ‘‘ .

(شامی : ۳/ ۳۱، مکتبه سعید)

اسلام سے قبل لوگوں کی یہ عادت تھی کی متبنّیٰ کے ساتھ حقیقی بیٹے کا معاملہ کرتے تھے، اور متبنّیٰ بنانے والے ہی کو باپ کہتے، اور اس کو وارث بھی بنادیتے تھے۔ (ابوداؤد:۲۸۱)

ابتداء اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو متبنّیٰ بنایا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس رواج کو ختم کردیا اور فرمایا: ’’یہ تمہاری منہ کی باتیں ہیں‘‘، اس کی کوئی حقیقت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رواج کو توڑنے کے لیے اپنے متبنّیٰ حضرت زید کے طلاق دینے کے بعد، طلاق دی ہوئی عورت کے ساتھ نکاح کرلیا، اس لیے کہ حقیقی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح درست نہیں، اور متبنّیٰ حقیقت میں بیٹا نہیں، قرآن حکیم میں ہے:

’’اور نہ تمہارے متبنّیٰ کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے، یہ تو تمہارے منہ کی بات ہے۔‘‘

﴿مَا جَعَلَ اَدْعِيَائَكُمْ اَبْنَائَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ . (سورة الاحزاب:۴)

’’ انه نزل فى زيد بن حارثة ، وكان النبى صلى الله عليه وسلم تبناه فكان يقال زيد بن محمد ، ان الحكم الاول كان ثابتاً بغير القرآن ونسخه بالقرآن ‘‘.

(احکام القرآن:۳/ ۳۵۴)

لہٰذا متبنّیٰ کی بیوی کے ساتھ (جب کہ وہ متبنّیٰ اس کا شوہر نہ رہے) نکاح کرنا درست ہے، مگر اپنے صلبی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۵۹) سوتیلی ماں کے اگلے شوہر کی لڑکی کے ساتھ نکاح:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، اس شخص کا لڑکا اس عورت کے پہلے شوہر سے جو لڑکی ہوئی، اس سے نکاح کرے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں باپ ایک عورت کے ساتھ، اور اس کا لڑکا اس عورت کی جو لڑکی پہلے شوہر سے ہے، نکاح کرے تو یہ جائز ہے۔

" لا بأس بان يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه بنتها ".

(عالمگیری : ۱/۲۹۴)

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۶۰) پہلی بیوی کا لڑکا اور دوسری بیوی کی پہلی لڑکی کا آپس میں نکاح:

سوال: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا جس سے ایک لڑکا "سلیم" پیدا ہوا، اس بیوی کا انتقال ہوا تو میں نے دوسری عورت کے ساتھ نکاح کیا، اس عورت کا پہلے ایک مرد کے ساتھ نکاح ہوا تھا، جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام "شمیم" ہے، تو پہلی بیوی کا لڑکا "سلیم" اور دوسری بیوی کی پہلے شوہر سے "شمیم بانو" ان کے درمیان نکاح درست ہے؟ (بربودن)

جواب: مذکورہ صورت میں سلیم کا نکاح شمیم بانو کے ساتھ جائز ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

" ولا بأس بان يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها او امها . كذا في محيط السرخسي ". (عالمگیری : ۱/۲۷۷)

یعنی ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس سے لڑکا پیدا ہوا، تو یہ لڑکا اس کی بیوی کے پہلے شوہر سے جو لڑکی ہے، اس کے ساتھ نکاح کرے تو کوئی حرج نہیں، یا اس کی ماں کے ساتھ نکاح کرے تو کوئی حرج نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۶۱) حنفی لڑکی کا آغا خانی لڑکے کے ساتھ نکاح:

سوال: اہل سنت والجماعت حنفی مسلک کی بالغ لڑکی اسماعیلی آغا خانی لڑکے کے ساتھ نکاح کرے، تو یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟ حنفی مسلک کی لڑکی آغا خانی لڑکے سے الگ ہوجائے، اس کے بعد بغیر طلاق کے وہ لڑکی اپنے حنفی مسلک کے لڑکے کے ساتھ نکاح کرے، تو یہ جائز ہے؟ اگر جائز ہو تو کتنی عدت گذارے؟

جواب: آغا خانی اسماعیلی فرقہ کے عقائد شریعت کے خلاف ہیں، ان کا عقیدہ ہے:

(۱) اللہ نور ہے۔ اسماعیلی فرقہ اس پاکیزہ نور کو مؤمن کے سینہ میں سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲) اسماعیلی فرقہ ایمان کے جامہ میں اللہ کو جلوہ گر مان کر ''علی'' کا دیدار، اس کو اللہ کا دیدار کہتے ہیں، اور ایمان سے یہی مراد لیتے ہیں۔

(کتاب نور المبین :۱۲، مصنف: غلام حسین تھاور بھائی پریسیڈنٹ اسماعیلیہ ممبئی)

ان کا عقیدہ قرآن کی تحریف کا اور اب قرآن کے ہادی نہ ہونے کا ہے۔

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں قرآن شریف میں سے کچھ حصے نکال دیئے گئے ہیں۔

(۴) قرآن شریف کو ۱۳/سو سال ہوگئے ہیں، وہ عرب کے لیے ''غنان'' کو ۷۰۰/سال ہوئے ہیں، تم پر غنان پر عمل کرنا ہے۔ (کتاب: آغا خانیت کیا ہے؟ ناشر: سواد اعظم اہل سنت پاکستان)

لہٰذا سنی حنفی مسلک کے لڑکے اور لڑکی کو اسماعیلی آغا خانی عقیدہ رکھنے والے کے نکاح میں دینا جائز نہیں، نکاح صحیح نہ ہوگا، ایک حیض آجانے کے بعد دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے۔

" المنکوحة نکاحا فاسدا و...... عدتهما الحیض فی الفرقة والموت " .

(هدایه : ۲/ ۴۰۴)

" الاسماعیلیة الذین یلقبون بالقرامطة ...... نقل عن علماء المذاهب

الاربعة ...... ولا تحل مناكحتهم ولا ذبائحهم ''. (شامی: ۳/۱۱ ۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۶۲) رضاعی بہن سے نکاح:

سوال: '' جمیلہ بی بی'' اس کا ایک لڑکا ''نعیم'' اور دوسرا لڑکا ''انیس''، اور ایک لڑکی ''نازنین''۔ ''جمیلہ بی بی'' نے اپنی بہن ''انبیاء بی بی'' کی دولڑکیاں؛ ''رخسارہ'' اور ''یاسمین'' کو بھی دودھ پلایا ہے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ'' جمیلہ بی بی'' کے لڑکے ''نعیم'' کا نکاح ''یاسمین'' کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں! (جلگاؤں)

جواب: رضاعت کے سلسلے میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ جو عورت بچے کو دودھ پلائے گی، اس عورت کا اس بچہ کی ماں ہونا ثابت ہوجائے گا، اور اس دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کا اس بچہ کا باپ ہونا ثابت ہوجائے گا، جب کہ اسی شوہر سے اس عورت کو دودھ اترا ہو۔

" امومية المرضعة للرضيع ويثبت ابوة زوج مرضعة اذا كان لبنها منه له ''.

(در مختار مع الشامی: ۲/۵۵۷)

اسی طرح مرضعہ کی بہن رضیع کی خالہ، اور اس کا باپ نانا، اور مرضعہ کے شوہر کا بھائی رضیع کا چچا، اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہوجاتی ہے، اور رضیع کا نکاح ان سے درست نہیں ہوتا۔

عن عائشة قالت : " دخل عليّ افلح بن ابى القيس فسترت منه ، قال : تستترين منى انا عمّكِ ؟ قالت : قلت : من أين ؟ قال : ارضعتكِ امرأة اخى قالت : انما ارضعتنى المرأة ولم يرضعنى الرجلُ ، فدخل عليَّ رسول الله ﷺ فحدثته فقال : انه عمّک فليلج عليک ''. (سنن ابی داؤد: ۲۸۱)

اسی طرح دودھ پینے والی لڑکی اور دودھ پلانے والی عورت کی اولاد آپس میں رضاعی بھائی بہن ہوجاتے ہیں، اور ان میں بھی آپس میں نکاح کرنا درست نہیں۔

" ولا حل بين رضيع امرأة لكنهما اخوين ، وان اختلف الزمن والاب ولا حل بين الرضيعة وولد مرضعتها اى عن النسب اى التى ارضعتها " .

(رد المحتار : ۲/ ۵۶۱)

یعنی دودھ پینے والی لڑکی اور اس کو دودھ پلانے والی عورت کے بچوں میں حلت نہیں۔

جب کہ مرضعہ کی حقیقی اولاد اور جس کو اس نے دودھ پلایا ہے، دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن ہو گئے، اور جیسے نسبی بھائی بہن کا نکاح آپس میں جائز نہیں، اسی طرح رضاعی بھائی بہن کا نکاح بھی آپس میں حلال نہیں ہوتا۔

قال عليه السلام : " يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة " .

(مشكوٰة المصابيح : ۲/ ۲۷۳، باب المحرمات)

صورت مسئولہ میں "جمیلہ بی بی" کا حقیقی لڑکا "نعیم" اور "جمیلہ بی بی" نے "یاسمین" کو دودھ پلایا ہے، یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہو گئے، لہٰذا ان کا آپس میں نکاح درست نہیں ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۶۳) رضاعی بہن سے نکاح درست نہیں:

سوال: دو بہنیں ہیں؛ "مریم" اور "نور جہاں"، "مریم" کی لڑکی "صابرہ" اور "نور جہاں" کا لڑکا "احمد" ہے، "احمد" کسی وجہ سے بچپن میں اپنی ماں "نور جہاں" کا دودھ نہیں پیتا تھا، مگر جب اس کی خالہ "مریم" دودھ پلاتی تھی تو پی لیتا تھا، اب "احمد" "صابرہ" سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو دونوں کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اصول یہ ہے کہ جب دو بچے ایک عورت کا دودھ پی لیں تو ان کا آپس میں ایک دوسرے سے نکاح جائز نہیں، کیوں کہ ان کی ماں ایک ہے، تو یہ دونوں بھائی بہن ہو گئے، لہٰذا "احمد" نے بچپن میں یعنی ڈھائی سال کے اندر اپنی خالہ "مریم" کا دودھ پی لیا، تو "مریم" کی لڑکی "صابرہ" اور "احمد"

دونوں رضاعی بھائی بہن ہوگئے، تو ان دونوں کا آپس میں نکاح درست نہیں۔

" وكل صبيين اجتمعا على ثدى امرأة واحدة لم يجز لاحدهما ان يتزوج بالاخرى ، هذا هو الاصل لان امهما واحدة فهما اخ واخت ". (هدايه : ۱ / ۳۳۱)

والله اعلم بالصواب

(۱۵۶۴) رضاعی بہن کے ساتھ نکاح:

سوال: میں اپنی چچازاد بہن کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں، مگر میری والدہ کہتی ہے کہ میں نے اس لڑکی کو بچپن میں ایک مرتبہ دودھ پلایا ہے، تو کیا ایک مرتبہ دودھ پینے سے وہ میری رضاعی بہن ہوگئی، یا نہیں؟ میں اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہوں؟

جواب: شریعت کا اصول ہے کہ کسی عورت کا دودھ ڈھائی سال کی مدت میں بچہ کے پیٹ میں چلا جائے، تو یہ عورت بچے کی رضاعی ماں ہوگئی، اور اس عورت کی اولاد اس کے رضاعی بھائی بہن ہوگئے، اور جس طرح حقیقی بھائی بہن میں نکاح جائز نہیں، اسی طرح رضاعی بھائی بہن میں بھی نکاح جائز نہیں، لہٰذا آپ کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، یہ آپ کی رضاعی بہن ہے۔

" قليل الرضاع وكثيره سواء اذا فعل فى مدة الرضاع يتعلق به التحريم". (هدايه : ۲ / ۳۳۰ ، عالمگیری : ۱ / ۳۶۵)

قال عليه السلام : " يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب " .

(الصحيح لمسلم : ۱ / ۴۶۷ ، كتاب الرضاع)

قال فى الينابيع : " والقليل مفسر بما يعلم انه وصل الى الجوف . كذا فى السراج الوهاج " .

" لو فُطم الرضيع فى مدة الرضاع ثم سقى بعد ذلك فى المدة فهو رضاع على قول من يرى الرضاع فى تلك المدة لوجود الارضاع فى المدة

وھو ظاھر من المذھب . کذا فی المحیط" .

(فتاوی عالمگیری : ۱/ ۳۴۲ ، کتاب الرضاع) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۱/ ۳/ ۱۹۸۲ء

(۱۵۶۵) رضاعی بھتیجی کے ساتھ نکاح:

سوال: "رقیہ" نے اپنے نواسے "فاروق" کو جب کہ وہ دس مہینے کا تھا، اس وقت دودھ پلایا تھا، تو اب "فاروق" کا نکاح "رقیہ" کی پوتی (بیٹے کی بیٹی) کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ (احمد آباد)

جواب: صورتِ مسئولہ میں "رقیہ" کے اپنے نواسے "فاروق" کو دودھ پلانے کی وجہ سے "فاروق" "رقیہ" کا رضاعی بیٹا ہو گیا، اور "رقیہ" کی پوتی اور "فاروق" میں اس دودھ کی وجہ سے چچا بھتیجی کا رشتہ ہو گیا، اور جیسے نسبی چچا بھتیجی کے درمیان نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعت سے بھی نکاح حرام ہوگا۔

"**یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب**" . (رواہ البخاری تعلیقًا : ۲/ ۷۶۴)

لہٰذا "فاروق" کا نکاح "رقیہ" کی پوتی کے ساتھ جائز نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۶۶) سنی لڑکی کا شیعہ لڑکے کے ساتھ نکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا شیعہ ہے، وہ اپنا نکاح ایک سنی مذہب کی لڑکی سے کرنا چاہتا ہے، لڑکی بھی اس سے نکاح کرنے پر راضی ہے، تو کیا شیعہ لڑکے سے سنی لڑکی کا نکاح شرعاً جائز ہے؟

جواب: بعض روافض وہ ہیں جو عفتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قائل ہیں، صحابیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے منکر ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معبود سمجھتے ہیں، نیز یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی ہے، یہ لوگ بالاتفاق اور بالاجماع کافر و مرتد ہیں، نہ ان کے

ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے، اور نہ ان سے نکاح حلال ہوگا۔ (شامی: ۳/۴۰۵)

اگر عقائد معلوم نہ ہوں، تردُّد ہو، تب بھی احوط اور اسلم یہی ہے کہ روافض سے نکاح کا معاملہ نہ کیا جاوے، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

اگر کسی خاص شخص یا خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو، ہم نہ ان سے عقد مناکحت کی اجازت دیں گے اور نہ ان کی اقتدا کریں گے۔ (جواہر الفقہ: ۱/۶۳، بحوالہ امداد الفتاوی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷۳/فرقے بتلا کر فرمایا: "**كلهم في النار الا واحدة**".

اہل سنت والجماعت کے علاوہ سب دوزخی ہیں، اور اہل سنت والجماعت کی پہچان یہ بتلائی:

"**ما انا عليه واصحابي**".

لہٰذا جو فرقہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہو، وہ ناری ہے اور اہل باطل میں سے ہے۔ لہٰذا اَحوط یہی ہے کہ شیعہ لڑکے کا نکاح سنی لڑکی سے نہ کیا جائے۔

(مشکوۃ المصابیح: ۱/۲۳، مرقاۃ المفاتیح: ۱/۱۵۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۸/۴/ ۱۹۸۲ء

(۱۵۶۷) مسلمان لڑکی کا ہندو لڑکے کے ساتھ نکاح:

سوال: مسلمان لڑکی ہندو لڑکے کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، دونوں اپنے اپنے مذہب پر رہنا چاہتے ہیں، (۱) کیا ایسا نکاح ہوسکتا ہے؟ (۲) کیا اس طرح نکاح کے بعد لڑکی مسلمان رہ سکتی ہے؟ (۳) ایسے حالات میں اولاد پیدا ہو، تو ان کا مذہب کون سا ہوگا؟

جواب: قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ .

کافر عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔

فتاویٰ کی مشہور کتاب ''عالمگیری'' میں ہے کہ مسلمان عورت کا کافر کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان لڑکیوں کا غیر مسلمان لڑکوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، نکاح صحیح نہ ہوگا۔

ایسے نکاح سے اولاد پیدا ہوں، تو ان کا نسب کافر شوہر سے ثابت نہیں ہوگا، اور ماں مسلمان ہونے کی بنا پر اولاد مسلمان ہوگی، اور اپنی ماں سے وراثت پائے گی۔

" ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك " .

(عالمگیری: ۱/۲۸۲، القسم السابع ، المحرمات بالشرک)

" ولذا لو حرم بانه من الزنا لا يثبت (النسب) قضاء ايضا ".

(شامی : ۲/۴۰۱ ، المحرمات)

" نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نكاح باطل ، ولذا لا يثبت النسب ولا العدة فی نكاح المحارم ايضا ".

(شامی : ۲/۴۸۲)

" ويرث ولد الزنا واللعان بجهة الام فقط لما قدمناه فی العصبات انه لا اب لهما " . (درمختار مع الشامی :۵/۷۰۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵٦۸) قادیانی لڑکی کے ساتھ نکاح:

سوال: ایک سنی لڑکے نے ایک قادیانی لڑکی سے اتفاقاً نکاح کرلیا، اور لڑکا قادیانی لڑکی کے ساتھ رہتا ہے، وہاں سے وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، یعنی تحفہ تحائف بھیجتا ہے، تقریبات میں دعوت دیتا ہے، تو کیا اس کے ساتھ تعلقات رکھے جاویں؟

جواب: فرقہ قادیانی جمہور علمائے اسلام کے فتاویٰ کے بموجب دائرۂ اسلام سے خارج ہے، ان کے ساتھ میل جول اور تعلقات رکھنا سخت مضر اور تباہ کن ہے، اگر ناواقفیت سے شادی ہوگئی ہے تو

معلوم ہونے سے اب ختم کر دینا لازم ہے، تا کہ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور آخرت کے وبال سے نجات ہو۔ (کفایت المفتی:۳۱۵/۱)

اگر یہ نکاح کرنے والا قادیانی لڑکی سے ترکِ اختلاط نہ کرے، اور راہ ورسم برابر باقی رکھے، تو مسلمانوں اور متعلقین کے لیے ضروری ہے کہ اس سے نہ خط وکتابت کریں، اور نہ اس کے تحفے وتحائف قبول کریں، اور نہ ہی تقریبات میں شرکت کریں، ورنہ لازم آئے گا کہ تعلقات رکھنے والے اس کام سے راضی ہیں، اس بنا پر گنہگار رہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر توریت لینے کے لیے جانے کے بعد، بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی (بچھڑے کی پرستش) شروع کردی، تو واپس آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ: جب آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو چکے ہیں، تو ان کے ساتھ لڑائی اور غصہ کیوں نہیں کیا؟

﴿ يَا هَارُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوْا اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾ . (سورة طه)

" ای ایُّ شیء منعک حین رؤیتک لضلالهم من ان تتبعنی فی الغضب لله و المقاتلة ". (روح البيان : ۵۹۷/۲)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آ کر ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، اس پر انہوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ اس نے بدعت کو جاری کیا ہے، اگر حقیقت حال یہی ہے تو میری طرف سے اس کو سلام کا جواب نہ پہنچانا۔ اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ فاسق اور بدعتی کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اور عبرت کے لیے ان سے ترک تعلقات کر لینا بھی جائز ہے۔ لہٰذا تعلقات ترک کر لینا ضروری ہے۔

عن نافع ان رجلا اتى ابن عمر فقال : " ان فلانا يقرأ عليك السلام ، فقال : انه بلغنی انه قد أحدث ، فإن كان قد احدث فلا تقرأه منی السلام " .

(مشكوٰة المصابيح : ۲۳/۱، باب الايمان بالقدر ، الفصل الثالث)

" فإياكم وإياهم ومن ثم قال العلماء لا يجب رد سلام الفاسق والمبتدع بل لا يسن زجرا لهما ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح : ۱/۱۵۵)

" لا تجالسوا اهل القدر ولا تفاتحوهم " . (مشكوة المصابيح : ۱/۲۲)

" يكون فى آخر الزمان دجّالون ". فقط

واللہ اعلم بالصواب

(**فصل سوم**)

حرمتِ مصاہرت کے متعلق

(۱۵۶۹) حرمتِ مصاہرت کے متعلق:

سوال: میرا نکاح ممبئی میں ہوا تھا، میرے شوہر دبئی میں ملازمت کی بنا پر کچھ وقت رہ کر چلے گئے، ممبئی میں میں میری ساس اور خسر ساتھ رہتے ہیں، میری ساس کی عدم موجودگی میں میرے خسر نے میرے رخسار اور ہونٹ پر بوسہ لیا، تو میں خوف زدہ ہوگئی، مجھے کہتے ہیں کہ تو میری بیٹی ہے، اس لیے پیار کرتا ہوں، ایک مرتبہ بوسہ دے کر کہا ''اچھا لگا یا نہیں''، ایک مرتبہ تین چاکلیٹ لائے اور مجھے دیا، اور کہا کہ اپنی ساس سے چھپ کے چپکے سے کھالے، میں اپنی ماں کے گھر ممبئی سے سورت آرہی تھی، خسر بھی ساتھ تھے، ٹرین میں میرے پاؤں پر ہاتھ مار کر کہا کہ تجھے کیوں اچھا نہیں لگتا؟ ایک مرتبہ کیک بسکٹ لائے، میں کھا رہی تھی تو میرے ہاتھ میں سے وہ چھین لیا اور اپنے ہاتھ سے دوسرا خود مجھے کھلایا، اور وہ میرا خود کھالیا، تو یہ تمام حقیقت مدنظر رکھ کر شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: سوال میں جو حقیقت تحریر کی ہے اگر یہ صحیح ہو، تو بہت قابل غور بات ہے، خسر نے اپنے بیٹے کی بیوی کے رخسار پر اور ہونٹ پر بوسہ دیا، اور بہت مرتبہ ایسا کیا، اور کہتے ہیں کہ تو میری بیٹی ہے، اس لیے پیار کرتا ہوں، ان کی یہ بات شرعاً معتبر نہیں، ان کا یہ فعل شہوت سے کیا ہوا شمار ہوگا۔ اس کے متعلق سوال میں بہت سے اشارے ہیں؛ رخسار اور ہونٹ پر بوسہ دے کر کہا کہ تجھے اچھا لگا؟ بہو نے انکار کیا تو خسر نے ٹرین میں پوچھا کہ تجھے کیوں اچھا نہیں لگا؟ ساس نہ ہو ایسے وقت میں ہی ایسی حرکتیں کرتے ہیں، کیک بسکٹ اپنے ہاتھ سے کھلایا، اور بہو کا کھایا ہوا کیک خود کھایا، ان تمام باتوں سے صاف پتا چلتا ہے کہ محبت اور پیار سے نہیں تھا بل کہ شہوت سے تھا۔ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے بوسہ دیا اور کہا کہ شہوت سے نہیں لیا ہے، تو صدر الشہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی، اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، شیخ ظہیر الدین

مرغینانی رحمہ اللہ ہونٹ، گال اور سر پر بوسہ لینے سے حرام ہوجانے کا فتویٰ دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ عدم شہوت کی بات قبول نہ ہوگی۔

" وإذا قبلها ثم قال : لم يكن عن شهوة ، فقد ذكر صدر الشهيد فى التقبيل يفتى بثبوت الحرمة ما لم يتبين انه قبل بغير شهوة ، وكان الشيخ الإمام الاجل ظهير الدين المرغيناني يفتى بالحرمة فى القبلة فى الفم والخد والرأس وان كان على مقنعة ، وكان يقول : لا يصدق فى انه لم يكن بشهوة ".

(عالمگیری : ۱/۲۷۶، القسم الثانی : المحرمات بالصهرية ، فتاوىٰ رحيميه: ۸/۳۳۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۱ / شعبان المعظم / ۱۴۲۳ھ

(۱۵۷۰) ساس کے ساتھ تعلقات (زنا) سے بیوی حرام:

سوال: تقریباً ۱۵/ سال پہلے میرا نکاح ہوا، میرے نکاح کے کچھ دنوں بعد میرے والد کا انتقال ہوگیا، میں ڈلیوری (بچے کی ولادت) کے لیے اپنے میکے آئی، اس وقت میرے شوہر بھی میرے ساتھ رہے، اس درمیان میرے شوہر کا میری عدم علمی میں میری حقیقی والدہ کے ساتھ تعلق قائم ہوا، اس کے بعد میرے شوہر اور میری والدہ نے کورٹ میرج کیا، اور دونوں میاں بی بی کی طرح رہنے لگے، میں اپنے بچوں کے ساتھ اپنے سسرال میں رہتی تھی، اور یہ دونوں ایک دوسرے کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں، میری والدہ اور شوہر کے درمیان تعلقات کی بنا پر میرے اور میرے شوہر کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہا۔ شرعاً ہمارا نکاح باقی ہے؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں!

جواب: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں کو بوسہ دیا، یا شہوت سے ہاتھ لگایا، بدن کے کسی بھی حصہ کو، تو صحیح قول کے بموجب بیوی حرام ہوجائے گی، اور نکاح فاسد ہوجائے گا، مگر دونوں میں جدائی اس وقت ہوگی جب کہ شوہر یوں کہے "میں نے تجھے بائنہ کردیا" یا محکمۂ شرعیہ (شرعی پنچایت) میں اپنا مقدمہ دائر کرے، اور محکمۂ شرعیہ دونوں میں جدائی کردے، تو جدائی ہوگی، اس کے بغیر

نہیں، چاہے کتنے ہی سال گذر جائیں، جدائی ہونے کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حقیقت صحیح ہو، تو عورت اس کے شوہر پر حرام ہوگئی، نکاح فاسد ہوگیا، شوہر خود بیوی سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا، اگر شوہر نہ چھوڑے تو محکمۂ شرعیہ میں دعویٰ دائر کرکے وہاں سے جدائی حاصل کی جاوے۔

" قبل اُمَّ امرأته في اى موضع كان على الصحيح حرمت عليه امرأته ما لم يظهر عدم شهوته ، قال العلامة الشامى : قال فى الذخيرة : وإذا قبلها أو لمسها ثم قال : لم يكن عن شهوة ، ذكر الصدر الشهيد انه فى القبلة يفتى بالحرمة ما لم يتبين انه بلا شهوة ، وفى المس والنظر لا ، إلا أن يتبين انه بشهوة وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة الوطأ بها لا يكون زنا . (و بحرمة المصاهرة) قال فى الذخيرة : ذكر محمد فى نكاح الاصل ان النكاح لا يرتفع بحرمة المصاهرة بل يفسد حتى لو وطأها الزوج قبل التفريق لا يجب عليه الحد (إلا بعد المتاركة) وقد علمت ان النكاح لا يرتفع بل يفسد ، وقد صرحوا فى النكاح الفاسد بان المتاركة لا يتحقق الا بالقول ، وان كانت مدخولا بها كتركتك او خليت سبيلك او بعد تفريق القاضى ". (در مختار مع الشامى: ۳۸۸، ۳۸۹)

" ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها وبنتها ". (هدايه: ۲۸۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱/۷/۹ / ۲۰۰۵ء

(۱۵۷۱) بیوی کو جگانے کے لیے گیا اور غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا:

سوال: بہشتی زیور حصہ چار میں ایک مسئلہ لکھا ہے، اس کے متعلق رہنمائی فرمائیں!

مسئلہ: رات کو بیوی کو جگانے کے لیے اٹھا غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا، یا ساس پر ہاتھ پڑ گیا، اور

بیوی سمجھ کر جوانی کی خواہش کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا، تو اب وہ مرد اپنی بیوی کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہوگا، اب کوئی صورت جائز ہونے کی نہیں ہے، اور لازم ہے کہ یہ مرد اس عورت کو طلاق دیدے۔

تو اگر بیوی سمجھ کر لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا تو کیا بیوی حرام ہو جائے گی؟

جواب: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بہشتی زیور حصہ چار میں جو مسئلہ تحریر کیا ہے، جس کا آپ نے حوالہ دیا وہ صحیح ہے، اور اس کا مأخذ فتاویٰ عالمگیری وغیرہ فقہ کی کتابیں ہیں۔

" لو ایقظ زوجته لیجامعها فوصلت یده الی بنته منها حرمت علیه الام حرمة مؤبدة ". (عالمگیری: ۲/۲۷۴)

اپنی بیوی کو جگانے کے لیے اٹھانے گیا، اور اس کا ہاتھ لڑکی پر پڑ گیا، جو اسی عورت سے ہے، تو یہ بیوی اس کے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔

اور فتح القدیر میں ہے:

" ومن مسته امرأة بشهوة ای بدون حائل او بحائل رقیق تصل مع حرارة البدن الی الید ، ولا فرق فی ثبوت الحرمة بالمس کونه عامدا او ناسیا او مکرها او مخطئا لو ایقظ زوجته ...... " . (فتح القدیر: ۳/۱۲۹)

ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ اپنی بیوی کو جماع کے لیے اٹھانے کا ارادہ کیا، اور غلطی سے بیوی کے بجائے اپنی لڑکی کے کسی بھی کھلے عضو پر ہاتھ پڑ گیا، یا کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگا، اور جسم کی گرمی محسوس کی، تو اس صورت میں مرد پر اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، اس کے جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں، اور ضروری ہے کہ مرد اس کو طلاق دیدے۔ (فتاویٰ حسینیہ: ۱۵۷) فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۷۲) ساس کے ہاتھ کو بوسہ دینا:

سوال: حج میں جاتے وقت اپنی ساس کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز ہے؟

جواب: اگر ذرہ برابر بھی شہوت کا خوف ہو،تو ساس کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز نہیں ،اگر شہوت کا خوف نہ ہو،تو احتراماً ساس کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز ہے۔

" (وما حل نظره) مما مر ذكر وانثى (حل لمسه) اذا امن الشهوة على نفسه وعليها ، " لأنه عليه السلام كان يقبل رأس فاطمة " ، وقال عليه السلام : " من قبَّل رِجْلَ امه فكانما قبل عتبة الجنة ".

(در مختار مع الشامی: ۶/۳۶۵ ،مکتبہ سعید ، فصل فی النظر والمس) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۷۳) نسبتی بہن (سالی) کے ساتھ زنا:

سوال: زید نے اپنی نسبتی بہن سے زنا کیا،تو کیا اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی،اور اس کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: نسبتی بہن کے ساتھ زنا کرنے سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی،مگر نسبتی بہن سے زنا کیا ہے تو جب تک اس کو ایک حیض نہ آ جاوے، وہاں تک زید کو اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز نہیں۔زنا گناہِ کبیرہ ہے، اس کو فوراً چھوڑ دینا چاہیے،اس کا کفارہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں سچے دل کے ساتھ توبہ کرے،اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے۔

" وطى اخت امرأته لا تحرم عليه امرأته . در مختار . و فى الشامى عن الكامل : لوزنى باحدى الاختين لا يقرب الأخرى حتى تحيض الأخرى حيضة ".

(در مختار مع الشامی : ۲/۳۸۶ ، فتاوی دار العلوم ، امداد الفتاوی ، فتاوی رحیمیہ اردو) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۸/۸/ ۱۹۷۱ء

(۱۵۷۴) نسبتی بہن (سالی) کے ساتھ زنا:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کے نکاح میں ہونے کے باوجود، اپنی نسبتی بہن کے ساتھ زنا کیا، اس کی بیوی کو پانچ مہینے کا حمل ہے، تو کیا اس کی بیوی نکاح میں ہے یا نہیں؟ اور نسبتی بہن کا کیا حکم ہے؟ اور اس مرد پر کفارہ لازم ہوگا؟

جواب: اپنی نسبتی بہن کے ساتھ زنا کرنے سے اس کی بیوی حرام نہیں ہوتی، اور نکاح باقی رہیگا، اور ایک حیض گذرنے تک بیوی سے جماع نہ کرے۔

زنا کرنے والے پر زنا کرنے کی وجہ سے کوئی کفارہ نہیں، البتہ گناہِ کبیرہ ہے، اس کے لیے سچے دل سے اللہ کی جناب میں توبہ اور استغفار کرنا چاہیے، اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا چاہیے۔

" وفي الخلاصة : وطی اخت امرأته لا تحرم عليه امرأته ... لا يقرب الاخرى حتى تحيض الاخرى حيضة ".

(در مختار مع الشامی : ۲/۳۸۶ ، فصل فی المحرمات) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۴/۴/ ۱۹۷۹ء

(۱۵۷۵) اپنی لڑکی کے جسم کے کسی بھی حصہ کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا:

سوال: زید نے اپنی لڑکی کے ساتھ زنا کرنے کا ارادہ کیا، نعوذ باللہ! مگر وہ نہ کرسکا، مگر اس نے لڑکی کے سینہ پر ہاتھ لگایا، تو کیا اس کی بیوی نکاح میں رہے گی؟ حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کرسکتا ہے؟

جواب: زید نے زنا کے ارادے سے اپنی لڑکی کو ہاتھ لگایا، تو زید کا ہاتھ لڑکی کے جسم کے کسی حصہ پر کپڑے کے ساتھ یا بغیر کپڑے کے لگا، اور لڑکی کے بدن کی گرمی محسوس کی، تو ایسی صورت میں زید کے لیے اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، اب جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں، اور زید پر

ضروری ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔

" وبنتُ تسع فصاعداً مشتهاة ".

(البحر الرائق :۳/ ۹۹، شامی :۳/ ۳۷، مکتبه سعید ، وتحت قوله : ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها ، باب المحرمات، شامی: ۳/ ۳۸۸)

كـمـا قـال فـي العالمگيرية : " لو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده الى بنته منها الى قوله حرمت عليه الام حرمةً مؤبدة ".

(۲/ ۲۷۴، فتح القدير : ۳/ ۱۲۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۷۶) مزنیہ کی لڑکی کے ساتھ زانی کا نکاح:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا، اب وہ عورت کہتی ہے کہ تو اس سے توبہ کرلے، اور میری لڑکی کے ساتھ نکاح کرلے، تو یہ نکاح صحیح ہوگا؟ اور دو چھوٹے بچے ہیں، کیا ان کا نسب ثابت ہوگا؟

جواب: جس عورت کے ساتھ زنا کیا، اس عورت کی ماں اور اولاد زانی پر حرام ہوگئی، لہٰذا مذکورہ صورت میں زانی مزنیہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا، عورت کو الگ کردینا چاہیے، اور ہمارے ائمہ کے نزدیک زانی سے نسب ثابت ہونے میں اختلاف ہے، مگر زانی کو دونوں بچوں کی پرورش کرنی چاہیے۔

" وحرم اصل مزنية و فروعهن ". (شامی : ۲/ ۳۸۴، فتاویٰ دار العلوم: ۷/ ۳۵۴)

" لا يثبت النسب ولا العدة فی نكاح المحارم ". (شامی : ۲/ ۴۸۲)

" رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن بأولاد يثبت نسب الأولاد عند أبی حنيفة خلافا لهما بناء على ان النكاح فاسد عند ابی حنيفة ، باطل عندهما ".

(فتاوی عالمگیری : ۱/ ۵۶۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۷۷) زانی کے لڑکے کا نکاح مزنیہ کی لڑکی کے ساتھ:

سوال: ایک شخص نے اجنبیہ عورت کو شہوت سے مس کیا، تو اس عورت کی لڑکی کا نکاح اس مرد کے لڑکے کے ساتھ جائز ہے؟

جواب: زانی کا لڑکا اور مزنیہ (جس عورت کو شہوت سے مس کیا) کی لڑکی، ان دونوں کا نکاح درست ہے۔

" قال في البحر : اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع ؛ حرمة المرأة على اصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا ، وحرمة اصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في وطي الحلال ، ويحل لاصول الزاني وفروعه اصول المزني بها وفروعها " . (شامی: ۲/۳۸۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۷۸) خسر نے بہو (بیٹے کی بیوی) کو بوسہ لیا:

سوال: زید نے اپنے والد "عمرو" کو اپنی بیوی کے ساتھ بوسہ کرتے دیکھا، "عمرو" کو اپنے بیٹے "زید" کو دیکھتے رہنے کی طرف توجہ نہیں گئی، دو تین منٹ کے بعد "عمرو" نے اپنے بیٹے کو دیکھ لیا، تو کیا "زید" پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی؟

جواب: جب کہ زید کی بیوی سے اس کے باپ "عمرو" نے بلا حلاوت شہوت کے مس کیا، زید کی بیوی زید پر حرام ہوگئی، اس لیے کہ جس طرح زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح مس کرنے اور بوس وکنار سے بھی، جب کہ عورت کے بدن کی حرارت محسوس کرے، تو اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، چاہے عمداً ہو یا سہواً، خطاً ہو یا اکراہاً۔

" والزنا يوجب حرمة المصاهرة حتى لو زنى بامرأة ...... حرمت المزنية على اصوله وفروعه ، وكذا يوجبها المس ولو بحائل ووجد حرارة الممسوس

سواء كان عمدا او سهوا او خطأً او كرها " . (مجمع الانهر : ۳۲۶)

نیز فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَائُكُمْ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ .

لہٰذا زید کے لیے عورت حرام ہوگئی۔

اس عورت کے نکاح کے ختم ہونے کے لیے شوہر ''زید'' کا متارک ہونا ضروری ہے، مثلاً زید اپنی بیوی سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا، یا محکمۂ شرعیہ دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کردے، اس کے بعد عورت عدت گذار کر دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے، شوہر کی متارکت یا شرعی پنچایت کے فیصلہ کے بغیر وہ عورت نکاح نہیں کرسکتی، چاہے کتنے ہی سال گذر جائیں۔

" وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة . قوله : (الا بعد المتاركة) اى وان مضى عليها سنون كما فى البزازية ، وعبارة الحاوى الا بعد تفريق القاضى او بعد المتاركة''.
(شامى : ۲ / ۳۸۹)

" والمتاركة لا تتحقق الا بالقول ان كانت مدخولا بها كـ " تركتک'' أو ''خليت سبيلک''. (شامى: ۲ / ۳۸۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۷۹) باپ نے اپنی لڑکی کے ساتھ زنا کیا پھر انکار کرتا ہے:

سوال: کسی باپ نے اپنی حقیقی بیٹی کے ساتھ زنا کیا، اور بیٹی اس کا اقرار کرتی ہے اور باپ انکار کرتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور حرمت آئے گی تو کس طرح تفریق کی جائے گی؟ طلاق سے یا بغیر طلاق سے؟ طلاق ازخود واقع ہوگی یا باپ کو دینا پڑے گی؟

جواب: اگر باپ اس فعل سے انکار کرتا ہے اور زنا کے لیے عادل گواہ موجود نہ ہوں، تو بدون شہادتِ معتبرہ کے حرمت ثابت نہ ہوگی، اور لڑکی کی ماں اس کے باپ پر حرام نہ ہوگی۔

" وإن ادعت الشهوة فی تقبيله او تقبيلها وانكرها الرجل فهو مصدق لانه منكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر لا هی ". (شامی: ۳۸۹/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۸۰) خسر نے جبراً بہو (بیٹے کی بیوی) کے ساتھ زنا کیا:

سوال: باپ نے بیٹے کی بیوی کے ساتھ جبراً زنا کیا، بیٹے کی بیوی راضی نہیں تھی، تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: سوال میں جو حقیقت تحریر کی ہے کہ "باپ نے اپنی بیٹے کی بیوی کے ساتھ جبراً زنا کیا" یہ فعل بے شک میاں بیوی میں جدائی کا سبب بنتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ دو عادل مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں، اگر گواہ نہ ہوں اور بیٹا اس کی تصدیق کرتا ہے، تو بیٹے پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو نکاح سے الگ کردے، اگر بیٹے کو اس بات پر اعتماد نہ ہو اور شرعی گواہ بھی نہ ہوں، تو صرف بیٹے کی بیوی کے کہنے سے نکاح کی حرمت ثابت نہ ہوگی۔

" رجل قبل امرأة ابنه بشهوة وهی مكرهة وانكر الزوج ان يكون بشهوة فالقول قول الزوج ، وان صدقه الزوج وقعت الفرقة ". (عالمگیری: ۲۹۴/۲)

" وان ادعت الشهوة وانكرها الرجل فهو مصدق لا هی ".

(درمختار مع الشامی: ۳۸۹/۲، فصل فی المحرمات)

وعن الامام ابی یوسف امرأة قبلت ابن زوجها ، وقالت : كانت عن شهوة ان كذبها الزوج لا يفرق بينهما ، ولو صدقها انه عن شهوة وقعت الفرقة ".

(خلاصة الفتاوی: ۲/۲)

" والزنا يوجب المصاهرة ". (مجمع الانهر: ۱۶۴/۱)

" ولغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان ". (ردالمحتار: ۵۱۵/۴)

(فتاوی محمودیه: ۹۳، فتاوی دارالعلوم جدید: ۳۲۸، ۳۳۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۸۱) زانی کا نکاح مزنیہ کی لڑکی کے ساتھ:

سوال: (۱) ’’بکر‘‘ نے ’’سعیدہ‘‘ کے ساتھ زنا کیا، تو ’’سعیدہ‘‘ کی لڑکی کے ساتھ ’’بکر‘‘ کا نکاح ہوسکتا ہے؟ (۲) ’’بکر‘‘ کے لڑکے کا نکاح ’’سعیدہ‘‘ کی لڑکی کے ساتھ ہوسکتا ہے؟ (۳) ’’سعیدہ‘‘ کے لڑکے کا نکاح ’’بکر‘‘ کی لڑکی کے ساتھ ہوسکتا ہے؟ (۴) ’’سعیدہ‘‘ کا انتقال ہوجائے تو ’’بکر‘‘ ’’سعیدہ‘‘ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے؟ (۵) ’’بکر‘‘ کے بھائی اور بہنوں کے لڑکے اور لڑکیاں ’’سعیدہ‘‘ کے لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرسکتے ہیں؟ (۶) ’’سعیدہ‘‘ اور ’’سعیدہ‘‘ کے شوہر دونوں کا انتقال ہوجائے، تو ’’بکر‘‘ کا نکاح ’’سعیدہ‘‘ کی لڑکی کے ساتھ ہوسکتا ہے؟ (۷) ’’سعیدہ‘‘ اوراس کے شوہر دونوں کا انتقال ہوجائے تو ’’بکر‘‘ کے لڑکے اور لڑکی ’’سعیدہ‘‘ کے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ نکاح کرسکتے ہیں؟ (۸) ’’بکر‘‘ ’’سعیدہ‘‘ کے بھائی یا بہن کے لڑکی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے؟ (۹) ’’بکر‘‘ کا نکاح ’’سعیدہ‘‘ کی لڑکی کے ساتھ ہوگیا ہو، تو اب کیا کرے؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: (۱) جس عورت کے ساتھ زنا کیا، یا شہوت سے ہاتھ لگایا، اس طور پر کہ بیچ میں کوئی کپڑا نہ ہو تو اس عورت کی ماں، لڑکی، پوتی، نواسی، زانی پر حرام ہوجاتے ہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں ’’بکر‘‘ نے ’’سعیدہ‘‘ سے زنا کیا، تو ’’بکر‘‘ کا ’’سعیدہ‘‘ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔

’’ **حرم اصل مزنية وفروعهن** ‘‘ . (شامی : ۲/۳۸۴)

’’ **من مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها وابنتها** ‘‘ . (هدايه : ۲/۲۸۹)

(۲،۳) بکر کے لڑکے کا نکاح سعیدہ کی لڑکی (جو اس کے شوہر سے پیدا ہوا ہے) کے ساتھ درست ہے۔

’’ **لو زنا بامرأة .... لا تحرم اصولها وفروعها على ابن الواطى وابيه** ‘‘ .

(مجمع الانهر : ۱/۳۲۶)

(۴) سعیدہ کے ساتھ زنا کیا ہے، تو سعیدہ کے زندگی میں اور انتقال کے بعد بکر کا سعیدہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔

" **حرم اصل مزنية وفروعهن** ". (شامی : ۳۸۴/۲)

(۵) بکر کے بھائی بہن کی اولاد سعیدہ کی اولاد کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۶) سعیدہ اور اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے، اس کے بعد بھی بکر کا نکاح سعیدہ کی لڑکی کے ساتھ درست نہیں، انتقال ہونے سے حکم نہیں بدلے گا۔

" **اذا فجر الرجل بامرأة ثم تاب يكون محرما لابنتها لانه حرم عليه نكاح ابنتها على التابيد** " . (البحر الرائق : ۱۰۸/۳)

(۷) سعیدہ اور اس کے شوہر کا انتقال ہو جانے کے بعد، بکر کے لڑکے اور لڑکی سعیدہ کے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، اس لیے کہ سعیدہ کا نکاح ہوا ہے، تو حقیقت میں اولاد سعیدہ کے شوہر کی ہوگی، اس اولاد کا بکر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، لہٰذا بکر کی اولاد کا نکاح سعیدہ کی اولاد کے ساتھ صحیح ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" **الولد للفراش وللعاهر الحجر** ". (مشکوٰۃ المصابیح : ۲۸۷/۲)

عورت جس کے نکاح میں ہو اولاد اسی کی ہوگی، زانی کی نہیں ہوگی۔

(۸) بکر کا سعیدہ کے بھائی بہن کی اولاد، یعنی سعیدہ کی بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے۔

(۹) بکر نے جب کہ سعیدہ کے ساتھ زنا کیا ہے، تو سعیدہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا بکر کے لیے جائز نہ تھا، اور سعیدہ کی لڑکی بکر پر حرام تھی، تو یہ نکاح فاسد بل کہ باطل ہوگا، بکر سعیدہ کی لڑکی کو اپنے نکاح سے الگ کر دینے کی نیت سے چھوڑ دے، لہٰذا نکاح کو چاہے جتنا بھی زمانہ گذرا ہو، تو بھی سعیدہ کی لڑکی کو الگ کر دینا چاہیے، یوں کہہ دے کہ میں تجھے الگ کرتا ہوں، لفظ طلاق بولنے کی

ضرورت نہیں، عدت کے بعد یہ عورت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

" وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وان مضى عليها سنون ...... ان المتاركة لا تتحقق الا بالقول كتركتك ". (در مختار مع الشامی: ۲/ ۳۸۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۲/۸/ ۱۹۹۲ء

(۱۵۸۲) اپنی تین سال کی لڑکی کو شہوت سے چھونا:

سوال: اگر کسی مرد نے اپنی تین سال کی لڑکی کو شہوت کے ساتھ چھولیا، تو کیا اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی؟

جواب: حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے کے لیے دونوں کا مراہق ہونا، اور چھونے کے وقت کسی ایک میں بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے۔

" لا بد فى كل منهما من سن المراهقة واقله للانثى تسع وللذكر اثنا عشر" .

(شامی : ۲/ ۳۰۶ ، فصل فى المحرمات)

" والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعد هما " .

(درمختار مع الشامی : ۲/ ۳۸۵)

مذکورہ صورت میں لڑکی چونکہ کم عمر ہے، تین سال کی ہے، لہٰذا حرمت ثابت نہ ہوگی، اس کی عورت اس پر حرام نہ ہوگی۔ (فتاوی دار العلوم: ۱۲۰/۳، احسن الفتاوی: ۹۸/۵)

فتاویٰ دار العلوم میں سے ایک سوال اور جواب نقل کیا جاتا ہے:

"سوال: ایک شخص اپنی پانچ سالہ لڑکی کو ہاتھ میں اٹھائے کھڑا تھا، اور اس شخص کو اپنی لڑکی کے بارے میں دخول کی صورت کا وسوسہ آیا، تو کیا ایسا وسوسہ آنے سے اس کی عورت نکاح سے نکل جائیگی؟ اس شخص نے نہ تو دخول کیا ہے، اور نہ ہی شہوت کے ساتھ پکڑا ہے، خالص وسوسہ آیا ہے، وسوسہ لانا نہیں

چاہتا تب بھی آتا ہے۔

جواب: لڑکی کی عمر پانچ سال کی ہے، اور ثبوت حرمت کے لیے ۹ رسال ضروری ہیں، نیز صرف وسوسہ آیا ہے، لہٰذا حرمت ثابت نہ ہوگی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۴/۱۰/ ۱۹۹۲ء

(۱۵۸۳) غلطی سے لڑکی کا بوسہ لینا:

سوال: ایک شخص اور اس کی بیوی دونوں الگ الگ چار پائی پر سوئے ہوئے تھے، اس کی لڑکی جس کی عمر ۱۳ رسال ہے، الگ سوئی ہوئی تھی، صبح کے وقت جب شوہر اپنی بیوی کو اٹھانے کے لیے گیا، تو لڑکی کو بیوی سمجھ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا، اور اس کا بوسہ لے لیا، اس وقت نہ کوئی زیادہ خواہش تھی، معلوم ہونے پر فوراً ہٹ گیا، یہ غلطی بیوی اور بیٹی کی چار پائی بدلنے کی وجہ سے ہوئی، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: شریعت کا حکم یہ ہے کہ بوقت مس شہوت پیدا ہو جائے، تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے، شوہر نے اگر منہ پر بوسہ لیا اور کہا کہ خواہش نہیں تھی، تو مفتیٰ بہ قول کے موافق شوہر کی تصدیق نہیں کی جائے گی، سوال میں لکھا ہے ''نہ کوئی زیادہ خواہش تھی'' اس سے معلوم ہوا کہ کچھ تو خواہش ضرور تھی، تب ہی تو سینہ پر ہاتھ ڈالا اور بوسہ لیا، لہٰذا عورت حرام ہوگئی ہے۔

''لومس او قبل وقال : لم اشتہ صدق الا اذا کان المس علی الفرج والتقبیل فی الفم وقیل لا یصدق لو قبلھا علی الفم . وبہ یفتی''.

(شامی : ۲/ ۳۸۸ ، احسن الفتاوی : ۴۰۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۸۴) سوتیلے لڑکے کے ساتھ تعلق:

سوال: ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد اس نے دوسری عورت کے ساتھ نکاح کیا، اور اس کے بعد "سعودیہ" ملازمت کے لیے گیا، جب واپس آیا، تو اس کو شبہ ہوا کہ اس کی اگلی بیوی کے لڑکے کا اس کی سوتیلی ماں کے ساتھ ناجائز تعلق ہے، یہ معاملہ سوسائٹی کے اراکین کے پاس آیا، شوہر کا کہنا ہے کہ عورت نے اس بات کا اقرار کرلیا ہے کہ اس نے سوتیلے لڑکے کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کیا ہے، مگر اب یہ انکار کرتی ہے، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ (نوساری)

جواب: شریعت کا اصول ہے کہ اگر شرعی طور پر یہ لڑکے اور اس کی سوتیلی ماں کے درمیان ناجائز تعلق ثابت ہو، تو یہ عورت اور اس کے شوہر کے درمیان نکاح باقی نہ رہے گا۔

" وکل فرقة جاء ت من قبل المرأة بمعصية مثل الردة وتقبيل ابن الزوج فلا نفقة لها ". (هدايه : ۴۲۴)

مگر نکاح حرام ہونے کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے، یعنی دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں، جو دیندار ہوں پابند شرع ہوں۔

" ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان ". (شامی : ۵۱۶/۴)

صرف وہم اور شک کی بنا پر نکاح حرام نہ ہوگا، اگر عورت بغیر جبر اور اللہ کے خوف سے ناجائز تعلقات کا اقرار کرے، اور شوہر بھی اس بات کو قبول کرے، تو نکاح فاسد ہوجائے گا، لہٰذا مذکورہ معاملہ گواہوں سے ثابت نہ ہو، اور عورت اقرار نہ کرے، تو سوسائٹی کے ممبروں کو میاں بیوی کے درمیان جدائی نہ کرانی چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۱/۳/ ۱۹۸۶ء

نکاح میں ولی کا بیان

(۱۵۸۵) بالغ لڑکا اورلڑکی کا اپنے اختیار سے نکاح کرنا:

سوال: لڑکا لڑکی نکاح کرنا چاہیں، تو شرعاً کتنی عمر پر وہ نکاح کر سکتے ہیں؟ اگر دونوں بالغ ہوں اور دونوں نے اپنی خوشی سے نکاح کیا ہو، تو وہ معتبر ہے یا نہیں؟ لڑکا اورلڑکی کب بالغ ہوتے ہیں؟

جواب: لڑکا اورلڑکی بالغ ہوں اور وہ نکاح کرنا چاہیں، تو ان کے ولی (باپ، دادا وغیرہ) پر لازم ہے کہ جلد سے جلد نکاح کرادے، حدیث شریف میں ہے:

عن ابی سعید وابن عباس رضی اللہ عنھما قالا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ واَدّبَہٗ ، فاذا بلغ فلیزوّجہ فان بلغ ولم یزوّجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ ". (مشکوۃ المصابیح: ۲/۲۷۱)

یعنی لڑکا اورلڑکی بالغ ہوجاویں، اور باپ نکاح نہ کراوے، اور ان سے کوئی گناہ (زنا) ہوجائے، تو اس کا گناہ باپ کو بھی ہوگا۔

لڑکا اورلڑکی بالغ ہوں، اور اپنی رضامندی سے نکاح کرلیں (باپ کو اطلاع کیے بغیر یا باپ کی ناراضگی کے باوجود)، تو اگر کفو یعنی اپنی برابری میں نکاح کیا تو یہ نکاح درست ہوگا، البتہ لڑکی اپنی خوشی سے باپ کی ناراضگی کے باوجود غیر کفو میں نکاح کرلے، مثلاً لڑکی نیک صالحہ اورلڑکا بدچلن، بےنمازی ہو، تو مفتیٰ بہ قول کے بموجب نکاح درست نہ ہوگا۔

" ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان ". (در مختار مع الشامی: ۲/۴۰۸)

اگر بالغ ہونے کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو، تو اسلامی تاریخ کے مطابق پورے پندرہ سال ہوجائیں، تو یہ بالغ شمار ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۰/۵/ ۲۰۰۲ء

(۱۵۸۶) تین سال کی لڑکی کا نکاح:

سوال: میں ''زبیدہ بنت عبدالرحمٰن سولنکی'' میری عمر تین سال کی تھی، تب ہی میرے والد نے میرا نکاح کرادیا تھا، بڑے ہونے کے بعد لڑکا کم سمجھ نکلا، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں ہے، میں خاوند کے پاس جانا بھی نہیں چاہتی تھی، مگر زبردستی بھیجا گیا، لڑکا دیکھ کر خوف زدہ ہوجاتا ہے، بیمار ہوجاتا ہے، اور عنین (نامرد) ہے، لڑکا طلاق دینے کے لیے تیار ہے، لیکن دوسرے رشتے دار طلاق دینے سے انکار کرتے ہیں، تو کیا بچپن کا نکاح صحیح ہوا تھا؟ شرعاً اس کا حل بتلائیں!

جواب: کم سنی میں باپ نے جو نکاح کردیا ہے وہ صحیح اور لازم ہے۔ اب باپ کے لڑکے یا پوتے کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے، اب جب کہ نکاح صحیح ہوگیا، تو شوہر کے انکارِ طلاق کے وقت اولاً ضروری ہے کہ شوہر کو کسی نہ کسی طریقہ سے خلع کرنے پر راضی کرلیا جائے۔

اگر وہ کسی صورت میں بھی خلع کرنے پر راضی نہ ہو، اور عورت کو سخت مجبوری ہو کہ اپنی عزت کو محفوظ رکھنا مشکل ہو، تو عورت شرعی مسلم پنچایت کے سامنے شوہر کے عنین ہونے کا دعویٰ کرے، پھر شرعی پنچایت اپنے طور پر تحقیق کر کے فیصلہ کرے گی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں خلع یا شرعی پنچایت کے فیصلہ کے علاوہ شوہر سے رہائی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقت میں شوہر میں عیب ہو، اور اس کے ساتھ نباہ دشوار ہو، تب تو جدائی کا مطالبہ کرنا درست ہے، بلا شدید ضرورت کے جدائی کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، سخت گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عن ثوبان قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ''ایما امرأة سالت زوجها طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیها رائحة الجنة''.

(مشکوٰۃ المصابیح: ۲/۲۸۳)

یعنی جو عورت بلاضرورت اپنے شوہر سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

''ویجوز النکاح الصغیر والصغیرة اذا زوجهما الولی ...... فان زوجهما الاب او الجد یعنی الصغیر والصغیرة فلا خیار لهما بعد بلوغهما لانهما کاملا الرأی وافرا الشفقة فیلزم العقد بمباشرتهما''. (هدایه: ۱/۲۹۶، ۲۹۷)

" وتزوج قدامة بن مظعون بنت الزبير يوم ولدت مع علم الصحابة رضى الله عنهم . نص فى فهم الصحابة " . (فتح القدير : ۴۰۵/۲ ، احسن الفتاوى : ۴۵۶) فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۸۷) نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح:

سوال: لڑکا اور لڑکی نابالغ ہیں، کیا ان کی شادی کر سکتے ہیں؟ مثلاً لڑکا ۹/سال کا ہے، اور لڑکی ۶/ سال کی ہے، یا لڑکا بالغ ہے اور لڑکی نابالغ، تو کیا ان کا نکاح بھی مقبول ہوسکتا ہے؟ دونوں مسئلوں کا جواب تفصیلاً مرحمت فرمائیں!

جواب: نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے، اس طریقہ پر کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ان کے عصبہ باپ، دادا یا بھائی وغیرہ نکاح کا ایجاب اور قبول کریں، مثلاً نابالغ لڑکے کے باپ نے نابالغ لڑکی کے باپ سے کہا کہ میں نے اپنے لڑکے کا نکاح تمہاری لڑکی سے کر دیا، اور لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی کے طرف سے قبول کیا، اور دونوں گواہوں نے ایک ہی ساتھ اس ایجاب اور قبول کو سن لیا، تو نکاح صحیح ہوگیا، اسی طرح بالغ لڑکے کا نکاح نابالغ لڑکی سے درست ہے۔ اگر باپ یا دادا نے اپنے نابالغ بچوں کا نکاح کر دیا ہے، تو وہ ہمیشہ باقی رہے گا، بالغ ہونے کے بعد اس کو توڑ دینا درست نہیں، بہر حال! نابالغ کا نکاح اگر اس کے ولی (جس کو نکاح کرانے کا حق ہے) نے کرادیا تو درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۱۴۶/۴،۳)

" ويجوز نكاح الصغير والصغيرة اذا زوجهما الولى بكرا كانت الصغيرة او ثيبا والولى هو العصبة ...... فان زوجهما الاب او الجد يعنى الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما لانهما كاملا الرأى وافرا الشفقة فيلزم العقد بمباشرتهما كما اذا باشراه برضائهما بعد البلوغ " . (هدايه : ۲۹۶/۱، ۲۹۷) فقط واللہ اعلم بالصواب

۱۹/۱۰/۱۹۸۸ء

نکاح میں وکیل بنانے کا بیان

(۱۵۸۸) عقد نکاح کے لیے فون پر وکیل بنانا:

سوال: ایک شخص نے اپنے دوست سے فون پر اس کے نکاح کی اجازت لی، کہ فلاں لڑکی کے ساتھ تیرے نکاح کی اجازت دے! دوست نے اجازت دی، اس وقت وہاں کوئی گواہ نہیں تھا، اس کے بعد اس شخص نے لڑکی سے بھی نکاح کی اجازت لی، یہ لڑکی کا محرم تھا، اب اگر یہ شخص گواہوں کی حاضری میں ایجاب وقبول کرے کہ میں نے فلاں ابن فلاں کا نکاح فلاں بنت فلاں کے ساتھ کر دیا، تو کیا اس طرح نکاح صحیح ہوگا؟ لڑکے اور لڑکی سے اجازت لیتے وقت کوئی گواہ نہ ہو، تو یہ صحیح ہے؟ اور جن دو گواہوں کی حاضری میں نکاح کرے، یہ دو گواہ لڑکے اور لڑکی سے واقف نہ ہوں، تو کیا نکاح صحیح ہے؟

جواب: ایک شخص نے ایک لڑکے اور لڑکی سے آپس میں نکاح کی اجازت لے لی، اور لڑکے اور لڑکی دونوں نے اس شخص کو اپنے عقد نکاح کے لیے وکیل بنایا، تو دو مسلمان عاقل بالغ آزاد گواہوں کی حاضری میں یہ وکیل اس مرد اور عورت کا نکاح کرادے، تو یہ نکاح صحیح ہے، اس لیے کہ نکاح میں ایک ہی شخص لڑکے اور لڑکی کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے۔

" و يتولى طرفي النكاح واحد ليس بفضولي من جانب اى يتولى واحد الايجاب والقبول ، وهو على اقسام ...... او وكيلاً من الجانبين بان وكلت امرأة رجلا يتزوجها من زيد مثلا ووكل زيد ايضا ذلك الرجل بتزويجه منها " .

(شرح الوقاية و عمدة الرعاية : ۲/ ۳۰ ، ۳۱)

نکاح کے ایجاب اور قبول کے وقت دو گواہوں کا حاضر ہونا، اور دونوں کا ایک ساتھ ایک ہی وقت میں نکاح کے ایجاب اور قبول کا سننا ضروری ہے، نکاح کا وکیل بناتے وقت دو گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، گواہوں کے بغیر بھی وکیل بنا سکتے ہیں۔

" وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معا فاهمين انه نكاح ". (در مختار مع الشامی:۳/ ۲۱، مکتبه سعيد، كتاب النكاح)

" اما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته، وانما فائدتها الاثبات عند جحود التوكيل ". (رد المحتار: ۳۷۳/۲، عالمگیری: ۳۲۴/۲)

" الشهادة بالتوكيل ليست بلازمة وانما يحتاج اليها عند الجحود ".

(عمدة الرعاية: ۳۱/۲)

گواہوں کا لڑکے اور لڑکی سے واقف ہونا ضروری نہیں، والد کا نام اور دادا کا نام اور جدامجد (Sir Name) بول دینا کافی ہے، محلّہ اور قبیلہ کی صراحت کردی جاوے، جس سے کوئی شبہ نہ رہے، اور نکاح کرنے والے کا پورا تعارف ہوجاوے۔

" اذا ذكروا في النكاح اسم رجل غائب وكنية ابيه ...... والاحوط ان ينسب الى المحلة ". (عالمگیری: ۳۲۴/۲، رد المحتار: ۳۷۴/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۷/فروری/ ۲۰۰۲ء

(۱۵۸۹) نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وکیل اور گواہ کا مسئلہ:

سوال: زید کا نکاح ان شاءاللہ عنقریب ہوگا، تو اس نکاح کے وکیل اور گواہ کون ہوسکتے ہیں؟ زید کی عورت کے محرم یا غیر محرم؟

جواب: شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت کفو میں اپنا نکاح خود بھی کرسکتی ہے، کسی کو بھی وکیل بنانے کی ضرورت نہیں، لیکن خود نکاح کرنے سے بے حیائی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اس لیے عام طور پر وکیل بنا کر وکیل کے ذریعہ عقد نکاح کرایا جاتا ہے، عورت جب اپنے نکاح کی اجازت دے کر کسی کو اپنا وکیل بناتی ہے، تو اس وقت گواہوں کا ہونا بھی شرعاً ضروری نہیں، البتہ نکاح کے ایجاب اور قبول کے وقت دو مسلمان گواہوں کا ہونا، اور دونوں کا ایک ساتھ نکاح کے ایجاب

وقبول کا سننا ضروری ہے،اس کے بغیر نکاح صحیح نہ ہوگا،نکاح کے گواہوں کا عادل اور نیک صالح ہونا اولیٰ اور مستحب ہے۔

" ینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وان لم یعقد علیها ولی ...... وانما یطالب الولی بالتزویج کیلا تنسب الی الوقاحة ". (هدایه :۲۹۳،۲۹۴)

" اما الشهادة علی التوکیل بالنکاح فلیست بشرط لصحته کما قدمناه عن البحر وانما فائدتها الاتیان عند جحود التوکیل ". (شامی :۳۷۳/۲)

" یصح التوکیل بالنکاح وان لم یحضره الشهود ". (عالمگیری :۳۱۳/۱)

" رواه محمد مرفوعا : " لا نکاح الا بشهود ". (البحرالرائق :۹۴/۳)

" ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین بالغین مسلمین ".
(هدایه :۲۸٦/۲)

لہٰذا وکیل اور گواہ،محرم اور غیر محرم دونوں ہوسکتے ہیں،نیک اور صالح ہوں تو بہتر ہے،محرم ہونا اچھا ہے،تاکہ عورت کے اجازت دیتے وقت بے پردگی نہ ہونے پائے۔فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۵۹۰)وکیل کے ذریعہ نکاح ہوا،اورلڑکی نے (M.B.C) میں انکار کردیا:

سوال: ہندوستان میں مقیم ایک لڑکے کا نکاح بیرون ملک (کینیڈا) میں مقیم لڑکی کے ساتھ ہوا،لڑکی کی طرف سے اس کے حقیقی چچا نے وکیل بن کر عقد کیا،اور وکیل کی حیثیت سے چچا نے دستخط کی،اور دو گواہوں نے گواہوں کی حیثیت سے دستخط کی،اور لڑکے کو کینیڈا بھیجنے کا کام شروع کیا،اور اس کے بعد کسی وجہ سے لڑکی کا ارادہ بدل گیا،اور وہاں کے (M.B.C) میں درخواست دی،جس کی بنا پر (M.B.C) نے اطلاع دی کہ "ویزا" نہیں مل سکتا ہے،اس صورت میں لڑکا طلاق نہ دے،تو کیا پھر بھی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے؟(سورت)

جواب: لڑکی نے رضامندی کے ساتھ نکاح کی اجازت دی،اور لڑکی کے وکیل نے نکاح کی مجلس

میں دو گواہوں کی حاضری میں لڑکی کی طرف سے نکاح قبول کیا، اور دونوں گواہوں نے لڑکی کے وکیل کو نکاح کا ایجاب وقبول کرتے ہوئے ایک ساتھ سنا، تو ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوگا، بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، زبان کے تلفظ کے بغیر صرف تحریر اور دستخط ہوئی ہو، تو نکاح کا ہونا شمار نہ ہوگا۔

" **وشرط حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الاصح فاهمين انه نكاح على المذهب** ". (بحر ، رد المحتار: ۲/ ۲۹۶)

خلاصہ یہ کہ لڑکی نے نکاح کا وکیل بنایا ہو، اور دو گواہوں کی حاضری میں وکیل نے نکاح کردیا ہوتو نکاح صحیح ہوگا۔ (کفایت المفتی: ۵/ ۱۵۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۴/ ۴/ ۱۹۹۷ء

(۱۵۹۱) لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایک ہی شخص کا وکیل ہونا:

سوال: لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایک ہی شخص نے وکیل بن کر عقد کیا، تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: نکاح میں لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ہی شخص وکیل بن کر اپنی وکالت سے دو گواہوں کے سامنے عقد کرے، تو یہ درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول الله ﷺ لرجل : " ا ترضى ان ازوجك فلانة ؟ " قال : نعم ! وقال للمرأة : " اترضين ان ازوجك فلاناً؟ " قالت : نعم ! فزوج احدهما صاحبه. (سنن أبي داود : ۲۸۸)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ اس بات سے تو راضی ہے کہ فلاں عورت کے ساتھ تیرا نکاح کرادوں؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ ہاں! پھر عورت سے پوچھا کہ تو راضی ہے کہ میں تیرا نکاح فلاں مرد سے کرادوں؟ تو اس عورت نے کہا کہ ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان دونوں کا آپس میں نکاح کرادیا۔

" ویتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی من جانب ای یتولی واحد الایجاب والقبول ، ولا یشترط ان یتکلم بهما فان الواحد اذا کان وکیلا منهما فقال زوجتها ایاه کان کافیا ". (شرح وقایه : ۲/۲۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۸۸/۱۲/۲۹ء

عورت سے اجازت لینے کا بیان

(۱۵۹۲) بوقت اجازت گواہ کا ہونا اور طریقۂ اجازت:

سوال: لڑکی سے نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ اگر لڑکی کا محرم نہ ہو تو غیر شادی شدہ لڑکی اور بیوہ عورت سے اجازت لینے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: عورت سے نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، البتہ گواہوں کا ہونا مستحب ہے، نکاح کے ایجاب اور قبول کے وقت مجلس میں دو گواہوں کا ہونا اور دونوں کا ایک ساتھ سننا ضروری ہے، عورت کا محرم نہ ہو تو غیر محرم بھی عورت سے نکاح کی اجازت لے سکتا ہے، دوسرا شخص لڑکی کے ولی کے بولے بغیر اپنی طرف سے اجازت لے تو غیر شادی شدہ یا بیوہ دونوں کا زبان سے اجازت دینا ضروری ہے، سکوت کو اجازت شمار نہیں کیا جائے گا۔

"یصح التوکیل بالنکاح وان لم یحضرہ الشھود". (عالمگیری: ۱/۳۱۳)

"اما الشھادۃ علی التوکیل فلیست شرط لصحتہ". (شامی: ۲/۳۷۳)

"واما الشھادۃ علی التوکیل بالنکاح فلیست بشرط لصحتہ وانما فائدتھا الاثبات عند جحود التوکیل کذا فی البحر". (عمدۃ الرعایۃ: ۶) فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۹۳) عورت سے تین مرتبہ اجازت لی، اس نے سکوت اختیار کیا:

سوال: دولہا اور دولہن ہر دو ایک ہی گھر کے دو متصل کمرے میں اس طرح حاضر ہیں کہ اگر چاہیں تو مشاہدہ بھی بہ آسانی ممکن ہے، اور باہم ایجاب وقبول اور سماع بلا واسطہ ممکن ہے، حاضرین نے ایک اجنبی کو بلا اذنِ دولہا وکیل اور دو شہود منتخب کیے، اور استیذ ان کے لیے دولہن کے پاس بھیج دیا، تین بار اس سے پوچھا کہ تم سے فلاں ابن فلاں اتنے مہر میں نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا تمہیں منظور ہے؟ ہر بار اس نے سکوت اختیار کیا، بعدہٗ تینوں دولہا کے پاس پہنچے، اور وکیل مذکور نے حاضرین کے روبرو

کھڑے ہوکر یہ بیان دیا کہ دولہن کو نکاح منظور ہے، بعد اس کے وکیل نے یا کسی اور نے دولہا سے کہا کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ اتنے مہر کے عوض نکاح قبول کرتے ہو؟ اس نے کہا'' قَبِلْتُ'' ، اس کے بعد تلاوت اور دعا کی گئی، تو کیا اس طرح کا سکوت اجازت میں شمار ہوگا؟

جواب: مذکورہ صورت میں دولہا سے پوچھا گیا کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ اتنے مہر میں تم نکاح قبول کرتے ہو؟ اور دولہا نے کہا'' قَبِلْتُ'' ، لہٰذا جب اپنی زبان سے کہہ کر بذات خود نکاح کو قبول کیا ہے، تو اس کی طرف سے ایجاب سمجھا جائے گا، اور جب خود نکاح میں موجود ہے، تو وکالت بھی نہ رہی اور نہ وکالت کی ضرورت ہے۔

باکرہ، بالغہ کا سکوت اسی وقت رضامندی سمجھا جاتا ہے، جب کہ اجازت لینے والا ولی اقرب یا اس کا مقرر کردہ ہو، اس کے برخلاف اجنبی کے نکاح کی اجازت لینے کی صورت میں سکوت رضامندی نہیں سمجھا جاتا، تاوقت کہ زبانی اجازت نہ ہو۔

فی الدر المختار : '' فان استأذنها غير الاقرب كاجنبی أو ولی بعيد فلا عبرة لسكوتها بل لا بد من القول كالثيب البالغة '' . (درمختار مع الشامی : ۲/۴۱۳)

فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب'' ہدایہ'' میں ہے:

'' استأمر غير الولی أو ولی غيره اولی منه لم يكن رضا حتی يتكلم به بخلاف ما اذا كان المستأمر رسول الولی لانه قائم مقامه '' . (ھدایہ : ۲/۲۹۴)

جیسا کہ سوال میں لکھا ہے کہ اجنبی جانبین کو بلا اذنِ دولہا استیذان کے لیے دولہن کے پاس بھیج دیا، تو اس کی اجازت سہ بار پر اس عورت نے سکوت کیا، ولی اقرب نے اجازت لینے کے لیے اپنا قائم مقام نہیں بنایا، اور نہ ہی عورت نے بہ تکلم نکاح کی اجازت دی ہے، لہٰذا نکاح عورت کی اجازت پر موقوف رہا، بعد نکاح صراحۃً یا دلالۃً عورت کی طرف سے اجازت پائی جائے، مثلاً مطالبۂ مہر، نفقہ، قابو بروطی، خلوتِ صحیحہ، نکاح کے علم پر خاموش رہنا، تو نکاح صحیح ہو جائے گا، بشرطیکہ کفو میں ہو۔

" ان رضاهما قد يكون صريحاً وقد يكون دلالةً " .

(در مختار مع الشامی : ۲/۴۱۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۹۴) بغیر اجازت لڑکی کا نکاح کرنا:

سوال: زید کا نکاح ساجدہ سے پڑھانے کے لیے، راشد جو وکیل ہے دو گواہ ساجد اور ماجد کو لے کر ساجدہ سے اجازت لینے کے گئے، اندر جا کر بغیر اجازت کے چلے آئے، اور نکاح کا عقد کرانے والے کو اجازت دی کہ آپ نکاح پڑھائیں، ہم نے اجازت لے لی ہے، امام صاحب نے نکاح پڑھا دیا تو نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ کچھ سالوں کے بعد اس بات کا علم ہوا، جب کہ میاں بیوی کے دو بچے بھی ہیں، تو اب کیا کیا جائے؟ اور ان بچوں کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: ساجدہ سے اجازت لیے بغیر نکاح کر دیا گیا، لیکن اپنا نکاح ہو جانے کی خبر پر ساجدہ کا سکوت اور خاموشی اختیار کرنا یہ بھی اس کی رضامندی سمجھی جائے گی، نیز نکاح کے بعد شوہر کو اپنی ذات پر قابو دینا یہ بھی رضامندی کی دلیل ہے، لہٰذا یہ نکاح صحیح سمجھا جائے گا۔

" واذا بلغ اليها خبر نكاحها فسكتت او ضحكت كان رضاء " .

(شرح الوقایه : ۲/۲۰، هدایه : ۲/۲۹۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

کفو کا بیان

(۱۵۹۵) بالغ لڑکی کا باپ کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کرنا:

سوال: ایک لڑکی کا ایک لڑکے سے تعلق ہے، اور وہ اس سے نکاح کرنا چاہتی ہے، لڑکا بھی اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، مگر لڑکی کا باپ اس لڑکے کے ساتھ نکاح کرانے پر راضی نہیں، تو اگر یہ لڑکا اور لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کرلیں، تو شرعاً ان کا نکاح درست ہے؟ یا باپ کی اجازت ضروری ہے؟

جواب: بہتر تو یہ ہے کہ باپ کو سمجھایا جاوے، اور وہ اپنی خوشی کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کرادے، مذکورہ صورت میں لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہوں، تو باپ کی مرضی کے خلاف کفو میں نکاح کرلیں، تو نکاح درست ہوگا، لیکن اگر غیر کفو میں نکاح کرے، تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق نکاح نہ ہوگا۔

" فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه أصلاً وهو المختار للفتوی لفساد الزمان ، وقال شمس الائمة : وهذا أقرب الی الاحتیاط " . (در مختار مع الشامی: ۲/۴۰۷ ، ۴۰۸ ، ۴۰۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۹۶) ''شیخ'' اور ''پٹھان'' ایک کفو ہے یا الگ الگ؟

سوال: ''شیخ'' اور ''پٹھان'' ایک کفو اور خاندان شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر شیخ اور پٹھان آپس میں نکاح کرنے کو عیب نہ سمجھتے ہوں، تو کفو شمار ہوگا۔

" وفی الفتح ان الموجب هو استنقاص اهل العرف فیدور معه " .

(شامی: ۲/۴۴۲ ، باب الکفاءة) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۹۷) بالغ لڑکی کا اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کرنا:

سوال: ایک لڑکی جس کی عمر ۲۲؍سال کی ہے، اس کے والدین دیندار، نیک، صوم وصلوٰۃ کے پابند، گھر کا ماحول بھی دیندار ہے، لڑکی ایک لڑکے سے نکاح کرنا چاہتی ہے جو سپاہی قوم کا ہے، جس کو پسماندہ طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے، لڑکا اور اس کے گھر کا ماحول بدعت کا ہے، نیز لڑکا بے نمازی، گانا، لہوولعب وغیرہ کا شوقین اور تبلیغی جماعت کا سخت مخالف ہے، لڑکی گھانچی (تیلی) برادری کی ہے، تو لڑکی کے ماں باپ اس نکاح کو روک سکتے ہیں؟

جواب: شریعت میں اصل مدار دینداری اور پرہیزگاری ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ . (سورۂ حجرات: ۱۳)

’’تم میں مقرب اللہ کے نزدیک وہ ہے جو متقی ہو‘‘

" فالکرم انما هو بالتقوی والرذالة بالمعصية ‘‘ .

’’عزت تقویٰ سے اور بے عزتی ورذالت گناہ کی بنا پر ہے‘‘

لہٰذا تیلی اور سپاہی شریعت کی نظر میں تقریباً مساوی ہیں، البتہ مذکورہ لڑکے اور لڑکی کا کفو دینی اعتبار سے نہیں ہوگا، لہٰذا غیر کفو میں نکاح کرنے سے باپ اپنی لڑکی کو روک سکتا ہے، اور نکاح کرے گی تو بھی صحیح نہ ہوگا۔

" فليس فاسق كفوا لبنت الصالح ‘‘. (شرح الوقاية: ۲؍۲۹)

" واعتبر في المجمع صلاحها حيث قال: لا يكون الفاسق كفوا للصالحة، واعتبر في الخانية صلاح الكل حيث قال: لا يكون الفاسق كفوا للصالحة بنت الصالحين والحق ان المعتبر صلاح الكل ‘‘ . (عمدة الرعاية: ۲؍۲۹)

خلاصہ یہ کہ غیر کفو یہ ہے کہ لڑکا فاسق، شرابی ہو، اور لڑکی اور اس کے والدین نیک صالح ہوں، اور ایسے غیر کفو میں لڑکی نکاح کرے گی تو نکاح باطل شمار ہوگا۔

" ولکن المتأخرين افتوا برواية الحسن عن ابی حنيفة لا يصح ولا ينعقد وبه يفتی فی غير الكفو بعدم جوازه اصلا ، وهو المختار للفتوی لفساد الزمان".

(در مختار مع الشامی : ۲/۴۰۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲/محرم الحرام/ ۱۴۲۶ھ

(۱۵۹۸) ''وُہرا'' اور ''دیوان'' کے درمیان کفو ہے؟

سوال: ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان تعلق ہوگیا، اور لڑکے نے لڑکی کو اغوا کرلیا، دو چار دن کے بعد آیا اور کہا کہ میں نے کورٹ میں ''سیول میرج'' کرلیا، مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں، گاؤں کی سوسائٹی کے ممبران دونوں میں نکاح کرادینا چاہتے ہیں، لڑکے کا باپ بھی راضی ہے، مگر لڑکی کا باپ راضی نہیں اور کہتا ہے کہ لڑکے کا باپ وُہرا برادری کا ہے، اور ماں دیوان برادری کی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: شریعت کا مسئلہ ہے کہ آزاد، عاقلہ، بالغہ لڑکی اپنی رضامندی سے کفو میں نکاح کرے، تو یہ نکاح صحیح ہے، چاہے لڑکی کا باپ اس نکاح سے راضی نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں لڑکی کی رضامندی سے نکاح کردیا جاوے تو نکاح صحیح ہوگا، لڑکے کا باپ وُہرا برادری میں سے ہے، تو لڑکا بھی وُہرا برادری میں سے شمار ہوگا، بہتر یہ ہے کہ مذکورہ نکاح میں لڑکی کے باپ کو بھی رضامند کرلیا جاوے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۳/۱/ ۱۹۸۰ء

(۱۵۹۹) لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کرنے سے ولی کو فسخِ نکاح:

سوال: زید خاندانی اعتبار سے نچلی سطح کا ہے، کہ اس کا باپ معمولی قسم کا آدمی ہے، جو کھیتوں کی رکھوالی کا کام کرتا تھا، اور زید کے باپ نے ایک ''ہریجن'' عورت کو اپنے گھر میں رکھا ہے، اور یہ غیر

مسلم عورت کے بطن سے پیدا ہوا، اسی کا لڑکا ایک باعزت شریف النسب خاندان کی لڑکی کو اغوا کر کے لے گیا، یہ لڑکا معمولی قسم کا مزدور ہے، اور مزدوری کر کے اپنا گذر کرتا ہے، لڑکی کے گھر والے اپنے گھر کا کام کاج کراتے تھے، اور اپنی زکوٰۃ وغیرہ دیا کرتے تھے، وہی اس گھر کی لڑکی بھگا کر لے گیا، تقریباً ۱۵؍دن کے بعد دونوں واپس آئے اور نکاح کا تحریری ثبوت لا کر اپنے نکاح کا اعلان کر دیا، اس نکاح کو لڑکی کے ولی یعنی دادا (باپ کا انتقال ہو چکا ہے) اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں، تو یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو ولی کو فسخ نکاح کا اختیار ہے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں باعزت، شریف النسب خاندان کی لڑکی کو اغوا کر کے لے جانے والا نہایت گھٹیا قسم کا لڑکا ہے، لوگوں کی مزدوری کر کے اپنا گذر کرتا ہے، اور لڑکی تجارت پیشہ، باعزت خاندان سے تعلق رکھتی ہے، تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، ہمارے اکثر علمائے احناف نے اسی عدم صحت نکاح کو اختیار کیا ہے، شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اقرب من الاحتیاط بتلایا ہے، لہٰذا فوری طور پر دونوں کو علیحدہ کر دیا جاوے، اگر ظاہری روایت کے مطابق نکاح صحیح بھی ہوا، تب بھی اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار ہے، اور اسلامی حکومت اور شرعی قاضی نہ ہونے کی بنا پر شرعی پنچایت کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر کے شرعی پنچایت کے ذریعہ فسخ نکاح کرا لے، استبراءِ رحم کے لیے ایک حیض کا گذارنا ضروری ہے۔

" ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غير كفو صح النكاح فى ظاهر الرواية عن ابى حنيفة رحمة الله تعالى ، وهو قول ابى يوسف اٰخرًا ، وقول محمد ايضًا حتى ان قبل التفريق يثبت فيه حكم الطلاق والظهار والايلاء والتوارث وغير ذلك ، ولكن للاولياء حق الاعتراض ، وروى الحسن عن ابى حنيفة رحمه الله تعالى ان النكاح لا ينعقد ، وبه اخذ كثير من مشائخنا رحمهم الله . كذا فى المحيط . والمختار فى زماننا للفتوى رواية الحسن ، وقال الشيخ الإمام شمس الائمه السرخسى : رواية الحسن اقرب الى الاحتياط . كذا فى فتاوى قاضيخان

فی فصل شرائط النکاح ". (فتاوی عالمگیری : ۱/ ۲۹۲)

" افاد ان العقد صحیح وتقدم انها لو تزوجت غیر کفو فالمختار للفتوی روایة الحسن انه لا یصح العقد " . (شامی: ۲/۴۴۶)

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اپنے میل (کفو) میں نکاح نہیں کیا، اور اپنے سے کم ذات والے سے نکاح کرلیا، اور ولی ناخوش ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح درست نہ ہوگا۔ (بہشتی زیور:۴/۷، ولی کا بیان) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۰۰) صالحہ لڑکی نے فاسق سے نکاح کرلیا:

سوال: ایک غیر شادی شدہ لڑکی نے اپنے گھر سے بھاگ کر ایک ایسے شخص سے نکاح کرلیا، جس کا خاندان لڑکی کے خاندان سے کم درجہ کا ہے، اور وہ شخص شادی شدہ ہے، تو غیر کفو کی بنا پر نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے؟ برادری کا بہت زیادہ فرق ہو اور دو بیوی کا نفقہ مشکل ہو، اور دونوں میں موافقت نہ ہوسکتی ہو، تو کیا ان وجوہ کی بنا پر کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ (راندیر)

جواب: مذکورہ لڑکی نے جس مرد سے نکاح کیا ہے وہ شخص فاسق ہو، گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو، جس کی بنا پر اس کے ساتھ نکاح کرنے میں برادری میں برا سمجھا جاتا ہو، تو یہ غیر کفو میں نکاح ہوا، لہٰذا مفتیٰ بہ قول کے مطابق غیر کفو میں نکاح کرنا معتبر شمار نہیں ہوگا۔

" لیس فاسق کفوا لصالحة او فاسقة بنت صالح ، ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان " .

(شامی : ۲/ ۴۴۰ ، ۴۰۸ ، باب الکفاءة)

اگر مالدار لڑکی نے غریب لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا کہ جو بیوی کا نفقہ دے سکتا ہے، تو یہ کفو ہے اور نکاح صحیح ہے۔

" والقادر عليها (المهر والنفقة) كفو لذات اموال عظيمة هو الصحيح الا ان يكون بحيث لا يقدر على اداء الواجب وهو المهر والنفقة" .

(شرح الوقايه : ۲/ ۲۹)

" والظاهر ان الصلاح منها او اٰبائها كاف لعدم كون الفاسق كفوا لها ولم اره صريحا" . (ردالمحتار : ۲/ ۴۴۰ ، باب الكفاءة)

اگر صرف مالداری اور غریبی کا فرق ہو تو نکاح صحیح ہو گیا۔ سوال میں تحریر کردہ وجوہات کی بنا پر شوہر سے طلاق لی جاوے، اگر طلاق نہ دے تو خلع پر راضی کیا جاوے، یعنی عدت کا نفقہ اور مہر معاف کر کے طلاق لی جاوے، نکاح سے الگ کرنے کی یہی صورت ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۴/ ۵/ ۱۹۹۰ء

(۱۶۰۱) لڑکی نے اپنی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کر لیا:

سوال: ایک مسلم اور غیر مسلم دونوں کے مکان آمنے سامنے ہونے کی وجہ سے آپس میں تعلقات اچھے تھے، مسلم گھرانے کی لڑکی غیر مسلم کے گھر جایا کرتی تھی، اور غیر مسلمان کے وہاں ایک مسلم لڑکا آتا تھا، جو شراب نوشی اور جوے کا عادی تھا، بل کہ شراب کی تجارت بھی کرتا تھا، اس کی آمدنی حرام کمائی کی تھی، اس نے مسلم لڑکی سے نکاح کر لیا، تو یہ لڑکی اور اس کا پورا خاندان دیندار اور معزز ہے، تو کیا ان دونوں کا نکاح صحیح ہوا؟ اور کیا یہ نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے؟ لڑکی کے والدین اس نکاح سے ناراض ہیں۔

جواب: شریعت میں نکاح کے بارے میں اس کا بڑا خیال رکھا گیا ہے کہ غیر کفو اور بے جوڑ نکاح نہ کیا جاوے، سوال میں جو حقیقت لکھی ہے کہ لڑکی اور اس کا خاندان بڑا ہی معزز اور دیندار ہے، اور جس لڑکے سے نکاح ہوا ہے وہ شرابی اور جوا کا اڈہ چلاتا ہے، لہٰذا ایسا لڑکا اس لڑکی کا کفو نہیں ہو سکتا

ہے، دونوں کے درمیان جدائی کردی جاوے، یعنی دونوں کو الگ کردیا جاوے، نکاح صحیح ہی نہیں ہوا تو فسخ نکاح کی ضرورت بھی نہیں۔

ممکن ہو تو سامنے والے لڑکے سے طلاق تحریر کرالی جائے، اور ہو سکے تو زبان سے تلفظ بھی کرالیا جاوے، احتیاط اسی میں ہے۔

" لا یکون الفاسق کفوا للصالحۃ سواء کان معلن الفسق او لم یکن " .

(عالمگیری : ۲۹۱/۲)

" ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا ، وھو المختار للفتوی لفساد الزمان . وفی الشامی : ان ھذا القول المفتی بہ خاص بغیر الکفو " .

(ردالمحتار : ۴۰۸/۲)

مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر بالغہ لڑکی اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے بلا اجازت ورضائے ولی، تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے، پس جب کہ وہ نکاح صحیح نہ ہوا، تو فسخ کی ضرورت نہیں۔

(فتاوی دار العلوم : ۹۰۲/۸)

جواب صحیح ہے!

(حضرت مولانا مفتی) سید عبدالرحیم لاجپوری (صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۰۲) لڑکی ایک جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے اور والد دوسری جگہ:

سوال: ایک لڑکا (محمد ابرار) نے کافی عرصہ سے ایک لڑکی (نور جہاں) سے پاکیزہ تعلق قائم کیا ہے، دونوں نکاح کرکے اپنی ازدواجی زندگی گذارنا چاہتے ہیں، لڑکی کی والدہ راضی ہے، البتہ لڑکی کے والد دوسرے سے نکاح کرانا چاہتے ہیں، جب کہ لڑکی جو عاقلہ، بالغہ ہے، واضح الفاظ میں اپنے والدین سے بتلا چکی ہے کہ وہ "محمد ابرار" سے ہی شادی کرنا چاہتی ہے، مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس کا حل بتلاکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ (ممبئی)

جواب: لڑکا اور لڑکی عاقل، بالغ اور آزاد ہوں، تو وہ اپنا نکاح کفو میں خود کر سکتے ہیں، اگر چہ اولیاء ان کا نکاح نہ کراوئے، اولیاء سے تو نکاح اس لیے کرایا جاتا ہے تا کہ لڑکی کا خود اپنا نکاح کرنے پر اس کی طرف بے حیائی کی نسبت نہ ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی (نور جہاں) ''ابرار احمد'' سے اپنے والد کی اجازت کے بغیر اگر نکاح کرے گی، تو نکاح نافذ اور صحیح ہو جائے گا، اور نکاح کے احکام ثابت ہوں گے، بشرطیکہ لڑکا میل جول کا ہو، اگر لڑکا لڑکی کا کفو اور میل جول کا ہے تو باپ کو چاہیے کہ لڑکی کی رضامندی کا خیال رکھے، کہیں آگے چل کر پشیمانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

" وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها . وان لم يعقد عليها ولى بكرا كانت او ثيبا عند ابى حنيفة وابى يوسف فى ظاهر الرواية . وانما يطالب الولى بالتزويج كيلا تنسب الى الوقاحة " . (هدایه: ۲/۲۹۳، باب فى الاولياء والاكفاء)

" فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولى . قال الشامى : اراد بالنفاذ الصحة والترتب الأحكام من طلاق وتوارث وغيرها ".

(درمختار مع الشامى : ۲/۴۰۷، باب الولى) فقط

واللہ اعلم بالصواب

مہر کا بیان

(۱۶۰۳) مہر اور مہر فاطمی:

سوال: نکاح کے وقت جو مہر مقرر کی جاتی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ مہر کم سے کم کتنی اور زیادہ سے زیادہ کتنی ہونی چاہیے؟ نقد دینی چاہیے یا ادھار رکھ سکتے ہیں؟ مہر کے عوض زیور دے سکتے ہیں؟

جواب: مہر اصل میں عزت بڑھانے والی، عورت کے لیے ایک ہدیہ ہے، جو نکاح کے وقت شوہر کی طرف سے بیوی کو دی جاتی ہے، عورت کی عزت اور احترام ظاہر کرنے کے لیے شریعت نے مقرر کی ہے، عورت کی ذات کی قیمت نہیں ہے کہ باندی کی طرح خریدی گئی ہو۔

ہدایہ میں ہے: " **المهر واجب شرعا ابانة لشرف المحل** ". (۳۰۳/۲)

حنفی مذہب میں کم سے کم مہر دس درہم ہے، اس سے کم جائز نہیں۔ دس درہم مہر کی مقدار (۳۴ رگرام ۲ رملی گرام چاندی) ہے، یا نکاح کے وقت اتنی مقدار چاندی کی جو بازار میں قیمت ہوتی ہو وہ کم سے کم مہر ہے، زیادہ مہر کی کوئی حد متعین نہیں، اتنی زیادہ مہر متعین نہ کی جاوے کہ شوہر ادا نہ کر سکے، مہر مرد کے اوپر عورت کا ایک قرض ہے، اگر ادا کیے بغیر شوہر کا انتقال ہو جاوے اور عورت نے اپنی خوشی سے معاف نہیں کیا ہے، تو شوہر کے ترکہ میں سے عورت وصول کر سکتی ہے۔

" **فان المسمى دين فى ذمته وقد تاكد بالموت فيقضى من تركته** ".

(هدايه : ۳۱۷/۲)

نکاح کے وقت یا منگنی کے وقت جو زیور شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے، اس کا مہر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ہماری سوسائٹی میں اور ہندوستان میں تقریباً ہر جگہ عورت اس کی مالک نہیں ہوتی، بلکہ صرف استعمال کے لیے دیا جاتا ہے، شوہر یا شوہر کے گھر والوں کی اجازت کے بغیر عورت فروخت نہیں کر سکتی ہے اور نہ کسی کو دے سکتی ہے، یہ واضح دلیل ہے عورت کے مالک نہ ہونے کی، اسی بنا پر خدانخواستہ اگر طلاق ہو جاوے، تو اس وقت وہ زیور واپس لے لیا جاتا ہے، البتہ اگر مہر کے

طریقہ سے ہو اور اس کی صراحت کر دی گئی ہو، تو عورت مالک ہوگی۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خاوند اور اس کے اقرباء جو زیور چڑھاتے ہیں، وہ خاوند کی ملک میں رہتے ہیں، اور عورت اس کا استعمال عاریتاً کرتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم)

مہر میں زیور، سامان، مکان اور کھیت وغیرہ کا متعین کرنا جائز ہے۔

" ولو تزوجها علی ارض ...... ". (هدایه : ۳۰۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو مہر متعین کی تھی، وہ مہر فاطمی کہی جاتی ہے، جو راجح قول کے مطابق ۴۸۰ ر درہم تھی، جو آج کے حساب سے ایک کلو ۶۳۲ ر گرام ۹۶۰ ر ملی گرام چاندی، یعنی (پرانے وزن کے بموجب ۱۴۰ ر تولہ) ہوتی ہے۔

مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ ۱۳۲ ر تولہ، اور دوسرے علماء نے ۱۵۰ ر تولہ بھی کہا ہے، نکاح کے وقت اتنی چاندی یا بازار میں جو اس کی قیمت ہو وہ مہر فاطمی کہی جائے گی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲ ر جمادی الثانی ر ۱۴۲۰ھ

(۱۶۰۴) مہر فاطمی کی مقدار:

سوال: مہر فاطمی کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی مقدار کیا ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مہر ساڑھے چار اوقیہ (۵۰۰ ر درہم) مقرر ہوئی تھی، جس کا حساب کر کے علماء نے ۵۰۰ ر درہم کے ۱۳۱ ر تولہ اور ۳ ر ماشہ چاندی بتائی ہے، اس طرح کہ ایک درہم کے برابر تین ماشہ ایک رتی، اور ایک رتی کا پانچواں حصہ ہوتا ہے، اب ۵۰۰ ر درہم کے ۱۵۷۵ ر ماشے ہوگئے، اور ۱۲ ر ماشے کا ایک تولہ، تو اس حساب سے ۱۳۱ ۱/۴ تولہ چاندی ہوتی ہے۔

'' سالت عائشة : كم كان صداق النبي ﷺ ؟ قالت : كان صداقه لازواجه ثنتى عشرة اوقية ونشّ ، قالت : اتدرى ما النش ؟ قلت : لا ، قالت : نصف اوقية فتلك خمس مأة درهم ''.

(مشكوة المصابيح : ۲۷۷/۲، فتاوى دار العلوم: ۴ ، مقادير شرعيه: ۱۰)

۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ کی بازار میں جو قیمت ہو اس کو مہر فاطمی کہتے ہیں، چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے، تو عقد کے وقت جو قیمت ہوگی وہ مہرِ فاطمی کہلائے گی۔

بہتر یہ ہے کہ مہر فاطمی کے ساتھ نکاح کے وقت قیمت بھی ذکر کردی جائے، تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۰۵) شوہر کی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا:

سوال: جب منگنی ہوتی ہے، تو اس وقت لڑکے اور لڑکی کے ولی مہر مقرر کرتے ہیں، لڑکے سے پوچھا نہیں جاتا، کبھی طاقت سے زیادہ مقرر کی جاتی ہے تو ادا کرنا مشکل ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں کتنی مہر دینی چاہیے؟ طاقت کے مطابق یا جو متعین کی گئی ہو؟ باقی مہر کب دینی چاہیے؟ نکاح کے بعد شوہر بیوی کے سامنے اپنی حالت ظاہر کرے اور بیوی کہے کہ مجھے مہر کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا کیا حکم ہے؟ براہِ کرم رہنمائی فرمائیں!

جواب: مہر شوہر کی حیثیت کے مطابق متعین کرنا چاہیے، اس لیے کہ نکاح کے وقت جو مہر متعین کی جاتی ہے وہ شوہر پر عورت کا قرض ہے۔

'' فلانّ المسمّٰى دَين فى ذمته '' . (هدايه: ۳۱۷/۲)

مہر ادا کرنے سے یا عورت اپنی رضامندی سے معاف کرے تو معاف ہوتی ہے، ورنہ قیامت کے دن دوسرے قرضوں کی طرح اس کی بھی پوچھ ہوگی، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ جتنی ادا کر سکے اتنی

مقرر کرنی چاہیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب قال : " الا لا تغالوا صدقة النساء ، فانها لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عند الله لكان اولٰكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم".

(مشكوٰة المصابيح : ۲/ ۲۷۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہے:

خبردار عورتوں کی زیادہ مہر مقرر نہ کرو! اگر زیادہ مہر مقرر کرنا دنیا میں عظمت اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کا سبب ہوتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مہر مقرر کرنے کے زیادہ حقدار تھے۔

اگر مہر مؤجل (ادھار) مقرر کی ہو، تو طلاق یا دو میں سے ایک کی موت کے وقت مہر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۸/ ۲۰۴)

" لو كان المهر مؤجلا ليس لهما المنع قبل حلول الاجل ولا بعده ".

(شامی: ۲/ ۴۹۴ ، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر)

عورت اپنی رضا مندی سے مہر معاف کرے تو معاف ہوگی، جبراً معاف کرے تو معاف نہ ہوگی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۷/ ۵/ ۱۹۷۹ء

(۱۶۰۶) "مہر شرعِ محمدی" کا مطلب:

سوال: نکاح کے پرانے دفتروں میں "مہر شرعی" یا "مہر شرع محمدی" لکھا جاتا تھا، اور شاید اب بھی لکھا جاتا ہے، تو اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ہمارے یہاں نکاح کے وقت مہر مقرر کر دی جاتی ہے، لہٰذا اس جملہ کے بارے میں عرفاً کیا مراد ہے؟ یہ بتلانا مشکل ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۰۷) بعد میں مہر زیادہ کر دینا اور مہر کے بدلے جائداد دینا:

سوال: سنی، حنفی کے اصول کے مطابق نکاح کے وقت جو مہر مقرر کی گئی ہو، اس میں بڑھا کر مکان، زمین، باغ دینا درست ہے یا نہیں؟ مہر زیادہ کر کے دی جائے، تو گواہوں کی حاضری یا تحریر ہونا ضروری ہے؟

جواب: نکاح باقی ہونے کی حالت میں شوہر اپنی رضامندی سے نکاح کے وقت جو مہر مقرر ہوئی ہو، اس سے زیادہ مہر کے طریقہ سے بیوی کو دے، اور بیوی اسی مجلس میں قبول کرلے تو جائز ہے، چاہے یہ زیادتی اصل مہر کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے، مکان، زمین، باغ وغیرہ ہو تو بھی درست ہے۔ اصل مہر کے علاوہ شوہر اپنی خوشی سے مہر کے طور پر عورت کو کچھ دے، گواہوں کا حاضر ہونا اور تحریر کا ہونا ضروری نہیں، شوہر اپنی زبانی مقرر کردے تو شوہر پر دینا ضروری ہوگیا۔

البتہ اگر شوہر کے ورثہ مہر کے طور پر دینا انکار کریں، تو عورت کو شرعی گواہوں سے ثابت کرنا ضروری ہے۔

" زِيد على ما مسمیٰ فإنها تلزمه بشرط قبولها في المجلس . افاد انها صحيحة ولو بلا شهود لا يشترط فيها لفظ الزيادة بل تصح بلفظها ".

(شامی: ۲/۴۶۳ ، فتاوی دار العلوم: ۴/۴۵۶) فقط

والله اعلم بالصواب

۲/۳/ ۱۹۸۰ء

(۱۶۰۸) نکاح کے بعد شوہر کا اپنی خوشی سے مہر میں زیادتی کرنا:

سوال: اگر کوئی شوہر اپنی زندگی میں اپنی بیوی کو جو مہر مقرر ہوئی ہو، اس سے زیادہ دینا چاہے، تو جائز ہے؟

جواب: نکاح کے موجود ہونے کی حالت میں شوہر نے اپنی خوشی سے جو مہر مقرر کی ہو، اس سے

زیادہ عورت کو دے تو جائز ہے، چاہے یہ زیادتی اصل مہر کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے ہو، اور چاہے اصل مہر ادا کر دی ہو یا ادا نہ کی ہو، بطور مہر کے کچھ زیادہ دینا جائز ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الفَرِيْضَةِ﴾ . (سورة النساء: ٢٤)

''مہر مقرر کرنے کے بعد بھی جس مقدار پر دونوں میاں بیوی راضی ہو جائیں، اس میں تم کو کوئی گناہ نہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ عورت کو اپنے اختیار سے مہر کم کرنے اور مرد کو اپنی خوشی سے مہر زیادہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

'' الزيادة فى المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علمائنا الثلاثة . كذا فى المحيط . فاذا زادها فى المهر بعد العقد لزمته الزيادة . كذا فى السراج الوهاج . هذا اذا قبلت المرأة الزيادة سواء كانت من جنس المهر او لا من زوج او من ولى . كذا فى النهر الفائق . والزيادة انما تتأكد باحد معان ثلاثة : اما بالدخول واما بالخلوة الصحيحة واما بموت احد الزوجين ، فان وقعت الفرقة بينهما من غير هذه المعانى الثلاثة بطلت الزيادة وتضعف الاصل ولا تنتصف الزيادة '' . (فتاوى عالمگیری: ١/٣٢٣ ، الفصل السابع فى الزيادة فى المهر) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۸/۲/ ۱۹۸۰ء

(۱۶۰۹) عورت کا انتقال ہو گیا اور مہر باقی ہو:

سوال: زید اور ہندہ کا نکاح ہوا، نکاح کے وقت مہر بھی مقرر ہوئی مگر مہر ادا نہیں کی، اور ہندہ کا انتقال ہو گیا تو اس مہر کا حق دار کون؟ عورت کے والدین یا اولاد، اگر والدین نہ لیں، تو اس مہر کو کہاں استعمال کیا جاوے؟

جواب: عورت کی مہر شوہر پر قرض ہے، شوہر ادا کرے یا عورت حالت صحت میں اپنی خوشی سے معاف کرے، ورنہ شوہر کے ذمہ یہ قرض باقی رہے گا۔ مذکورہ صورت میں شوہر نے مہر ادا نہیں کی، اور عورت کا انتقال ہوگیا تو یہ مہر دوسرے ترکہ کے ساتھ عورت کے ورثہ میں شرعی طور پر تقسیم کی جاوے، مہر میں سے شوہر کے حصہ میں جو رقم آوے وہ وضع کر کے باقی رقم عورت کے ورثہ کو دی جائیگی، عورت کے والدین مہر استعمال نہ کرنا چاہیں، تو اپنے حصہ کی رقم لے کر مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لیے غریبوں کو دیدی جاوے۔

" **لان المسمیٰ دین فی ذمته ...... اذا علم انها ماتت اولا فیسقط نصیبه من ذلک** ". (هداية: ۲/۷ ۳۱) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۶۱۰) مطلقہ بائنہ کے ساتھ نکاح جدید اور مہر جدید:

سوال: ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی، اب وہ دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا دوبارہ مہر دینا پڑے گی؟

جواب: طلاق بائن دے کر اسی عورت کے ساتھ شوہر دوبارہ نکاح کرے، تو دوبارہ مہر دینا پڑ یگی۔

والله اعلم بالصواب

(۱۶۱۱) سوسائٹی کے ممبران کا مہر متعین کرنا:

سوال: ہماری برادی میں نکاح کے وقت ۱۰۵۱/روپئے مہر دینے کا رواج ہے، مگر آج کل طلاق کی وبال بڑھتی جارہی ہے، تو اس کے سدِباب کے لیے مہر کو زیادہ کرنے کے متعلق قرارداد منظور کرنے کے بارے میں، ہماری سوسائٹی کے ممبران غور کررہے ہیں کہ ۵۰۰۰/تک مہر زیادہ کردی جاوے، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب: مہر عورت کا حق ہے، وہ اپنے اختیار سے کم زیادہ مقرر کرسکتی ہے، سوسائٹی کے ممبران کو ۵۰۰۰/ ہزار مہر دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۳/ ۷/ ۱۹۷۳ء

(۱۶۱۲) کم سے کم کتنی مہر رکھنی چاہیے؟

سوال: کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی مہر ہونی چاہیے؟ نقد دینا چاہیے یا ادھار؟

جواب: احناف کے نزدیک کم سے کم مہر ۱۰/ درہم ہے، علما نے دس درہم کی مقدار ۲/ تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی بتلایا ہے، اتنی مقدار چاندی کی بازار میں جو قیمت ہو وہ کم سے کم مہر شمار ہوگی۔

زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں، مگر بہت زیادہ مہر مقرر کرنا شرعاً پسند نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال عمر بن الخطاب : " ألا لا تغالوا صداق النساء فانها لو كانت مكرمة فى الدنيا او تقوى عند الله كان اولاكم واحقكم بها محمد صلى الله عليه وسلم". (ابن ماجه : ۱۳۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: عورتوں کی مہر بہت زیادہ نہ رکھو! اگر مہر بہت زیادہ ہونا دنیا میں عزت اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ حق دار تھے۔

لہٰذا زیادہ مہر مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں، مہر مؤجل (ادھار) بھی ہوسکتی ہے، مگر نقد دے دینا بہتر ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/ ۴/ ۱۹۷۱ء

(۱۶۱۳) سوسائٹی اراکین کا عورت کی مہر متعین کرنا؟ جبراً مہر معاف کروانا:

سوال: گاؤں کی سوسائٹی مہر متعین کرسکتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ متعین نہیں کرسکتی، ہمارے یہاں ۱۲۷ر مہر متعین کی ہے، مگر شوہر ادا نہیں کرتا، اور شوہر کے انتقال کے بعد یا سکرات کی حالت میں عورت کو مہر معاف کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تو مجبوراً معاف کردیتی ہے، تو مہر معاف ہوگی؟

جواب: مہر یہ عورت کا حق ہے، اس کو یہ حق ملنا چاہیے، عورت اپنی رضامندی سے مہر معاف کرسکتی ہے، جماعت کے اراکین کو مہر متعین نہیں کرنا چاہئے، مرد عورت کو مہر نہیں دیتے، تو جماعت کے اراکین مہر ادا کرنے پر لوگوں کو سمجھا سکتے ہیں۔

شوہر یا کسی کی زبردستی کیے بغیر عورت اپنی رضا سے مہر معاف کرے تو معاف ہوگی، نکاح کے وقت مقرر کردہ مہر سے زائد بھی مرد دے سکتا ہے۔

" ولا بد فی صحة حطها من الرضاء حتی لو كانت مكرهة لم يصح ".

(عالمگیری: ۱/ ۲ ۳۱، الفصل السابع فی الزيادة فی المهر، شامی: ۲/ ۴۶۵)

جبر کرنے سے مہر معاف نہیں ہوتی، لہٰذا شوہر کا ادا نہ کرنا اور سکرات کے وقت مہر معاف کرنے پر عورت کو مجبور کرنا یہ گناہ کا کام ہے، اس طرح مہر معاف کرنے سے معاف نہ ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے:

عن ميمون الكردی عن ابيه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: " ايما رجل تزوج امرأة علی ما قل من المهر او كثر ليس فی نفسه ان يؤدی اليها حقها خدعها، فمات ولم يؤد اليها حقها لقی الله يوم القيامة وهو زان ".

(الترغيب والترهيب: ۳/ ۳۵، ۱۷)

جو شخص کم یا زیادہ مہر متعین کرے اور عورت کے ساتھ نکاح کرے، مگر اس کی نیت ادا کرنے

کی نہ ہو، اور وہ شخص مہر ادا کیے بغیر انتقال کر جائے، تو ایسا شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے زانی بن کر حاضر ہوگا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲/۱۵/ ۱۹۷۲ء

(۱۶۱۴) کم سے کم مہر کی مقدار:

سوال: مہر کم سے کم (سکۂ رائج الوقت) کتنی ہونی چاہیے؟

جواب: کم سے کم مہر دس درہم (دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی)، بازار میں جو اس کی قیمت ہو وہ کم سے کم مہر کہی جائے گی، اتنی چاندی سے کم مہر مقرر کرنا جائز نہیں۔

" **اقلہ عشرۃ دراھم لحدیث البیھقی وغیرہ : لا مھر اقل من عشرۃ دراھم**". (در مختار مع الشامی: ۲/۴۵۲، ھدایہ: ۲/۱۰، باب المھر)

(مقادیر شرعیہ: ۱۱۰/ از مفتی شفیع صاحب) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۱۵) مہر فاطمی کی مقدار:

سوال: مہر فاطمی سکۂ رائج فی الوقت میں کتنی ہوتی ہے؟

جواب: مہر فاطمی ۵۰۰/ درہم ہے، جس کا حساب علماء نے ایک سو سوا اکتیس (۱۳۱ ۱/۴) تولہ چاندی بتلائی ہے، اتنی مقدار چاندی کی بازار میں جو قیمت ہو اس کو مہر فاطمی کہا جاتا ہے، چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے، لہٰذا ضرورت کے وقت جو قیمت ہوگی وہ مہر فاطمی ہوگی، بہتر یہ ہے کہ نکاح کے وقت روپئے کی مقدار بھی الفاظ میں مقرر کر دی جائے تاکہ کوئی شک وشبہ نہ رہے۔

" **وکان مھر فاطمۃ اربع مائۃ مثقال من فضۃ وھو یکون فوق خمس مائۃ**

درهم بشیء یسیر". (حاشیة ابی داود: ۱/ ۲۸۷، باب الصداق) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۱۶) دو مہینے کے بعد جدائی ہوگئی تو مہر کا حکم:

سوال: ہمارا نکاح ۲۶/۱۰/۱۹۷۰ء کو ہوا، اس کے بعد ۱۹/۱۲/۱۹۷۰ء (تقریباً دو مہینے) کو جدائی ہوگئی، تو مہر لازم ہوگی؟

جواب: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ **فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً** ﴾. (سورة النساء: ۲۴)

"یعنی جن عورتوں سے نکاح کے بعد فائدہ اٹھایا ان کو مہر ادا کردو! جو بھی متعین کی گئی ہے۔"

مذکورہ صورت میں عورت کے ساتھ جماع ہو چکا ہے، لہٰذا نکاح کے وقت عورت کی جو مہر متعین کی گئی ہو، وہ پوری مہر ادا کرنا پڑے گی۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۱۷) کھیت کی پیداوار سے گذر اوقات کرنے کو مہر شمار کرلینا:

سوال: نکاح کے بعد سے لیکر اب تک مرد نے عورت کی مہر ادا نہیں کی، اب مرد کہتا ہے کہ میرے کھیت کی پیداوار میں سے جو گذر اوقات کیا ہے، وہ مہر کے طور پر ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: مرد پر مذکورہ عورت کی مہر دینا ضروری ہے، یوں کہنا کہ "آج تک میری زمین کی آمدنی کھائی ہے یہ مہر کے طور پر ہے" مناسب نہیں، اس لیے کہ آج تک یہ عورت اس کے نکاح میں تھی، اور نکاح میں ہونے کی بنا پر مرد کی زمین کی پیداوار سے گذر اوقات کرتی تھی، تو اس نفقہ کو مہر شمار نہیں کیا جائے گا۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۵/۵/ ۱۹۷۰ء

(۱۶۱۸) صرف اپنے فائدہ کے لیے زیادہ مہر مقرر کرنا:

سوال: (۱) لوگ اپنے لڑکے یا لڑکی کو بیرون ملک بھیجنے کے شوق میں، اس شرط پر دو قسم کی مہر مقرر کرتے ہیں: (ایک عام رواج کے مطابق جو مہر چلتی ہو، اور دوسرے زیادہ مہر مثلاً ایک لاکھ روپئے)، کچھ وقت دونوں کی ازدواجی زندگی دیکھیں گے، اگر ازدواجی زندگی اچھی چلے تو زیادہ مہر عورت معاف کردے، اور عام طور پر جو مہر چلتی ہو وہ ادا کردے، اور اگر ازدواجی زندگی اچھی طرح نہ چلے، اور قصور لڑکے کی طرف سے ہو تو زیادہ مہر جو مقرر کی ہے وہ ادا کرنا پڑے گی، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) شریعت میں زیادہ سے زیادہ مہر کی مقدار کیا ہے؟

(۳) زبردستی عورت کے پاس مہر معاف کرانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ۱/ مہر حقیقت میں ایک عزت کی چیز ہے، جو شوہر اپنی بیوی کو دیتا ہے، مہر کا مقصد عورت کی عزت اور اکرام ہے، مہر عورت کی قیمت نہیں ہے کہ عورت کو خرید لیا ہو، بل کہ شریعت نے عورت کی ایک خاص فضیلت اور عزت ظاہر کرنے کے لیے مہر مقرر اور واجب کی ہے، قرآن حکیم میں ہے:

﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ . ''مال دیکر عورت کو حاصل کرو!''

نیز ہدایہ میں ہے:

'' ثم المهر واجب شرعا ابانةً لشرف المحل '' . (هدايه : ۲/۳۰۳)

یعنی ایک خاص شرافت ظاہر کرنے کے لیے مہر شریعت نے واجب کی ہے، لہٰذا مہر صرف ایک فرضی ڈھونگ نہیں ہے کہ نکاح کے بعد ادا کرنے کی ضرورت نہ رہتی ہو، بل کہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص نکاح کر کے بیوی کو لاوے، تو اس کا اکرام کرے اور ایک ہدیہ اس کو پیش کرے، جو اس کی شان کے لائق ہو، شریعت کا تقاضہ یہ ہے کہ مہر کی رقم نہ تو اتنی کم ہو کہ جس سے شریعت کا جو مقصد عزت و احترام کا ہے وہ ختم ہو جاوے، اور نہ تو اتنی زیادہ مقرر کی جاوے کہ شوہر ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اور اخیر میں یا تو مہر ادا کیے بغیر انتقال کر جاوے، یا عورت سے معاف

کرانے پر مجبور ہو جاوے، اس لیے کہ نکاح کے بعد مہر عورت کا شوہر پر ایک قرض ہے، جس کا ادا کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر ادا نہ کی اور شوہر کا انتقال ہو جاوے، تو ورثہ کو میراث تقسیم کرنے سے پہلے عورت کی مہر کا قرض ادا کرنا ضروری ہے۔ ہدایہ میں ہے:

" فلانّ المسمی دین فی ذمته وقد تعقد بالموت ...... فیقضی من ترکته".

(هدایه : ۲/۷ ا ۳)

نکاح کے وقت جو مہر مقرر کی ہے وہ شوہر کے ذمہ فرض ہے، اور ادا کیے بغیر شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس کے ترکہ میں سے ادا کی جائے۔

سوال میں تحریر کردہ حقیقت کے مطابق بیرون ملک جانے کے شوق میں لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے والوں سے لاکھوں روپئے کی مہر مؤجل مقرر کرنا، اس شرط پر کہ اگر بعد میں اختلاف ہو اور طلاق کی نوبت آوے، اور اگر قصور لڑکے کا ہو، تو پوری مہر دینا پڑے گی، اور اگر لڑکی کا قصور ہو جو کم مہر رکھی ہے وہ ادا کرنا پڑے گی، اس طریقہ کی شرط جائز نہیں، اور جتنی متعین ہوگی اتنی شوہر پر لازم ہوگی، شوہر کی ادا کرنے کی طاقت سے زیادہ مہر نہ ہونی چاہیے، صرف کاغذ پر تحریر نہ ہو، اس میں شریعت کو دھوکہ دینا ہے کہ نکاح کے بعد دو چار سال دیکھیں، اگر دونوں کی زندگی اچھی طرح گذر رہی ہو، تو مہر معاف کر دی جاوے۔

مہر کا مدار دو چیزوں پر ہے:

(۱) مہر اتنی ہونی چاہیے کہ جس میں عورت کی عزت اور احترام باقی رہنا چاہیے، بہت کم نہ ہو۔

(۲) مرد یہ مہر ادا بھی کر سکے اور ادا کرنے کی نیت بھی ہو، اگر دونوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہ ہوگی، تو ناجائز ہوگا۔

۲/ شریعت میں زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں، شوہر جتنی زیادہ مہر ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور ادا کرنے کی نیت بھی ہو، تو زیادہ مہر مقرر کرنے میں حرج نہیں، مگر معاف کرانے کی نیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا یہ اسلامی طریقہ کے خلاف ہے۔ (کفایت المفتی: ۵/۱۲۰، ۱۴۶)

کم سے کم مہر احناف کے نزدیک دس درہم ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" **لا مهر من اقل عشرة دراهم** " .

دس درہم سے کم مہر نہیں،جس کے دوتولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے،نکاح کے وقت اتنی چاندی کی جو قیمت ہوگی وہ کم سے کم مہر ہوگی۔

۳ر قرآن حکیم میں ہے:

﴿**فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِیۡئًا مَّرِیۡٓـئًا**﴾ . (سورة النساء : ۴)

''عورتوں کی مہر خوشی سے ادا کردو!البتہ عورتیں خوشی سے مہر میں سے تم کو دیں،تو تم اس کو مرغوب سمجھ کر کھاؤ۔''

قرآن حکیم میں ہے:

﴿ **فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِیۡضَةً**﴾ . (سورة النساء : ۲۴)

یعنی''جن عورتوں سے نکاح کے بعد فائدہ اٹھایا تو جو مہر متعین کی ہے وہ ادا کردو!مہر متعین کرنے کے بعد تم دونوں جس پر راضی ہوجاؤ اس میں کوئی گناہ نہیں۔''

مذکورہ آیتوں سے ثابت ہوا کہ مہر عورت کا حق ہے،اپنی رضا مندی سے معاف کردے،تو درست ہے۔(کفایت المفتی:۵/۱۱۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۱۹)۱۲۸/روپئے مہر مقرر ہوئی ۲۵/سال کے بعد کتنی دینا چاہیے؟

سوال:ایک شخص کا ۲۵/سال پہلے نکاح ہوا،اور اس وقت مہر ۱۲۸/روپئے مہر مقرر ہوئی،۲۵/سال تک نہ شوہر نے ادا کی اور نہ عورت نے مطالبہ کیا،تو اب ۲۵/سال کے بعد کتنی مہر دی جاوے؟اس لیے کہ قیمت میں بہت فرق ہوگیا؟(ترکیسور)

جواب:عورت کی جو مہر مقرر ہوئی ہو،وہ شوہر پر قرض ہے،اور شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ اگر کسی سے

قرض لیا تو اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، جتنی مقدار میں قرض لیا ہے، اتنی مقدار قرض ادا کرنا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں ۲۵ر سے سال پہلے جو مہر مقرر ہوئی تھی، ۲۵ر سال کے بعد بھی نکاح کے وقت جو مقدار متعین ہوئی تھی اتنی دینا ضروری ہے۔

” وان استقرض دانق فلوس او نصف درهم فولس ثم رخصت او غلت لم يكن عليه الا مثل عدد الذی اخذه . وفی الفتاوی الهندية : استقرض حنطة فاعطی مثلها بعد ما تغير سعرها يجبر المقرض علی القبول “ . (شامی: ۲۳۸/۴)

” ولو تزوج امرأة علی الف من دراهم البلد فكسدت قبل القبض فصار النقد غيرها قالوا ان كانت تلك الدراهم تروج لو وجدت فانها تلك الدراهم لا غير وان قلت قيمتها . الكساد ترک التعامل بالفلوس .

(فتاوی خانيه بر عالمگيری: ۱/ ۳۷۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۱/۱۰/۱۹۸۸ء

(۱۶۲۰) مہر کتنی ہونی چاہیے؟

سوال: شریعت میں صحیح شرعی مہر کتنی ہے؟ اور کتنی مہر لکھانا چاہیے؟

جواب: مہر عورت کا حق ہے اور شوہر پر قرض ہوتی ہے، مہر دینا شوہر کے لیے ضروری ہے، نہ دینے سے گنہگار رہوگا، جبراً معاف کرے تو معاف نہ ہوگی، شرعی مہر پونے تین تولہ چاندی ہے، اتنی چاندی کی نکاح کے وقت بازار میں جو قیمت ہو وہ شرعی مہر ہے، اور یہ کم سے کم مہر ہے۔

(فتاوی دار العلوم: ۲۶۵/۶)

مہر فاطمی متعین کرنا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں اور ازواج مطہرات کی مہر تھی۔ (۱۳۱ ۱/۴) تولہ چاندی یا اتنی چاندی کی نکاح کے وقت بازار میں جو قیمت ہو، وہ مہر فاطمی

ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں اور ازواج مطہرات کی جو مہر تھی، اتنی مہر متعین کرنے میں ان کی اتباع ہے جو افضل ہے، موجودہ زمانے میں عورتوں کی بہتری زیادہ مہر مقرر کرنے میں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم: ۸/۲۷۷، ۲۷۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۲۱) مہر کے متعلق ایک مفصل فتویٰ:

سوال: نکاح کے وقت جو مہر متعین کی جاتی ہے وہ کتنی متعین کی جاوے؟ مہر کس کا حق ہے؟ مہر کب دی جائے؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں!

جواب: مہر کا مقصد عورت کی عزت اور احترام اور شرافت ظاہر کرنے کے لیے شریعت نے متعین کی ہے۔

"المهر واجب شرعاً ابانةً لشرف المحل". (هدايه: ۳۰۳)

مہر عورت کی ذات کی قیمت نہیں ہے کہ مہر کے بدلے خرید لی گئی ہو، مہر میں عورت کی عزت اور اکرام ہے، اسی بنا پر مہر اتنی کم بھی متعین نہ کی جاوے کہ جس میں عورت کی عزت نہ ہو، اور اتنی زیادہ بھی متعین نہ کی جائے کہ شوہر ادا نہ کر سکے کہ صرف کاغذ پر تحریر لے لی جاوے، اور اخیر میں معاف کرالی جاوے، یا ادا کیے بغیر شوہر اپنے اوپر قرض لے کر انتقال کر جاوے، قرآن حکیم میں ہے:

﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾. (سورۃ النساء: ۲۴)

"تم اپنا مال یعنی مہر کے بدلے (نکاح کر کے) اس کو بیوی بنانا طلب کرو۔"

آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بدلے مال یعنی مہر دینا فرمایا ہے، عورتوں کا اصل حق تو مہر مثل ہے، یعنی کہ جس عورت کا نکاح ہو رہا ہو اس کے باپ کے خاندان کی عورتیں؛ بہن، پھوپھی، چچازاد بہن کی عام طور پر جو مہر متعین کی گئی ہو، فی الحال جس کا نکاح ہو رہا ہے اس کی بھی اتنی مہر متعین کی جاوے کہ کم زیادہ نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں عورتیں اپنے اپنے نکاح کے وقت اخلاق،

تہذیب، مالداری، اور خوبصورتی میں برابر ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"**لها صداق نسائها لا وكس ولا شطط**". (ابوداود : ۲۸۸)

"**اى نساء قومها التى تشاركها فى المال والجمال**".

(حاشية ابى داود ، هدايه : ۲/۳۱۳)

مگر نکاح کے وقت لڑکے اور لڑکی نے رضامندی سے جو مہر مقرر کی ہے، وہ دینا ضروری ہے، شریعت نے زیادہ مہر کی حد متعین نہیں کی، مگر اپنی طاقت کے بموجب مہر متعین کرنا بہتر ہے، کم سے کم مہر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کی ہے، وہ ۲/تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے، نکاح کے وقت بازار میں اتنی چاندی کی جو قیمت ہو، وہ احناف کے نزدیک کم سے کم مہر ہے، اس سے کم متعین کرے تو بھی احناف کے نزدیک مذکورہ چاندی کی جو بازار میں قیمت ہو، وہ دینا پڑیگی۔

موجودہ زمانے میں ہمارے یہاں ایک سو ساڑھے ستائیس روپئے (۱۲۷ ۱/۲) مہر مشہور ہے، وہ کسی زمانے میں دس درہم یعنی ۲/تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی کی قیمت ہوتی ہوگی، اس بنا پر اس وقت کم سے کم یہ مہر متعین کی جاتی ہوگی، موجودہ وقت میں ایک سو ساڑھے ستائیس (۱۲۷ ۱/۲) مہر متعین کرنا جائز نہیں، مہر حقیقت میں عورت کی عزت اور اس کا احترام ہے، لہٰذا اپنی حیثیت کے مطابق متعین کرنا چاہیے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی مہر ۵۰۰/درہم مقرر کی گئی تھی، جس کے ۱۳۱/تولہ اور تین ماشہ چاندی ہوتی ہے، یعنی ایک کلو سات سوا ایک گرام۔

(ابوداود مع حاشيه : ۲۸۷، احسن الفتاوى : ۵/۳۲، صحيح مسلم : ۱/۴۵۸)

اتنی مقدار مہر فاطمی شمار ہوگی، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی نیت سے ۱۳۱/تولہ ۳/ماشے، احتیاطاً ۱۳۲/تولہ رکھنا ضروری ہے، جتنی مہر میں عورت کی عزت ہو اور شوہر بھی ادا کرسکتا ہو اتنی متعین کی جاوے۔

نوٹ: مہر فاطمی میں چاندی کے وزن کے ساتھ بازار کی قیمت بھی متعین کردی جاوے، تاکہ ادا کرنے میں شک نہ رہے، شوہر اپنی بیوی سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور بیوی اپنی ذات شوہر کے حوالہ کرتی ہے، اور بدلے میں شوہر پر مہر دینا ضروری ہے، لہٰذا حتی الامکان جلد سے جلد ادا کردینا ضروری ہے، اگر ادا نہ کی اور شوہر کا انتقال ہوگیا، تو میراث کی تقسیم سے پہلے عورت کی مہر کا قرض اس کے ترکہ میں عورت کو دیا جاوے گا۔

" وانما يصير حقاً لها في حالة البقاء ". (هدايه : ۲/۳۰۴)

" فلان المسمى دين في ذمته ...... فيقضى من تركته ".

(هدايه : ۲/۳۱۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹/۷/۱۹۹۶ء

(۱۶۲۲) شادی میں خرچ زیادہ کرنا اور مہر کم مقرر کرنا:

سوال: شادی کے وقت کچھ لوگ سونا چاندی کے زیورات دیتے ہیں، اور اپنی مالی حالت کے اعتبار سے زیادہ دیتے ہیں، تو شادی میں خرچ زیادہ ہوتا ہے، مگر مہر کم مقرر کرتے ہیں، تو بہتر کیا ہے؟ مہر فاطمی کس کو کہتے ہیں؟ اس کی مقدار کیا ہے؟

جواب: نکاح اللہ کی ایک نعمت اور اس کا ایک احسان ہے، اگر نعمت کا شکر ادا کیا جاوے، تو اللہ کی طرف سے زیادہ ملنے کا وعدہ ہے، شادی بیاہ میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا، فضول خرچی کرنا، یہ ناشکری ہے، سونا چاندی کے زیورات یہ دکھلاوے کے لیے ہوتے ہیں، شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" ان اعظم النكاح بركة ايسرها مؤنة ". (مشكوة المصابيح : ۲/۲۶۸)

''وہ نکاح بابرکت ہے جس میں کم خرچ ہو۔''

مہر فاطمی جو سنت ہے متعین کی جاوے، مہر فاطمی کی مقدار تقریباً ایک سو چالیس تولہ چاندی ہے، نکاح کے وقت اتنی چاندی کی جو بازار میں قیمت ہو وہ مہر فاطمی کہی جاوے گی، اتنی قیمت نقد یا اتنی قیمت کے سونے چاندی کے زیورات دیئے جاویں، تو سنت بھی ادا ہوگی، اور ایک سنت زندہ کرنے سے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من احيى سنة من سنتي قد اُميتت بعدى فان له من الاجر مثل اجور من عمل بها ...... ". (مشكوة المصابيح : ۳۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سنت پر عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ہو، اس سنت کو اپنے عمل کے ذریعے جو شروع کرے گا اسے سنت کے جاری کرنے کا بھی ثواب ملے گا۔"

لہٰذا اگر دینا ہی ہے، تو ۱۴۰ر تولہ چاندی کی قیمت کے برابر زیورات بنا دیئے جاویں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۲۳) مہر دینے کو ضروری نہ سمجھنا:

سوال: عورت کو مہر نہیں دی جاتی ہے اور موت کے وقت جبراً معاف کرایا جاتا ہے، عورت کے علاوہ کوئی مہر معاف کرسکتا ہے؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مہر کوئی ضروری چیز نہیں، اس کے متعلق شرعی رہنمائی فرمائیں! (کپڑونج، ضلع کھیڑا)

جواب: قرآن حکیم میں ہے: ﴿ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ﴾ . (سورۃ النساء: ۲۴)

"مال دے کر نکاح کرو!"

اسی بنا پر شرعاً مہر دینا ضروری ہے، اگر عورت اپنی رضامندی سے بغیر جبر کے معاف کرے تو مہر معاف ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ، فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا﴾ . (سورۂ نساء : ۴)

اگر خوشی سے دے تو کھاؤ! لہٰذا جبراً معاف نہ ہوگی، عورت کے علاوہ اور کسی کو مہر معاف کرنے کا حق نہیں، اس لیے کہ مہر عورت کا حق ہے، اگر عورت کا انتقال ہوجاوے، تو اس کے ورثہ کو ہر ایک کے حصے مطابق دیدی جاوے، اگر مہر نہیں دے گا تو حقوق العباد کے ضائع کرنے کا گناہ ہوگا۔

اگر عورت شوہر کی زندگی میں، یا شوہر کے مرنے کے بعد مہر معاف کرے، تو معاف ہوجائے گی، مہر معاف ہونے کے لیے شوہر کا ہونا اور قبول کرنا ضروری نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۲۴) اسلام میں مہر کا مقصد:

سوال: اسلام میں مہر کا مقصد کیا ہے؟ اس کی ضرورت کیوں ہوئی؟ مہر مقرر کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: نکاح میں مہر مقرر کرنے کی بہت سی حکمتیں ہیں:

(۱) نکاح میں شوہر کی طرف سے عورت کو مہر دی جاتی ہے، تو طلاق دینے سے مال چلے جانے کا خطرہ رہے گا، اس کی بنا پر بغیر ضرورت کے طلاق نہ دیگا، تو مہر مقرر کرنے میں نکاح باقی رہنے کا فائدہ ہے۔

(۲) انسان کو مال کی محبت ہوتی ہے اور مہر ملک بضعہ کے بدلے دی جاتی ہے، لہٰذا مال خرچ کرکے مال کے عوض کوئی چیز لینے سے اس کی عظمت اور بڑائی ظاہر ہوتی ہے، مال خرچ کرکے لینے میں لوگوں کو اطمینان ہوتا ہے، اور نکاح کی فضیلت بھی دل میں پیدا ہوتی ہے۔

(۳) قرآن حکیم میں ہے:

﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ . (سورۃ النساء:۲۴)

مال کے ذریعے اپنی عزت کی حفاظت کرو! اس سے نکاح اور زنا میں فرق ہوتا ہے۔

(المصالح العقلية : ١٦٩) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۶/۳۱/ ۱۹۹۳ء

(۱۶۲۵) منکوحہ حاملہ من الزنا مہر کی حقدار ہوگی یا نہیں؟

سوال: اول عشرہ جمادی الثانی میں ہندہ کا عقد بکر کے ساتھ ہوا، تقریباً دو ماہ تک ہندہ اپنے شوہر کے پاس رہی، عشرہ سوم ماہ ذی القعدہ میں ہندہ کو لڑکا پیدا ہوا، کیا ایسی حالت میں مہر کا حق رکھتی ہے؟ اور بچے کی پرورش شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟

جواب: جب کہ ہندہ سے بکر نے خلوت صحیحہ کی ہے، تو مہر پورا کا پورا بکر کے ذمہ میں لازم ہوگیا، کیوں کہ نکاح اس صورت میں صحیح ہوگیا ہے، اور اصل یہ ہے کہ مہر مجرد نکاح سے لازم ہوجاتا ہے، لیکن احتمال سکوت رہتا ہے، جب شوہر نے وطی کردی یا خلوت صحیحہ پائی گئی، تو کل مہر واجب الادا ہوگئی، اور بچہ وقت نکاح سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا ہے، اس لیے بکر سے اس کا نسب ثابت نہیں ہے، اور نہ بکر کے ذمہ اس کی پرورش وغیرہ کا حق ہے۔ (فتاوی دارالعلوم جدید: ۲۶۹/۸، ۲۷۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۸۹/۵/۲۸ء

جھیز کا بیان

(۱۶۲۶) شادی میں دیا ہوا جہیز طلاق کے وقت واپس لینا:

سوال: میں نے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت جہیز دیا تھا، اس کا شوہر طلاق دینا چاہتا ہے، مہر اور عدت کا خرچ دینے کو تیار ہے، مگر دیا ہوا جہیز واپس دینے سے انکار کرتا ہے، تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح کے وقت جو جہیز دیا ہے، وہ باپ کی طرف سے ایک بخشش ہوتی ہے، جو لڑکی کی ملکیت ہے، شوہر کا قبضہ کرنا اور واپس نہ دینا شرعاً جائز نہیں، یہ ظلم ہے۔

" لا يحل له ان يأخذ شيئا مما اعطاها حيث كان هو الناشز " .

(فتاوی اسعدیه : ۱۱۶ ، درمختار مع الشامی : ۲/۵۰۳) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۶۲۷) نکاح میں دیا جانے والا زیور کس کی ملک ہے؟

سوال: نکاح کے وقت اور نکاح کے بعد بیوی کو زیور دیا، طلاق کے بعد شوہر واپس لے سکتا ہے؟ اور دوسری عورت کو دے سکتا ہے؟

جواب: نکاح کے وقت اور نکاح کے بعد جو زیور دیا، اگر مہر کے عوض میں ہو یا ہدیہ کے طور پر ہو، تو اس پر عورت کی ملک ہوگی، شوہر کو واپس لینا جائز نہیں، اور اگر شوہر نے اپنی ملک میں رکھ کر عورت کو صرف استعمال کے لیے دیا ہو، تو اس کا مالک شوہر ہے، واپس لے سکتا ہے، اور اگر کسی قسم کی وضاحت نہ کی ہو تو رَواج پر محمول ہوگا، اگر بخشش کا رواج ہے تو واپس نہیں لے سکتا، اور اگر استعمال کے لیے دینے کا رواج ہے تو واپس لے سکتا ہے۔ (شامی: ۴/۷۰۷، فتاوی دارالعلوم: ۷/۹۷) فقط

والله اعلم بالصواب

۶/۲۰/ ۱۹۷۹ء

(۱۶۲۸) جہیز واپس لینا:

سوال: میرے ایک لڑکے نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اس کی مہر اور عدت کا نفقہ بھیج دیا، تو جہیز کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا، میرا یہ لڑکا (سابرمتی) میں ملازمت کرتا تھا، ۱۹۶۹ء میں احمد آباد میں قومی فساد ہوا، اس وقت اس کے گھر کا پورا مال جلا دیا گیا، عورت کا جو جہیز تھا وہ بھی جل گیا، تو اب وہ جہیز کی قیمت طلب کرتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح کے وقت جو جہیز دیا، وہ طلاق کے وقت واپس لینا جائز ہے، مگر مذکورہ صورت میں جہیز کا سامان پورا جل گیا، شوہر نے برباد نہیں کیا ہے، تو ایسی صورت میں واپس مانگنا درست نہیں، البتہ جھگڑا ختم کرنے کے لیے بڑے لوگوں کو فیصل بنا کر اس کا فیصلہ کرلیا جائے تو بہتر ہے۔

" زوّج بنتَه وجهزها ثم ادعى ان ما دفعه كالعارية وقالت تمليكا او قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منها وقال الاب عارية قيل القول للزوج ولها . لان الظاهر شاهد له اذ العادة دفع ذلك اليها هبة واختاره السندى واختاره الامام السرخسى كون القول للاب لان ذلك يستفاد من جهته والمختار للفتوى القول الاول ان كان العرف ظاهرا بذلك " . (فتح القدير: ۲/ ۴۷۹)

" (سئل) فى ام جهزت ابنتها بجهاز ودفعته لها ثم ماتت الام فادعى بقية الورثة على البنت بالجهاز انه عارية وادعت هى انه ملك والام ممن تدفع ذلك ملكا لا عارية هل القول قولها ام قول بقية الورثة انه عارية والقول قول البنت فى ذلك لان الظاهر شاهد له والحال هذه والمنظور اليه العرف " .

(فتاوى خيرية: ۲/ ۵۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۹/۸/ ۱۹۷۱ء

(۱۶۲۹) منگنی کے وقت دیئے گئے زیور یا نقد پیسوں کی واپسی:

سوال: منگنی کے وقت جو زیور یا نقد پیسے عورت کو دیئے ہوں، تو واپس لے سکتے ہیں؟

جواب: اگر زیور اور نقد پیسے منگنی کے وقت شوہر نے مہر کے طور پر دیئے ہوں، تو منگنی کے توڑنے سے یہ مہر واپس لی جا سکتی ہے، اور اگر زیور یا نقد ہدیہ کے طور پر دیا ہو، تو عورت کے پاس بعینہٖ موجود ہو تو واپس لے سکتے ہیں، اور اگر عورت کے پاس موجود نہ ہو تو واپس نہیں لے سکتے۔

" خطب بنت رجل وبعث اليها اشياء ولم يزوجها ابوها بعث للمهر يسترد عينه قائما او قيمته هالكا وكذا ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك " . (در مختار مع الشامی: ۲/ ۵۰۱ ، كتاب النكاح) فقط

والله اعلم بالصواب

۱۷/۷/ ۱۹۷۰ء

(۱۶۳۰) شادی کے وقت دیئے ہوئے کپڑے واپس لینا:

سوال: میں نے نکاح کے وقت اپنی بیوی کو ۸۵۰/ روپئے قیمت کے کپڑے دیئے تھے، تو کیا میں وہ کپڑے یا کپڑے کی قیمت واپس لے سکتا ہوں؟

جواب: نکاح کے وقت جو کپڑے عورت کو دیئے ہیں، اگر یہ مہر کے عوض ہو یا ہدیہ کے طور پر ہوں، تو وہ عورت کی ملکیت ہے واپس لینا جائز نہیں، اور اگر شوہر نے اپنے ملک میں رکھ کر صرف استعمال کے لیے دیئے ہوں تو وہ مرد کے ہیں، اس کا واپس لینا جائز ہے، مگر ایسی صورت میں کپڑے کے بدلے قیمت لینے پر جبر نہیں کر سکتے۔

" والاصل فيه ان المعروف عرفا كالمشروط شرطا ، وقال فى الخانية يعتبر التعارف لان الثابت عرفا كالثابت شرعا " .

(شامی: ۴/ ۷۰۷ ، كتاب الهبة ، عمدة الرعاية: ۲/ ۴۶) فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۶۳۱) شادی میں دیئے گئے جہیز اور ہدایا مالک کون؟

سوال: والدین اپنی بیٹی کو شادی میں جہیز، زیورات، برتن، کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیزیں دیتے ہیں، اور رشتہ دار بھی ہدیہ کے طور پر دیتے ہیں، اس کا مالک کون؟ طلاق کے بعد لڑکی واپس لے سکتی ہے؟ (سورت)

جواب: شادی کے وقت والدین جو دیتے ہیں، وہ لڑکی کو ہدیہ کے طور پر دیتے ہیں، اسی طرح رشتہ داروں کی طرف سے بھی ہدیہ کے طور پر دیا جاتا ہے، ان تمام چیزوں پر لڑکی کی ملکیت ہے، طلاق کے بعد عورت واپس لے سکتی ہے، اگر شوہر نہیں دے گا تو سخت گنہگار ہوگا، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''شامی'' میں لکھا ہے:

'' ان الجهاز ملک المرأة و انه اذا طلقها تأخذه كله '' . (شامی : ۸۹۸/۲)

یعنی جہیز کے سامان کی مالک عورت ہے اور جب مرد عورت کو طلاق دے تو عورت پورا سامان مرد سے واپس لے سکتی ہے۔

رواج اور دستور یہ ہے کہ والدین کی طرف سے لڑکی کو جہیز کا سامان دے کر اس کو مالک بنایا جاتا ہے، تو فتویٰ اس پر ہے کہ لڑکی مالک ہوگی۔ (فتاوی خیریہ:۵۱/۲، فتح القدیر:۴۷۹/۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱/۱/ ۱۹۸۸ء

(۱۶۳۲) ہمیشہ کے لیے قرارنامہ کر کے دیئے ہوئے زیور کا مالک کون؟

سوال: یوسف بھائی کی مریم بی بی کے ساتھ منگنی ہوئی، اس وقت چاندی کے کچھ زیورات اور سونے کے زیورات لڑکی کو دیئے، لڑکی کے والد نے کہا کہ تم اس طرح دستاویز لکھ لو کہ نکاح کی تاریخ سے دو سال تک لڑکی کو دیا، دو سال کے بعد سونے کے زیورات کے سوا جو چاندی کا زیور ہے، وہ واپس لے لینا، اور سونے کا زیور ہمیشہ استعمال کرنا، یہ دستاویز میں نے اپنی رضا سے لکھ لیا ہے، جو میرے تمام

ورثہ کو منظور ہے، اب نکاح کے ڈیڑھ سال کے بعد لڑکی کو طلاق ہوگئی، تو مذکورہ زیورات کا مالک کون؟

جواب: عام طور پر رواج ہے کہ نکاح کے وقت شوہر، یا اس کے رشتہ داروں کی طرف سے جو کچھ سونے چاندی کے زیور لڑکی کو دیئے جاتے ہیں، اس کا مالک شوہر ہوتا ہے، عورت صرف عاریۃً استعمال کرتی ہے۔

اگر آپ کے یہاں یہی رواج ہو، تو حسین بھائی کی طرف سے مریم بی بی کو جو سونے چاندی کے زیورات دیئے گئے ہیں، ان کا مالک حسین بھائی ہے، مریم بی بی کے والد کو اس پر قبضہ کرنا اور سوسائٹی کے ممبران کا مریم بی بی کو دینے کا فیصلہ شرعاً جائز نہیں، اور سخت گناہ ہے۔ (شامی: ۴/۷۰۷)

دستاویز میں لکھا ہے ''سونے کا زیور ہمیشہ پہننے کے لیے دیا ہے'' تو ''ہمیشہ'' کا لفظ ہدیہ پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا یہ ہدیہ کے حکم میں ہے، مریم بی بی کے قبضہ میں دیدیا ہو، تو اس کی مالک مریم بی بی ہے، اس لیے حدیث شریف میں ہے:

کوئی چیز بطور استعمال کے ہمیشہ کے لئے دینا، اس کا مالک وہ ہوگا جسے یہ چیز دی گئی ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله تعالى عنه قال : قال النبی صلی الله عليه وسلم: "العمری جائزة" . متفق عليه . (مشكوة المصابيح : ٢٦٠)

عن جابر رضی الله تعالى عنه ، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال : " ان العمری ميراث لاهلها ". رواه مسلم . وروی ابوداود والنسائی عن جابر بلفظ العمری لمن وهبت له وهی جائزة بالاتفاق مملكة بالقبض كسائر الهبات ويورث المعمر من المعمر له . (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح : ۳/۳۷۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳۰/۱۱/ ۱۹۸۲ء

(۱۶۳۳) نکاح میں دیئے گئے کپڑے اور زیورات واپس لینا:

سوال: میں نے اپنی بیوی کو سونا چاندی، ہیرے موتی کے زیورات پہننے کے لیے دیئے تھے، ہمارے

درمیان جھگڑا ہونے سے میری بیوی ''کلیمہ بی بی بنت احمد محمد بھائی میاں'' مالدار ہونے کی بنا پر اپنے گھر چلی گئی، کورٹ میں معاملہ گیا، کئی سالوں کے بعد کورٹ نے واپس دینے کا فیصلہ دیا، مگر دیا نہیں، اب اس کا انتقال ہوگیا، میری بیٹی کے پاس میں نے وہ زیورات مانگے، تو کہا کہ مجھے ملتے نہیں! تو کیا عورت مقروض کہی جائے گی؟ اور میری بیٹی اپنی ماں کے مال میں سے قرض ادا کرسکتی ہے؟

جواب: سونے چاندی، ہیرے کے زیورات اور کپڑے راندیر میں شادی کے وقت صرف پہننے کے لیے دینے کا رواج ہے، بخشش کے طور پر نہیں ہے، اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو آپ لے سکتے ہیں، اگر موجود نہ ہوں تو آپ کی بیٹی دینے کی ذمہ دار نہیں، یہ چیزیں اگر دیکھو تو وصول کرسکتے ہیں، اگر ہدیہ کے طور پر دینے کا رواج ہو تو آپ واپس نہیں مانگ سکتے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۸/۴/ ۱۹۹۷ء

(۱۶۳۴) لڑکی کو لڑکے کے رشتہ داروں کی طرف سے ملنے والے ہدایا کا مالک کون؟

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوگیا، اس کی شادی کے وقت لڑکے کے رشتہ داروں کی طرف سے سلامی کے طور پر نقد پیسے ملے تھے، تو ان پیسوں کا مالک کون؟

جواب: نکاح کے وقت لڑکے کے رشتہ داروں کی طرف سے جو نقد پیسے لڑکی کو (مرحومہ) دیئے گئے، اس کے مالک لڑکے والے ہیں، لڑکی نہیں۔

'' ان كان من اقرباء الاب او معارفه فهو للاب وان كان من اقرباء الام او معارفها فهو للام سواء كان المهدى يقول عند الهدية : هذا للهبة ام لا وهذا اذا لم يقل المهدى هذا له او لها ، وكذا لو اتخذ الوليمة لزفاف بنته '' .

(مجمع الانہر: ۲/ ۳۵۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹/۹/ ۱۹۸۱ء

زوجین کے حقوق

(۱۶۳۵) بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے:

سوال: میرے شوہر چار سال سے ملازمت کے لیے بیرون ملک گئے ہیں، سال میں ایک دو مہینے کے لیے وطن آتے ہیں، ان کے جانے کے بعد گھر میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، اور میرے سسرال والے میرے شوہر پر بھی خطوط لکھ کر میرے خلاف بدظن کرتے ہیں، جس کی بنا پر وہ مجھ سے ناراض ہوتے ہیں، میں ان سے کہتی ہوتی ہوں کہ بیرون ملک جانا چھوڑ دو، اپنے وطن میں گھر پر رہ کر اللہ تعالیٰ جو روزی دے اس پر راضی رہو، تاکہ اپنی ازدواجی زندگی اچھی طرح گذر سکے، کبھی کبھی طلاق دینے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں، اس کے متعلق شریعت کی کیا تعلیم ہے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" **كلكم راع** ...... ". "تم میں سے ہر ایک نگراں ہے"

ہر ایک سے پوچھا جائے گا کہ تم کو جو سونپا گیا تھا اس میں تم نے کیا کیا؟

(الصحيح للبخاری: ۱/ ۳۴۷ ، الصحيح لمسلم : ۲/ ۱۲۲)

عورت بھی اپنے شوہر کے گھر کی حفاظت اور اپنے اولاد کی نگرانی کی ذمہ دار ہے، اور عورت کو بھی اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ یہ حق ادا کیا یا نہیں۔

" **والمرأة راعية على بيت زوجها وولدها ومسؤولة عنهم** " .

اللہ تعالیٰ نے اپنی بیوی کے ساتھ رہن سہن، کھانا پینا، کپڑے وغیرہ میں اچھا سلوک رکھنے کی تاکید کی ہے، جو لوگ عورتوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، ان کو خطاب کرکے قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

﴿**وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**﴾ . "عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو!"

عورتوں کے حقوق کی تاکید کے لیے ارشاد ہے:

﴿اَخَذْنَا مِنْکُمْ مِیْثَاقاً غَلِیْظاً﴾. ’’عورتیں نکاح کے ذریعے‘‘ ساتھ رہنے میں بات چیت میں ازدواجی زندگی میں‘‘ تم سے بہت مظبوط قرار لے چکی ہے۔‘‘

(سورۃ النساء:۱۲،تفسیر روح البیان:۱۸۵/۲)

اورقرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَالصَاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ . (سورۃ النساء : ۳٦)

’’اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ اچھا سلوک کرو!‘‘ اس میں بیوی، ساتھی، ایک استاذ کے شاگرد،سفر کے ساتھی،سب کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم ہے۔(تفسیر روح البیان:۲۰٦/۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

" استوصوا بالنساء خیراً ".

’’عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو‘‘ فرما کر شوہروں کو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ مرد پر اپنی بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ اس کے ساتھ بات چیت کرے،اس کی تکلیف اور راحت کی باتیں سنے، دل خوش کرنے والی باتوں سے اس کو خوش کیا جاوے۔ (حقوق الزوجین:۲۱)

مرد پر بیوی کے حقوق ادا کرنا دیانۃً ضروری ہے، بیوی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو،تو شوہر کو سفر میں رہنا جائز نہیں۔

ایک مرتبہ ایک عورت اپنے شوہر کے جہاد میں جانے کی بنا پر بے چین ہو کر شعر پڑھ رہی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب رات کے وقت یہ شعر سنا،تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے تحقیق کی کہ ایک عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ چار مہینے تک،تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ کوئی بھی شخص جہاد میں چار مہینے سے زیادہ نہ رہے۔

" فامر عمر ان لا یتخلف المتزوج عن اھلہ اکثر منھا ".

(شامی : ۵۴۸/۲ ، باب القسم)

شریعت کا اصول ہے کہ جب انسان کے سامنے دو چیزیں پیش آئیں، اور ایک اہم ہوتو غیر اہم چیز چھوڑ کر جو زیادہ اہمیت والی ہو، اس پر عمل کرے۔

" اذا تعارضت المصالح والمهمان بدأ بأهمهما " .

(عینی شرح بخاری: ۳۱۷/۷)

سوال میں تحریر کردہ حقیقت اگر صحیح ہوتو شوہر کو "سعودیہ عربیہ" ملازمت کے لئے نہ جانا چاہیے، اور اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ گھر پر رہ کر زندگی گذارنی چاہیے، تاکہ جھگڑے سے حفاظت رہے، اور شیطان کو زیادہ موقع نہ ملے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۳۶) مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا اور بوسہ دینا:

سوال: مرد اور عورت کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا اور بوسہ دینا کیسا ہے؟

جواب: مرد اور عورت کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو بوسہ لینا حرام ہے، شرمگاہ کے علاوہ بدن کے دوسرے حصہ کو بوسہ دینا، پکڑنا جائز ہے، بغیر ضرورت کے ایک دوسرے کے ستر کو دیکھنا اچھا نہیں۔

" اذا ادخل الرجل ذكره فى فم امرأته قد قيل يكره " . (عالمگیری)

" اما النظر الى زوجته ومملوكته فهو حلال من قرنها الى قدمها عن شهوة وغير شهوة ، وهذا ظاهر الا ان الاولى ان لا ينظر كل واحد منهما الى عورة صاحبه ". (عالمگیری: ۳۲۷/۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۳۷) آٹھ مہینے کی حاملہ سے جماع:

سوال: آٹھ مہینے کا حمل ہوتو جماع کرنا جائز ہے؟

جواب: حیض اور نفاس کی حالت میں جماع کرنا جائز نہیں، اس کے علاوہ جب چاہے جماع

کرسکتا ہے، لہٰذا آٹھ مہینے کا حمل ہو تو جماع کرنے میں شرعاً کوئی گناہ نہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۳۸) ہاتھ سے منی کا نکالنا سخت گناہ کا کام ہے:

سوال: ایک شخص ہاتھ سے منی نکالتا ہے، تو کیا ایسے شخص کو نکاح کر لینا چاہیے؟

جواب: ہاتھ سے منی نکالنے والے پر حدیث میں لعنت کی گئی ہے، لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے، جس شخص میں شہوت کا غلبہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، اور نکاح کے بغیر بچ نہ سکتا ہو، تو نکاح کرنا واجب ہے، اسی طرح ہاتھ سے منی نکالنے کی عادت نہ چھوٹ سکتی ہو، تو نکاح کرنا واجب ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اس مرد کو نکاح کر لینا چاہیے، تاکہ خراب عادت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت سے بچ سکے۔

﴿**فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ**﴾. (سورۃ المعارج : ۳۱)

قيل : " دخل فيه الاستمناء ايضاً " . (روح البيان : ۱۶۵)

" الاستمناء باليد امر شنيع حرام مفسد للصوم لا يحل لاحد ان يفعل ان اراد الاستلذاذ نعم ان غلبة الشهوة واراد تسكينها فالمرجو ان لا يعاقب " .

(نفع المفتی والسائل : ۱۱۴)

" والتفصيل فيه ويكون واجباً عند التوقان والمراد شدة الاشتياق اى بحيث يخاف الوقوع فى الزنا لو لم يتزوج . وكذا فيما يظهر لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم او عن الاستمناء بالكف فيجب التزوج وان لم يخف الوقوع فى الزنا " . (در مختار مع الشامی: ۲/۳۵۸ ، باب النکاح) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۲/رمضان المبارک/ ۱۳۹۰ھ

(۱۶۳۹) اپنی بیوی سے جماع کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے:

سوال: میرے ایک دوست مولانا نے کہا کہ اپنی بیوی سے جماع کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے، تو کیا اپنی بیوی سے خواہش پوری کرنا بھی ثواب کا کام ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اپنی بیوی سے جماع کرنے میں ثواب ملتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ زنا کرنے سے گناہ ہوتا ہے، تو حلال طریقہ سے جماع کرنے سے ثواب کیوں نہیں ملے گا! لہٰذا شرمگاہ کی حفاظت کے لیے اپنی بیوی سے جماع کرنے میں ثواب ملے گا۔

" وفی بضع احدکم صدقة ، قالوا یا رسول الله ایأتی احدنا شهوته ویکون له فیها اجر؟ قال ارأیتهم لو وضعها فی حرام اکان علیه فیها وزر فکذلک اذا وضعها فی الحلال کان له اجر ".

(مشکوۃ المصابیح : ۱۶۸، الصحیح لمسلم: ۱/۳۲۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۴۰) عید کی راتوں میں جماع کرنا:

سوال: رمضان یا متبرک راتوں میں یا دن میں عورت کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے؟

جواب: عورت حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو، اور رمضان کا مہینہ اور اعتکاف نہ ہو، تو تنہائی میں رات کو یا دن میں جماع کرنا جائز ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۴۱) جماع کے وقت ستر چھپا ہوا رکھنا:

سوال: جماع کے وقت میاں بیوی اپنے کپڑے پہن رکھیں یا نکال دیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے:

ستر کھولنے سے بچو! اس لئے کہ انسان کے ساتھ فرشتے بھی رہتے ہیں، جو پیشاب پاخانے کی حالت کے علاوہ ان سے جدا نہیں ہوتے، اور جب مرد اپنی بیوی سے جماع کرے، اس وقت ان سے پردہ کر کے ان کی عزت رکھنا چاہیے، لہٰذا صحبت کے وقت ضرورت کے مطابق بدن کھولنا چاہیے۔

عن ابن عمر قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " اياكم والتعرى اى احذروا من كشف العورة (فان منكم) اى من الملائكة (من لا يفارقكم الا عند الغائط) " . قال الطيبى : " وهم الحفظة الكرام الكاتبون وحين يقضى اى يصل الرجل الى اهله فاستحيوهم واكرموهم اى بالتغطى وغيره مما يجب تعظيمهم وتكريمهم " . (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح :۳/۲ ۱ ۴)فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۴۲) شوہر کے بلانے پر عورت کا نہ آنا:

سوال: اگر کسی عورت کو اس کا شوہر جماع کے لیے بلائے اور عورت نہ آوے، تو اس کے متعلق کیا وعید ہے؟

جواب: اگر بغیر عذر کے عورت جماع سے انکار کرے، تو ایسی عورت کے لئے حدیث میں سخت وعید آئی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ "جب کوئی مرد اپنی بیوی کو جماع کے لیے بلاوے اور عورت بغیر عذر شرعی کے نہ آوے، اور شوہر غصہ کی حالت میں رات گذار دے، تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے ہیں"۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح:۳/۴۶۳) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۴۳) عورت کا بغیر اجازت کے گھر سے نکلنا:

سوال: عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل سکتی ہے؟

جواب: بغیر ضرورتِ شرعی کے عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلنا چاہیے، ہر کام

میں شوہر کی رضامندی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔حدیث شریف میں ہے:

عن جابر رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "ثلاثه لا يقبل لهم صلوة ولا تصعد لهم حسنة ...... والمرأة الساخط عليها زوجها......" .

جس عورت سے اس کا شوہر ناراض ہو،اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی،اور کوئی نیکی آسمان تک نہیں پہنچتی،جب تک کہ شوہر اس سے راضی نہ ہوجاوے۔ (مشكوة المصابيح : ۲۸۳)فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۲/۳/ ۱۹۷۳ء

(۱۶۴۴) غیر کے ساتھ چلی جانے والی عورت سے جماع:

سوال: ایک شخص کی بیوی بھاگ کر دوسرے مرد کے ساتھ چلی گئی،کورٹ نے فیصلہ دیا کہ یہ عورت جس مرد کے ساتھ رہنا چاہے رہ سکتی ہے،اگر اس کا شوہر اس کو دوبارہ لے آئے،تو کیا عقد کی تجدید کرنی پڑے گی؟

جواب: کورٹ کے فیصلہ کی بنا پر جدائی نہ ہوگی،شوہر طلاق دے گا تو جدائی ہوگی۔

صورت مسئولہ میں شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی ہو،تو عورت نکاح سے نہیں نکلے گی، پہلے کی طرح میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں،تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے،مگر عورت دوسرے مرد کے ساتھ بغیر نکاح کے رہ چکی ہے،تو شوہر ایک حیض گذرنے تک بیوی سے جماع نہ کرے۔

" والمزني بها لا تحرم على زوجها وفي شرح الوهبانية لا يقربها زوجها حتى تحيض لاحتمال علوقها عن الزنا ...... ".

(در مختار مع الشامي : ۲/ ۸۴۶ ، غاية الاوطار : ۲/ ۲۲۷) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۴۵) ضبط ولادت کے لئے کوئی چیز استعمال کرنا:

سوال: ایک شخص کی بیوی جسم کے اعتبار سے بہت کمزور ہے، فی الحال دو مہینے کا بچہ بھی ہے، تو اگر یہ شخص اپنی بیوی سے جماع کے وقت حمل نہ ٹھہرے، اس کے لئے کوئی چیز استعمال کرے، تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

جواب: قال علیه السلام :" تزوجوا الودود الولود ...... " . (ابو داود : ۲۸۰)

"یعنی تم بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں کے ساتھ نکاح کرو!"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ بچوں کی پیدائش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کا سبب ہے، اور نکاح کا مقصد نسب کو بڑھانا ہے، اور نکاح سے اصل مقصد یہی ہونا چاہیے، لہٰذا بغیر سخت مجبوری کے حمل نہ رہے، اس کے لئے کوئی چیز استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں، اور سخت ضرورت اور مجبوری کی بنا پر مثلاً عورت کمزور ہو اور حمل کی بنا پر دودھ بند ہو جانے سے بچے کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو، اور بچے کو دودھ پلانے والی مقرر کرنے کی باپ میں طاقت نہ ہو، تو حمل نہ رہے اس کے لیے کوئی چیز استعمال کرنا درست ہے، اگر کثرت اولاد کے خطرہ، یا عورت کے حسن کو باقی رکھنے کے لیے حمل نہ رہے، اس کے لیے کسی چیز کا استعمال کرنا درست نہیں۔

قال ابن وهبان : " ومن الاعذار ان ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لابى الصبى ما يستاجر به الظئر ويخاف هلاكه ...... ومما قدمه الشارح عن الخانية والكمال ان يجوز لها سد فم رحمها ".

(رد المحتار : ۳/۱۷۶ ، مکتبه سعید ، مطلب فی حکم اسقاط الحمل)

مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ضبط تولید کے لیے کسی دوائی کا استعمال کرنا، یا کوئی جائز تدبیر عمل میں لانا، اگر عورت کی کمزوری یا اس کی صحت کی خرابی کی بنا پر ہو تو مباح ہے۔

(کفایت المفتی : ۵/۲۸۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۰/ جمادی الثانی / ۱۴۲۰ھ

(۱۶۴۶) بیوی کو الگ کمرہ دینا:

سوال: میری بیوی گھر سے چلی گئی، اور میری والدہ پر تہمت لگاتی ہے کہ وہ مجھے تکلیف دیتی ہے، ہماری جماعت کے ممبران جبراً میرے والدین کی چاہت کے خلاف الگ رہنے پر مجبور کر رہے ہیں، تو یہ لوگ الگ رہنے پر جبر کر سکتے ہیں؟

جواب: شریعت کا حکم ہے کہ عورت شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا نہ چاہے، تو مکان میں سے ایک الگ کمرہ جس میں عورت اپنے سامان کے ساتھ رہ سکے اور قفل بھی لگا سکے، دینا ضروری ہے، اگر عورت نہ چاہے تو شوہر کو زبردستی والدین کے ساتھ رکھنا درست نہیں، لہٰذا والدین کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا درست نہیں۔

آپ اپنے والدین کے پاس آمد و رفت رکھیں، ان کی خدمت کرتے رہیں، اور ان کے ساتھ کام کاج کرتے رہیں، مگر اپنی بیوی کے ساتھ الگ رہیں، یہ مناسب ہے۔

(شامی: ۹۱۲، ہدایہ: ۲/۴۲۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۴۷) ضبطِ تولید کے باب میں حکم شرعی:

سوال: ضبطِ تولید کے باب میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: یہ بات قابل لحاظ ہے کہ فی زماننا ہذا ضبطِ تولید کو، نیز کثرت اولاد کو سبب فاقہ اور دنیا کی آبادی میں کثرت کے مسئلہ کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، یہ خود ساختہ مصیبت ہے، جس پر انہیں لوگوں کو یقین ہوتا ہے جو اللہ رب العزت کی شانِ رزاقیت کو بھول کر خارجی اسباب پر یقین رکھتے ہیں، جب کہ جن کے قلوب نورِ ایمانی سے معمور ہیں، اور اللہ کی شانِ ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں، انہیں اس قسم کے خیالات سے کلی طور پر گریز کرنا چاہیے، ورنہ عقیدۂ ایمان کے متأثر ہونے کا خطرہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح نہ کرنے اور عورتوں سے الگ رہنے کی اجازت چاہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیتے تو ہم صحابہ خصی ہوجاتے۔
(مشکوۃ المصابیح:۲۶۷)

عن سعد بن ابی وقاص قال : " رد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی عثمان بن مظعون التبتل ولو اذن له لاختصینا " . (متفق علیه)

لہٰذا مرد یا عورت کو آپریشن کروانا، یا نس بندی کروانا، یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا جس سے بچہ پیدا ہونے کی صلاحیت ختم ہوجائے ناجائز اور سخت ترین گناہ ہے، ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے کہ "تم ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو خوب بچے جننے والی ہو، اس لیے کہ میں اپنی امت کی کثرت پر روزِ قیامت فخر کروں گا۔" (ابوداؤد:۲۸۰)

اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ کثرتِ اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں اضافہ کا باعث ہے، اور قلت اولاد کی تدابیر اختیار کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے کے مترادف ہے، اللہ رب العزت نے نکاح کو ایک نعمت اور احسان بتلایا ہے۔ فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَراً فَجَعَلَهٗ نَسَباً وَصِهْراً وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْراً﴾.
(الفرقان : ۵۴)

"اللہ کی ذات وہ ہے جس نے انسان کو پانی یعنی منی کے نطفہ سے پیدا فرمایا، اور اسے نسبی نیز سسرالی رشتے سے نوازا، اور تیرا رب بڑا قدرت والا ہے۔"

فی زماننا "فیملی پلاننگ" (Family planning) کے لیے مختلف قسم کے خیالات پیش کیے جاتے ہیں، مثلاً غربت آجانا، مال ختم ہوجانا، فاقہ ہوجانا وغیرہ، جو سراپا باطل ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَاءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾. (سورہ نوح : ۳۲)

''اس لیے کہ اللہ رب العزت نے تو نکاح کو سببِ غنا قرار دیا ہے۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ ''روح المعانی'' میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ، یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت نے نکاح کرنے والوں سے غنیٰ کا وعدہ فرمایا، اور غربت وغیرہ کے خطرات کی تردید فرمائی ہے، بہت سے ایسے قصے ہیں جن میں بے نکاح غریب اور محتاج نظر آتے ہیں، اس لیے کہ غربت اور مالداری اللہ کے اختیار میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زندگی کے بارے میں شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا حکم فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی:۵۸/۶)

حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تین لوگوں کی نصرت واعانت کرنا اللہ کے ذمہ واجب ہے، جن میں سے ایک وہ ہے جس نے پاکدامنی کی نیت سے نکاح کیا ہو۔'' (ترمذی)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں نکاح کرنے کا حکم دیا ہے، تم نکاح کر کے اللہ کی فرمانبرداری کرو گے، تو اللہ پاک وعدۂ غنیٰ پورا فرمائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نکاح کرو! مالدار بنو! دونوں صحابہ نے اپنی بات پر مذکورہ آیت کو دلیل بنایا۔ (ایضاً)

حضرت عمر تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو نکاح کیے بغیر مالدار بننا چاہتے ہیں۔ (حاشیۂ جلالین)

اسلامی ممالک کے معتبر علما نے بھی ضبطِ تولید کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اگر کسی نے قرآن، حدیث اور اجماع امت کے خلاف اس سلسلہ میں اپنی رائے قائم کر کے خودساختہ بنیادوں پر کوئی فتوی دیا، تو وہ ناقابل قبول اور ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے، امام اعظم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی بات اگر قرآن کے خلاف ہو تو کیا کیا جائے؟ فرمایا اسے چھوڑ دو! حدیث کے

خلاف ہوتو بھی چھوڑ دو! اور صحابہ کرام کے فرمان کے خلاف ہوتو بھی چھوڑ دو!

مفتیٔ ہند مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ اگر عورت کی کمزوری یا جسمانی ضعف کے سبب ضبطِ تولید کروانا پڑے تب جائز ہے، لیکن اولاد کے سبب اور نسوانی حسن کی حفاظت کی خاطر یہ حرکت کی جائے، تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مفتیٔ دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا یا کروانا جس سے بچہ پیدا ہونے کی صلاحیت کلی طور پر ختم ہو جائے، از روئے شرع ناجائز اور سخت گناہ ہے، مرضیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلاَ تَقْتُلُوْٓا اَوْلاَدَكُمْ مِنْ اِمْلاَقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾ . (الانعام : ۱۵۱)

''ناداری اور فاقہ کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کر دیا کرو! پیدا ہونے والی اولاد کو اور تم کو دونوں کو رزق ہم دیتے ہیں۔'' فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۴۸) حمل نہ رہنے کے لئے کوئی تدبیر استعمال کرنا یا آپریشن کرانا:

سوال: حمل نہ رہے اس کے لیے کسی دوا کا استعمال کرنا درست ہے؟ کیا اسقاط حمل شرعاً جائز ہے؟ اور بالکل بچہ پیدا نہ ہو اس مقصد کے خاطر مرد یا عورت آپریشن کرالے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے:

قال عليه السلام : " تزوجوا الودود الولود فاني مكاثر بكم الامم يوم القيامة ". (ابو داود: ۲۸۰)

زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت کے ساتھ نکاح کرو! قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کے ذریعہ دوسری امتوں پر فخر کروں گا، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح کا مقصد زیادہ اولاد پیدا کرنا اور مسلمانوں کی تعداد بڑھانا ہے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کا سبب ہے، لہٰذا بغیر ضرورت کے حمل نہ رہے، ایسی کوئی تدبیر کرنا کراہت سے خالی نہیں، البتہ

کوئی عذر ہو کہ عورت کمزور ہو، یا بچے پیدا ہونے اور حمل رہنے سے عورت کی جان کا خطرہ ہو، یا صحت پر بہت زیادہ اثر اور نقصان پہنچتا ہو، یا دودھ پینے والے بچے کو نقصان پہنچنے کا پورا خطرہ ہو، ایسی صورت میں وقتی طور پر بچہ پیدا نہ ہو، ایسی کوئی صورت اختیار کی جاوے تو یہ جائز ہے، مگر بغیر ضرورت یہ طریقہ اختیار کرنا اور بچہ پیدا ہونے سے محروم کر لینا اسلام کے بالکل خلاف ہے، البتہ اگر عورت کی صحت خراب ہونے کی بنا پر حمل کی طاقت نہ رہے، جان کا خطرہ ہو اور پہلے کا تجربہ ہو اور مسلمان، تجربہ کار، پابند شرع، کا مشورہ ہو تو آپریشن کرالینا درست ہے۔ (مظاہر حق وغیرہ)

حمل ٹھہرنے کے بعد بچے کے بال ناخن وغیرہ ظاہر ہونے سے پہلے، اور حمل میں جان پڑنے سے پہلے جس کی مدت ایک سو بیس دن (چار مہینے) ہے، اسقاط حمل مباح ہے۔

" هل يباح الاسقاط بعد الحمل نعم يباح ما لم يتخلق منه شيء ولن يكن ذلک الا بعد مائة وعشرين يوما ". (رد المحتار: ۳/ ۱۷۹، مکتبه سعید، مطلب فی حکم اسقاط الحمل، فتاوی عالمگیری: ۵/ ۳۵۶) فقط

والله اعلم بالصواب

۱۲/۲۲/ ۱۹۹۲ء

(۱۶۴۹) دو بیویوں کے درمیان انصاف نہ کرنا:

سوال: میرے داماد نے غیر مسلم لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیا، میری لڑکی سے دو بچے ہیں، اب یہ میرا داماد میری لڑکی کے ساتھ برابر سلوک نہیں کرتا، تکلیف پہنچاتا ہے، دونوں بیویوں کے الگ رہنے کا انتظام بھی نہیں، بغیر پردہ کے دونوں بیویوں کو ایک کمرہ میں رکھتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: شریعت میں مرد کو ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت ہے، مگر یہ شرط ہے کہ ہر عورت کے ساتھ عدل کرنا ہر چیز میں ضروری ہے، (مکان، کپڑے، کھانا پینا، سلوک کرنا وغیرہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور دونوں میں انصاف نہ کرے، تو قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے بدن کے ایک طرف کا حصہ نیچے جھکا ہوا ہوگا،

بایں وجہ کہ دنیا میں ایک عورت کی طرف جھک گیا تھا، قیامت کے دن اس کی پہچان کے لیے ایک طرف کا حصہ جھکا ہوا ہوگا۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : " اذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیامۃ وشقہ ساقط ". (مشکوٰۃ المصابیح : ۲۷۹)

اگر دونوں عورتوں میں انصاف نہ کرسکتا ہو تو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، قرآن حکیم میں ہے:

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ﴾. " ای ...... **وذروا الجمع بالکلیۃ**".

(روح البیان : ۱۶۳/۴)

سوال میں جو حقیقت لکھی ہے وہ بہت زیادہ افسوس ناک اور بے حیائی کا کام ہے، دونوں کو الگ الگ رہنے کا انتظام کرنا چاہیے، مذکورہ حرکت حدِ انسانیت سے بہت نیچے گری ہوئی ہے، اللہ کا عذاب لانے والی ہے، ناحق دوسرا نکاح کرنا، پہلی بیوی کا حق ادا نہ کرنا اور ظلم کرنا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا رد نہیں کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہ وبین اللہ حجاب ".

(بخاری شریف : ۲۰۳/۱)

یعنی مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو! اس لیے کہ اس کے اللہ تک پہنچنے کے لیے کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ دوسری ایک روایت میں ہے:

" دعوۃ المظلوم مستجابۃ وان کان فاجرا ". (حاشیہ بخاری : ۲۰۳/۱)

ایک حدیث میں ہے:

مظلوم کی بددعا سے اپنے آپ کو بچاؤ! اس لیے کہ وہ اپنا حق طلب کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی حقدار کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتا، یعنی کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کی فریاد کو سنتا ہے، اور ظالم کو دنیا میں سزا دیتا ہے۔

لہٰذا شخصِ مذکور کو دونوں عورتوں کے الگ الگ کمرے میں رکھنے کا انتظام کرنا، دونوں کے ساتھ عدل کرنا اور سلوک کرنا اور محبت سے رہنا ضروری ہے، ورنہ اس دنیا میں ہی اس کی سزا ملے گی۔

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۵۰) بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا:

سوال: محترم جناب مفتی صاحب! میرے نکاح کو تقریباً آٹھ مہینے ہوئے، نکاح کے بیس دن کے بعد میری بیوی کا مزاج مجھ سے میل نہیں کھاتا، نادان ہے، کسی سے زیادہ بات نہیں کرتی، میں اسے اس کے میکہ چھوڑ کر آیا، پانچ مہینے ہو گئے میں لینے کے لیے نہیں گیا، تو گھر والوں نے پوچھا کہ کیوں لینے نہیں جاتا؟ میں نے سب باتیں بتلائی اور کہا کہ میں لانا نہیں چاہتا، تو گھر والوں نے کہا کہ کسی کی لڑکی کے ساتھ ایسا سلوک کرنا اچھی بات نہیں ہے، میں اسے لے کر آیا تو بھی مزاج نہیں بدلا، گھر والے کہتے ہیں کہ لڑکی سید خاندان کی ہے اس کو رکھنا ہی پڑے گا، ورنہ اللہ ناراض ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے مجھے مال اور دولت سے نوازا ہے، میرے والد صاحب کہتے ہیں کہ تو اس لڑکی کے ساتھ نباہ کر لے اور والد صاحب اس معاملہ میں مجھ سے ناراض رہتے ہیں، تو آپ رہنمائی فرمائیں!

جواب: شریعت نے میاں بیوی میں سے ہر ایک پر ایک دوسرے کے حقوق رکھے ہیں، ان حقوق کو ادا کرنا ضروری ہے، ورنہ آخرت میں مواخذہ ہوگا، بل کہ عورت پر ظلم کرنے سے دنیا میں بھی سزا ملتی ہے، قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ . (سورۃ النساء : ۱۹)

عورتوں سے اچھے سلوک کے ساتھ رہو! وہ تم سے نکاح کے ذریعے ایک مظبوط قرار لے چکی ہیں، قریب رہنے والوں کے ساتھ احسان کرو! اس سے مراد بیوی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عن عائشة قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " ان من اكمل المؤمنين ايمانا احسنهم خلقا والطفهم باهله ". (مشکوٰۃ:۲۸۲)

''تم میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے، جو اچھے اخلاق والا اور اپنی عورتوں پر نرمی کرنے والا ہو''۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''جو شخص اپنی بری خصلتوں کے ذریعے اپنے اہل کو تکلیف پہنچائے،تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور نیک عمل ہرگز قبول نہیں کریں گے۔''

آپ نے اپنی بیوی کی جو حالت لکھی ہے،اس سے عورت قصوروار نہیں،اس لیے کہ نکاح کو صرف آٹھ مہینے ہوئے ہیں،اس میں سے پانچ مہینے تو اپنے باپ کے گھر رہی ہے، دونوں کو ایک دوسرے کے مزاج پہچاننے کا موقع نہیں ملا ہے،آپ نے لکھا ہے کسی کے ساتھ زیادہ بات نہیں کرتی، یہ بری عادت نہیں ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ان الله كره لكم ثلاثا : قيل وقال ، واضاعة المال ، وكثرة السوال ".

(بخاری: ۱/ ۲۰۰)

کہ اللہ تعالیٰ نے فضول باتوں سے منع کیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" من صمت نجا ". (مشکوۃ المصابیح : ۴۱۳) **" ای فاز وظفر بكل خير او نجا من اٰفات الدارين ".** (مرقاۃ المفاتیح)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنه ". (مشکوۃ المصابیح :۴۱۳)

یعنی انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں ترک کردے۔

تو زیادہ بات نہ کرنا اور خاموش رہنا،کامل اسلام کی علامت بتائی گئی ہے،تو آپ زیادہ باتیں کرنے پر مجبور کر کے گناہوں میں مبتلا کیوں کرنا چاہتے ہیں!!

آپ نے لکھا ہے'' مزاج میں نادان ہے'' تو جاننا چاہیے کہ شرعاً عورت دین اور عقل

دونوں میں مرد سے کم ہے، آپ کے والدین طلاق سے ناراض ہیں، اور آپ سے بھی ناراض ہیں، اور لڑکی سید خاندان کی ہے، تو آپ کا بیوی کے ساتھ ترک کلام اور علیٰحدگی سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور والدین کی نافرمانی شمار ہوگی، لہٰذا مال اور نعمت کی ناشکری ہو رہی ہے۔

دنیا کی بہترین عورت : ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بحث ہوئی کہ دنیا میں سب سے بہتر عورت کون ہے؟ ہر ایک نے عورت کی خوبیاں گنوائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام کے لیے گھر میں گئے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ صحابہ میں بحث ہو رہی ہے کہ دنیا میں سب سے بہتر عورت کون ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں بتلاؤں؟ دنیا کی سب سے بہتر عورت وہ ہے جو نہ تو خود اجنبی مرد کو دیکھے اور نہ اجنبی مرد اس عورت کو دیکھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بیان کی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " **فاطمة بضعة منی** ". فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہونے کی بنا پر ان کی عقل کامل ہے۔ (اصلاحی بیانات: ۱۷۱، از مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی)

لہٰذا آپ کا سلوک اور آپ کے خیالات پر خود غور کرنا چاہیے کہ کیا آپ کا رویہ صحیح ہے؟ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۸/۶/ ۲۰۰۰ء

(۱۶۵۱) شوہر کا اپنی بیوی کو سیر و تفریح کے لیے مجبور کرنا:

سوال: ایک شخص کے دو بچے ہیں، ایک دیڑھ سال کا اور ایک چار ماہ کی لڑکی، وہ شخص اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے کر سیر و تفریح کے لیے جانا چاہتا ہے، اور والدین بھی راضی ہیں، بیوی کا کہنا ہے کہ چھوٹی بچی کو ساتھ لے کر جائیں، کیوں کہ دودھ کون پلائے گا؟ والدین کا کہنا ہے کہ ہم پاؤڈر کا دودھ پلانے کی ذمہ داری لیتے ہیں، تو کیا یہ شخص اپنی بیوی کو مجبور کر سکتا ہے؟

جواب: بچوں کی پرورش کا حق صرف ماں کو ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انت احق به"

تو ہی اپنے بچے کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے۔(ابوداؤد:۳۱۰، باب من احق بالولد)

لہٰذا عورت کا کہنا صحیح ہے، چار ماہ کے بچے کو چھوڑ کر جانا مناسب نہیں، انسان کے جزء سے فائدہ حاصل کرنا حرام ہے، لیکن کوئی تو وجہ ہے کہ شریعت میں شیر خوارگی کی مدت میں بچے کے لیے اپنی ماں کا دودھ پینا جائز قرار دیا، جو غذائیت ماں کے دودھ میں ہوگی وہ پاؤڈر میں نہیں ملے گی، اور پھر سفر میں سیر وتفریح کے لیے جانا، جب کہ عورت کی زینت گھر میں ہے نہ کہ گھومنے میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ان المرأة تقبل فی صورة الشیطان وتدبر فی صورة الشیطان ".

(مشکوة المصابیح :۲٦۸)

عورت باہر نکلے گی تو لوگوں کے دیکھنے اور بدنظری کا سبب بنے گی، لہٰذا عورت کو سفر کے لیے مجبور نہ کیا جائے۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۸/۱/ ۱۹۸۵ء

(۱٦۵۲) شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کو نام لے کر پکارنا:

سوال: کیا شوہر اور بیوی ایک دوسرے کو نام لے کر پکار سکتے ہیں؟

جواب: مرد کو اپنی بیوی کو نام لے کر نہیں پکارنا چاہیے، عورت چھپانے کی چیز ہے، نام لے کر پکارنا خلاف ستر ہے، قرآن حکیم میں صرف مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے، ایک جگہ کے علاوہ عورت کا نام نہیں لیا گیا، بل کہ مردوں کے تابع ان کے لیے احکام بیان کیے گئے ہیں، شریف لوگ کسی کے سامنے اپنی بیوی کا نام نہیں لیتے، اور نام ظاہر کر کے بے حرمتی نہیں کرتے، بل کہ (میری گھر والی یا میری بیوی) کہتے ہیں۔

" ان الاشراف لا یذکرون حرائرھم فی ملأ ولا یبتذلون اسمائھن بل

یکنون عن الزوجة والعیال والاھل ".

(تفسیرروح البیان :۵/ ۳۲۱، تحت " وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ" .سورۂ مریم:۱۶)

عورت کوبھی شوہر کا نام لے کرنہیں پکارنا چاہیے،اس میں بے ادبی اور گستاخی ہے،جس طرح والدین کا نام لے کر پکارنے میں ان کی بے ادبی ہوتی ہے، جوکہ مکروہ ہے، بل کہ میرے سردار جیسے الفاظ کہے، یا اولاد کی طرف نسبت کر کے مخاطب کرے،مثلاً: (فاطمہ کی اماں یا فاطمہ کے ابّا وغیرہ)۔

" یکرہ ان یدعو الرجل أباہ والمرأة زوجھا باسمه . بل لا بد من لفظ یفید التعظیم کـ یاسیدی ونحوہ ". (شامی:۵/ ۳۶۹) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۵۳) بیوی کے منع کے باوجودسعودیہ عربیہ ملازمت کے لیے جانا:

سوال: ایک شخص سعودیہ عربیہ ملازمت کے لیے گیا، بیوی منع کرتی ہے، اور والدین سعودیہ عربیہ جانے کے لیے زبردستی کرتے ہیں،عورت کوویزانہ ملنے کی بناپرسعودیہ لانہیں سکتا ہے،عورت والدین سے الگ رہنا چاہتی ہے،تواب کیا یہ والدین کا کہنا مانے یا بیوی کا؟

جواب: عورت اپنے شوہر کوسعودیہ جانے سے منع کرتی ہے،اور والدین جانے پر زبردستی کرتے ہیں،اورشریعت کا حکم ہے کہ جس طرح مرد کوعورت کی ضرورت ہوتی ہے،اسی طرح عورت کوبھی مرد کی ضرورت ہوتی ہے،بل کہ مرد کی بنسبت عورت میں ۹۹/ فیصد شہوت زیادہ ہوتی ہے۔

" شھوة امرأة اضعاف شھوة الرجل اذ جاء ان لھا تسعا وتسعین جزأ منھا وللرجل جزء واحد ". (مرقـاۃ المفاتیح : ۱/ ۳۰۲، تحت عشر من الفطرة قص الشارب ، باب السواک ، الفصل الاول)

اسی بناپرعورت کی اجازت کے بغیر مرد کو چار مہینے سے زیادہ سفر میں رہنا درست نہیں۔

(شامی:۲/ ۵۴۷، ۵۴۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ عورت مرد کے بغیر کتنی مدت صبر کرسکتی ہے؟ جواب دیا کہ چار مہینے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کو چار مہینے کے بعد گھر جانے کی اجازت دی، لہٰذا عورت منع کرے تو چار مہینے سے زیادہ بیرون ملک میں رہنا جائز نہیں، والدین کے ادب کا خیال رکھتے ہوئے عورت کے حقوق کے متعلق مسئلہ سے واقف کرانا چاہیے، عورت اگر انکار کرے تو الگ کمرے میں رہنے کا انتظام کرنا شوہر پر ضروری ہے۔ (ہدایہ:۴۲۱)

" صرح اصحابنا بان جماعها احيانا واجب ديانة لا تدخل تحت القضاء والالزام الا الوطأة الاولى ولم يقدروا فيه مدة ويجب ان لا يبلغ به مدة الايلاء الا برضاها وطيب نفسها به ...... ". (شامی: ۲/۵۴۷، باب القسم)

" ان عمر رضی الله عنه سأل بنته حفصة كم تصبر المرأة عن الرجل؟ فقالت: اربعة اشهر، فامر امراء الاجناد ان لا يتخلف المتزوج عن اهله اكثر منها ". (شامی: ۲/۵۴۷، باب القسم) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۳/۲۴/ ۱۹۸۷ء

(۱۶۵۴) لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجنا:

سوال: میرے نکاح کے بعد ہم میاں بیوی کا تعلق اچھا رہا، معمولی جھگڑے کی بنا پر بیوی اپنے والدین کے گھر چلی گئی، والدین ڈیڑھ سال سے اپنی لڑکی کو بھیجتے نہیں اور بھیجنے پر راضی بھی نہیں، اور ساتھ ہی کورٹ میں نفقہ کا دعویٰ کیا، اور میں اسے بیوی بنائے رکھنے پر راضی ہوں، اس کے باوجود جبراً طلاق مانگتے ہیں، تو کیا شرعاً اس طرح کرنا درست ہے؟: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ليس منا من

خبب امرأة على زوجها " .

(ابوداود : ۲۹٦ ، کتاب الطلاق ، باب فی من خبب امرأة علی زوجها)

جوشخص دوسرے کی بیوی کوشوہر کے خلاف کردے، وہ ہم میں سے نہیں۔دوسری حدیث میں عورت کواپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

''لہٰذا شرعی عذر کے بغیر عورت کوشوہر کے گھر نہ بھیجنا اور طلاق کا مطالبہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف کرنا اور سخت گناہ کا کام ہے۔

شریعت کا حکم ہے کہ شرعی عذر کے بغیر عورت نافرمان ہوکر شوہر کے گھر سے چلی جائے تو نفقہ کا حق نہیں رکھتی۔

" وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله ". (هدايه: ۲/۴۱۸) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱٦۵۵) عورت اپنے والدین کی ملاقات کے لیے جاسکتی ہے:

سوال: نکاح کے بعد عورت پر والدین کا حق ہے یا شوہر کا؟ والدین اپنی لڑکی کوشوہر کی اجازت کے بغیر بار بار بلا سکتے ہیں؟ اور جتنا چاہے رکھ سکتے ہیں؟ نکاح کے بعد عورت کا والدین کے گھر جانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح کے بعد عورت پر حقوق اللہ کے بعد سب سے زیادہ حق شوہر کا ہے، لہٰذا (جائز کاموں میں) اپنے شوہر کی اطاعت کرنی چاہیے، نکاح کے بعد عورت کے لیے اپنے والدین کی ملاقات کے لیے شریعت کا یہ حکم ہے کہ والدین اپنی لڑکی کی ملاقات کے لیے جاویں، اگر والدین نہ جاسکتے ہوں، تو کبھی کبھی ماں باپ کی ملاقات کے لیے شوہر کو اجازت دینی چاہیے۔

" (ولها) لزيارة ابويها كل جمعة مرة . تقييده بما اذا لم يقدرا على اتيانها وفى الفتح انه الحق . قال : وان لم يكونا كذلك ينبغى ان يأذن فى زيارتهما فى

الحين بعد الحين على قدر متعارف". (شامی : ۲/۴۹۴) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۶/۵/ ۱۹۸۴ء

(۱۶۵۶) مجبوراً ضبطِ تولید کا آپریشن کروانا:

سوال: ایک عورت کو حمل کی حالت میں سخت تکلیف رہتی ہے، کمزوری زیادہ ہے، مرنے جیسی حالت ہوجاتی ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ضبطِ تولید کا آپریشن کرلینا چاہیے، عورت بچے کو دودھ پلانے پر بھی قادر نہیں رہتی، تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"**تزوجوا الودود الولود فاني مكاثر بكم الامم يوم القيامة**". (ابوداود)

یعنی ایسی عورت سے نکاح کرو جو بہت زیادہ محبت کرنے والی ہو اور بہت زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو، اس لیے کہ قیامت کے دن تمام امتوں پر میری امت کی کثرت کا میں فخر کروں گا۔

نکاح کا اصل مقصد زیادہ بچے پیدا ہونا، مسلمانوں کی کثرت کا ہونا، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا، ایک سچے مسلمان کے مدنظر ہونا چاہیے، صرف عیش پرستی یا غریبی اور محتاجی اور مفلسی کے خوف سے ضبطِ تولید کا آپریشن کرنا جائز نہیں، فرمان الٰہی اور تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ **لاَ تَقْتُلُوْا اَوْلاَدَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلاَقٍ** ﴾. (سورہ بنی اسرائیل : ۳۰)

یعنی اپنی اولاد کو محتاجگی کے ڈر سے قتل نہ کرو! ہم ان کو بھی اور تم کو بھی رزق دیتے ہیں۔

بغیر آپریشن کے بھی کچھ وقت کے لیے حمل نہ رہے، اس لیے مانع حمل تدبیر ہوسکتی ہے، لہٰذا ضرورت کے مطابق ایسی تدبیر کی جاوے کہ کچھ وقت کے لئے حمل نہ رہے، آپریشن کر کے رحم کو نکال دینا اور ہمیشہ کے لیے ضبطِ تولید کرلینا اور اولاد کی نعمت سے محروم ہوجانا، سخت مجبوری اور عورت کی

جان کا خطرہ ہو، یا حمل کے درمیان یا بچہ پیدا ہونے کے بعد سخت کمزوری آتی ہو، یا آپریشن کے لیے مسلمان، دیندار، ہوشیار، تجربہ کار، حکیم یا ڈاکٹر مشورہ دے، تو ایسی صورت میں آپریشن کرا دینا درست ہے۔ " **ومن أعذار......** ". (شامی : ۵۲۲/۲)

حتی الامکان اس سے بچنا چاہیے، ہوسکتا ہے آئندہ کوئی راہ نکل آوے۔

﴿ **لاَ تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْراً** ﴾ . (سورة الطلاق : ۱)

یعنی تجھے خبر نہیں! شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا کردے۔

عورت اپنی فطرت کے اعتبار سے کمزور ہے، اور حمل کی حالت میں دن بدن کمزوری بڑھتی جاتی ہے۔ ﴿ **حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْناً عَلٰی وَهْنٍ** ﴾ " **ای ضعفاً کائناً علی ضعفٍ فإنه کلما عظم ما فیه بطنها زادها ضعفاً علی ان تضع** " . (لقمان : ۱۴، روح البیان : ۷۸/۷)

سوال میں تحریر کردہ صورت کے بموجب ولادت کے بعد عورت کو دودھ نہیں اترتا، جس سے بچے کو ماں دودھ نہیں پلاسکتی، اگر باہر کے دودھ کا انتظام ہوسکتا ہے تو انتظام کیا جاوے، اگر بچے کو موافق نہ آوے یا شوہر غربت کی وجہ سے انتظام نہ کرسکتا ہو تو آپریشن کرانے کی گنجائش ہے۔

قال ابن وهبان : " ومن الاعذار ان ینقطع لبنها بعد الحمل ولیس لابی الصبی ما یستأجر به الظئر ویخاف هلاکه (تنبیه) اخذ فی النهر من هذا ومما قدمه الشارح عن الخانیة والکمال انه یجوز لها سد فم رحمها کما تفعله النساء مخالفا لما بحثه فی البحر من انه ینبغی ان یکون حراما بغیر اذن الزوج قیاسا علی عزله بغیر اذنها قلت : لکن فی البزازیة ان له منع امرأة عن العزل نعم ان نذ ر الی فساد الزمان یفید الجواز من الجانبین کما فی البحر منبی علی ما هو اصل المذهب وما فی النهرعلی ما قاله المشائخ والله الموفق " .

(شامی : ۱۷۶/۳، مکتبه سعید، مطلب فی حکم اسقاط الحمل) فقط

واللہ اعلم بالصواب

ولیمہ کا بیان

(۱۶۵۷) ولیمہ کا حکم:

سوال: نکاح کے بعد لوگ ولیمہ کرتے ہیں، ولیمہ کب کرنا چاہیے؟ کس طرح کرنا چاہیے؟ نکاح سے قبل لڑکے اور لڑکی کا ملنا کیسا ہے؟

جواب: نکاح کر کے مناسب بیوی کا ملنا اللہ کی ایک نعمت ہے، لڑکا اور لڑکی اپنی زندگی اچھی طرح گذاریں، دو خاندانوں میں محبت پیدا ہوئی، اس پر اللہ شکر ادا کرنا چاہیے، جس کی عملی صورت ولیمہ ہے، ولیمہ کرنے سے مقصد اظہار خوشی کے ساتھ لوگوں کو نکاح کی اطلاع کرنا ہے، اور نکاح سے خود مطمئن ہے، یہ بھی مقصود ہوتا ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عارف کبیر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ولیمہ کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ ولیمہ سے میاں بیوی میں محبت پیدا ہوتی ہے، اور لوگوں کو دونوں کے نکاح کی اطلاع ہوتی ہے، جس سے لوگوں میں شبہ نہیں رہے گا، اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا ہوتا ہے، نکاح کی نعمت جو پہلے حاصل نہ تھی نکاح کرنے سے اللہ کی ایک اور نعمت حاصل ہوئی، ولیمہ کے ذریعے سے اس نعمتِ نکاح کی خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان اور عمل کے ذریعے ولیمہ کی اہمیت ظاہر فرمائی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا: " **اولم و لو بشاة** " ولیمہ کرو، چاہیے ایک بکری ذبح کرنا پڑے! جس سے یہ ثابت ہوا کہ شریعت میں ولیمہ کرنا سنت ہے، واجب نہیں۔

" **وفی الاختیار ولیمة العرس سنة قدیمة** " . (شامی: ۳/۵، ۴)

یعنی ولیمہ سنت ہے جو پہلے سے چلا آیا ہے۔

البتہ اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کیا جاوے، شریعت میں کم زیادہ کی کوئی حد متعین نہیں،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر گوشت روٹی کی دعوت سے ولیمہ کیا، ایک موقع پر ۲ر مُد یعنی چار سیر جَو، اور بعض موقع پر صرف کھجور اور ستو کا ولیمہ کیا۔

" لا خلاف ان لا حدَّ لقليلة و لا لكثيرها . فعل سيدنا رسول اللهصلى الله عليه وسلم في هذه الولائم المختلفة ". (عینی: ۲۰/۴۴، فتح الملهم: ۳/۴۸۶)

عن انس رضى الله عنه قال : " ما اولم رسول الله صلى الله عليه وسلم عن احد من نسائه ما اولمَ على زينب اولمَ بشاة ". (مشكوة المصابيح : ۲۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا، جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت کیا کہ ایک بکری ذبح کی۔

عن صفية بنت شيبة قالت : " اولم النبى صلى الله عليه وسلم على بعض نسائه بمدين من شعير ". (مشكوة المصابيح : ۲۷۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ۲ر مد جَو سے کیا تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا کے ساتھ خیبر کے موقع پر نکاح کیا، تو صحابہ کو جو کچھ بھی ہو وہ لانے کا حکم فرمایا، دسترخوان پر کھجور، پنیر، اور مکھن جمع ہوا، تو سب کو ملا کر حلوہ تیار کیا گیا، اور سب نے جمع ہوکر ایک ساتھ کھالیا، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی انتظام نہیں تھا۔ (بخاری شریف: ۲/۷۷۷)

ولیمہ کرنا سنت ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر اور نعمت نکاح کا اظہار کرنا یہ اس کا مقصد ہے، مگر سنت اور شکر ادا کرنے کے موقع پر بہت سے گناہوں کے کام ہوتے ہیں، مثلاً ویڈیو بنائی جاتی ہے، تصویریں لی جاتی ہیں، عورتوں اور مردوں کی بھیڑ ہوتی ہے، ولیمہ کی دعوت قبول کرنا سنت ہے، لیکن جہاں گناہ کے کام اور خلاف شرع کام نہ ہوتے ہوں، ورنہ قبول کرنا اور شریک ہونا درست نہیں۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانے میں نہ جانے میں ہی سلامتی ہے، البتہ کامل اعتماد ہو کہ بدعت اور گناہ کے کام نہ ہوں گے تو جانا چاہیے، بل کہ شرعی عذر نہ ہو تو قبول نہ کرنے میں گناہ

ہوگا، اس لیے کہ قبول کرنے میں بہت فضیلت اور ثواب ہے۔

(بخاری شریف: ۳۵۸/۱، شامی: ۳۰۴/۵، لامع الدراری: ۴۱۹۱/۲)

ولیمہ کب کرنا چاہیے؟ اس کے متعلق ائمہ میں اختلاف ہے، مگر صحیح قول یہ ہے کہ نکاح کے بعد میاں بیوی کی ملاقات کے بعد کیا جاوے۔

" الاصح عند مالک و غیرہ انہ یستحب فعلها بعد الدخول ".

(نووی: ۴۵۸/۱، عینی: ۱۴۴/۱۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ولیمہ کیا ہے، حضرت صفیہ بنت حُیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ خیبر سے واپسی میں نکاح ہوا، اور سفر کی حالت ہی میں ولیمہ ہوا۔

نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی کا سیر وتفریح میں جانا بالکل جائز نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے:

" ایاکم والدخول علی النساء ". (الصحیح للبخاری : ۷۸۷/۲)

عورتوں کے ساتھ تنہائی میں ملنے سے اپنے آپ کو بچاؤ!

البتہ نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، وہ بھی صرف اس کا منہ، اور ہاتھ کی ہتھیلی۔

" ثم انہ یباح لہ النظر الی وجهها و کفیها ".

(شرح نووی علی مسلم : ۴۵۶/۱) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۵۸) ولیمہ کب کرنا چاہیے؟ کتنے دن تک ہوسکتا ہے؟

سوال: ولیمہ کس کو کہتے ہیں؟ کب کرنا چاہیے؟

جواب: نکاح کا کھانا جو دولہے کی طرف سے بطور خوشی کے کھلایا جاتا ہے، اس کو ولیمہ کہتے ہیں اور یہ

سنت ہے۔

جمہور ائمہ کا مذہب ہے کہ دولہے اور دولہن کی ملاقات کے بعد ولیمہ کرنا چاہیے، اور یہی صحیح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا اور ان کے ساتھ ملاقات کے بعد ولیمہ کا کھانا کھلایا، حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا اور سفر میں ملاقات کے بعد ولیمہ کیا، لہٰذا دونوں کی ملاقات کے بعد ہی کھانا کھلانا بہتر ہے، اور بھی مذاہب ہیں، کہ نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد، ملاقات سے پہلے یا بعد ولیمہ کرنا چاہئے۔

" اولم رسول الله صلى الله عليه وسلم حين بنى بزينب ".

(مشكوٰة المصا بيح : ۲۷۸)

ولیمہ کی مدت دو دن ہے۔

" ولا باس بان يدعو يومئذ من الغد و بعد الغد ثم ينفطع العرس والوليمة ".

(عالمگیری: ۲۲۹/۲، شرح نووی: ۴۵۸/۱)

" الوليمة ...... المتخذ للعرس مشتقة من اِلتئام وهو الجمع لان الزوجين يجتمعان ". قاله الازهرى وغيره . (شرح نووى : ۴۵۸/۱)

" ...... اعتقها و تزوجها ، فاصبح النبى صلى الله عليه وسلم عروسا فقال من كان عنده شيء فليجئ به ، وبسط نطعا قال فجعل الرجل يجيء بالاقط وجعل الرجل يجئ بالتمر وجعل الرجل يجيء بالثمن فحاسوا حيساً فكانت وليمة رسول الله صلى الله عليه وسلم ". (مسلم شريف: ۴۵۹/۱)

" فدخل عليها بغير اذن اى على زينب لان الله تعالى زوجه اياها بهذه الاٰية ﴿ زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَائِهِمْ ﴾ ولقد رايتها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اطعمنا الخبز و اللحم حين امتد النهار".

(مسلم: ۴۶۱/۱)

’’حتی بلغنا سُدَّ الروحاء حلت (من الحیض) فبنیٰ بھا ثم صنع حیسا فی نطع صغیر ثم قال رسول اللہ اذن (انس بن مالک) من حولک فکانت تلک ولیمة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صفیة‘‘.

(الصحیح للبخاری : ۱/۲۹۸، باب ھل یسافر بالجاریة قبل ان یستبرأھا) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۵۹) ولیمہ میں سادہ کھانا:

سوال: ولیمہ کس کو کہتے ہیں اور کب کرنا چاہیے؟ لوگ چاہتے ہیں کہ ولیمہ سادہ کیا جاوے، کم خرچ کیا جاوے، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح صرف دو شخص کا مل جانا اور اپنی ضرورت پوری کرنے کا نام نہیں ہے، بل کہ شرعاً نکاح کی ایک خاص فضیلت ہے، نکاح سے سکون اور اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے، نکاح نیک صالح اولاد کا ذریعہ ہے، اور انسان کی زندگی کا سرمایہ نیک اولاد ہے، اس لیے کہ نیک اولاد دنیا اور آخرت میں کام آتی ہے، مگر ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے شرعی قانون پر عمل کرنا ضروری ہے، علماء فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کی ملاقات سے حمل ٹھہرے اور اس دن کی فجر کی نماز قضا ہو جائے، تو اولاد بھی نافرمان پیدا ہوتی ہے، اسی طرح نکاح بھی اللہ کے فرمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق کیا جاوے، تو اس سے نکاح کا اصل مقصد پورا ہوتا ہے، ولیمہ کرنا سنت ہے، میاں بیوی کی ملاقات کے بعد جو کھانا کھلایا جاتا ہے اس کو ولیمہ کہتے ہیں، یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے کا ذریعہ ہے، تو ایسے نکاح سے خیر اور برکت کی امید کس طرح رکھی جا سکتی ہے!

(مظاہر حق)

ولیمہ اپنی حیثیت کے مطابق کیا جائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے نکاح میں جو ولیمہ کیا تھا، ایسا ولیمہ دوسری کوئی زوجہ کے نکاح میں نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا، اور ام سلیم رضی اللہ عنہا نے میٹھی چیز بنا کر بھیجی تھی۔

عن انس رضی الله عنه قال : " ما اولم رسول الله صلی الله علیه وسلم علی احد من نسائه ما اولمَ علی زینب اولمَ بشاة ". (مشکوۃ المصابیح :۲۷۸)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں کھجور، پنیر اور گھی کھلایا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ جو سے کرایا، حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا، تو آپ نے فرمایا کہ ولیمہ کرو! چاہے ایک بکری کا ہو، اس وقت غربت تھی، حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی مالی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی، تو بھی آپ نے فرمایا کہ چاہے زیادہ خرچ ہو تو بھی ولیمہ کرو! (مشکوۃ المصابیح:۲۷۸)

لہٰذا اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کا کھانا کھلانا چاہیے یہ سنت ہوگا، ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کو فضول خرچی (کمرے کی زینت اور قیمتی کپڑے بنانے میں ہوتی ہے) اس سے روکا جاوے، اور قرآن حکیم میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، اور فضول خرچی کرنے والے کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾

نکاح اور ولیمہ میں ایک فضول خرچی یہ بھی کی جاتی ہے کہ قیمتی دعوت نامے چھپوائے جاتے ہیں، اس دعوت نامہ میں بسم اللہ بھی ہوتی ہے، لوگ پڑھ کر پھینک دیتے ہیں، اس سے بے عزتی اور بے حرمتی ہوتی ہے، ہر ایک کو دعوت دینے کے لیے پہنچنا مشکل ہوتا ہے، تو سادہ کاغذ پر لکھ دیا جاوے تو بھی کافی ہے، ورنہ دعوت نامہ چھپوانے کا فضول خرچ اور دوسرے کئی گناہ بے حرمتی کی بنا پر ہونگے، اور اس گناہ میں کئی لوگ شریک ہوں گے۔ فقط

والله اعلم بالصواب

(۱۶۶۰) نکاح کی دعوت میں عقیقہ کا کھانا کھلانا:

سوال: ایک شخص نکاح کی دعوت میں عقیقہ بھی کرنا چاہتا ہے، اور شادی کے وقت لوگ ویوار (نیوتا)

دیتے ہیں، اگر کسی کو دعوت دے اور رویوار نہ دے تو لوگ برا سمجھتے ہیں، اور دینے والا بھی اس کو ضروری سمجھتا ہے، تو ایسی صورت میں عقیقہ کا گوشت نکاح کی دعوت میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: عام طور پر رواج ہے کہ شادی وغیرہ کے موقع پر روپئے وغیرہ ہدیہ کے طور پر دیئے جاتے ہیں، تو دینے والے کے وہاں جب کوئی موقع ہوتو دی ہوئی رقم یا اس سے زیادہ رقم دی جاتی ہے، تو یہ آپس کا معاملہ ہے، اس میں عقیقہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا عقیقہ کے گوشت کو نکاح کی دعوت میں استعمال کرنا درست ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۷۹/۵/۱۴ء

(۱۶۶۱) ولیمہ کون کرائے؟

سوال: دعوت ولیمہ لڑکے والوں کی طرف سے سنت ہے یا لڑکی والوں کی طرف سے؟

جواب: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زردی کا نشان دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشان کا سبب دریافت فرمایا، تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جواب دیا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کرلیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دے کر فرمایا کہ ولیمہ کرو! اگر چہ ایک بکری کے ذریعے ہو۔

عن انس: " ان النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن ابن عوف اثر صفرة فقال ما هذا ؟ قال اني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب قال بارك الله لك أولِم ولو بشاة ''. (مشكوة المصابيح :۲۷۸)

لہٰذا معلوم ہوا کہ لڑکے کو ولیمہ کرنا سنت ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

نکاح کے متفرق مسائل

(۱۶۶۲) حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخہ کے ساتھ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے ساتھ نکاح ؟

سوال: حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخہ کا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا نکاح بلقیس سے ہوا تھا، قرآن مجید یا حدیث نبوی میں اس کی صراحت نہیں ہے، تو اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخہ کے ساتھ ،اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا نکاح بلقیس کے ساتھ ہوا تھا، اس کا ثبوت نہیں ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے، بل کہ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ہے، ''احوال الانبیاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بارہ سال قید خانہ میں صبر کیا، جس کی بنا پر آپ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے ۱۲ ر نعمتیں ملیں، جن میں سے ایک یہ کہ زلیخہ آپ کے نکاح میں آئیں۔ (احوال الانبیاء:۱/۳۹۹)

مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''تفسیر حقانی'' میں لکھا ہے کہ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخہ کے ساتھ ہوا، اور اولاد میں دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ (تفسیر حقانی:۱/۲۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے ساتھ نکاح کے ثبوت میں صاحب جلالین ﴿وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾. کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" واراد تزوجها فكره شعر ساقيها فعلمت له الشياطين النورة فازالته بها فتزوجها ".

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس کے پنڈلی کے بال پسند نہ آئے، تو جناتوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نورہ (چونے) کی ترکیب بتائی، جس سے بلقیس نے بالوں کو دور کیا، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ

السلام نے بلقیس کے ساتھ نکاح کیا۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۶۳) تعویذ کے ذریعے نکاح کے لیے راضی کرانا:

سوال: میرے ایک دوست کو ایک لڑکی پسند ہے، اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، لیکن گھر والے منع کرتے ہیں اور لڑکی بھی انکار کرتی ہے، تو ایک عامل کو اس نے یہ بات بتلائی، اس کے جواب میں عامل نے بتایا کہ میں ایک تعویذ دیتا ہوں، جس سے اس لڑکی کے ساتھ تیرا نکاح ہو جائے گا، اور سب رشتہ دار بھی تیار ہو جائیں گے، تو اس طرح تعویذ بنا کر نکاح کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟ کیا یہ گناہ ہے؟

جواب: لڑکی کے والدین اور لڑکی بھی نکاح کے لیے رضا مند نہیں ہے، تو تعویذ کے زور سے نکاح کے لیے مجبور کرنا یا کوئی عمل کرنا جائز نہیں، اپنے فائدہ کے لئے دوسروں کو پریشان کرنا شرعاً جائز نہیں۔ (امداد الفتاوی: ۴/ ۸۷)

اور اس طرح زبردستی نکاح کرنے سے بعد میں اختلاف اور جھگڑا ہونے کا پورا احتمال ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۸/ ۴/ ۱۹۷۳ء

(۱۶۶۴) دوسرے مرد کے ساتھ بھاگی ہوئی بیوی کو رکھنا:

سوال: ایک عورت اپنے مکان سے پیسے اور کپڑے لے کر بھاگ گئی، طویل عرصہ کے بعد یہ واپس آگئی، تو اس کو رکھنا چاہیے یا نہیں، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: شرعی طور پر نکاح ہونے کے بعد جب تک شوہر اپنی بیوی کو طلاق نہ دے، وہاں تک وہ نکاح سے نہیں نکلتی، مذکورہ صورت میں شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، تو دوسرے مرد کے ساتھ بھاگ جانے سے نکاح فسخ نہ ہوگا، آنے کے بعد اگر اس کو رکھنا چاہو تو رکھ سکتے ہو، اس لیے کہ اب

بھی وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ”گناہ کے بعد سچے دل سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے کہ جیسے گناہ کیا ہی نہیں“ لہٰذا عورت اپنے اس فعل شنیع پر سچے دل سے توبہ کرلے، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردے گا، اور دوبارہ آپ اس عورت کو رکھیں گے، تو گنہگار نہ ہوں گے، دوسرے مرد کے ساتھ چلی جانے کی بنا پر اگر طلاق دینا چاہیں تو مباح ہے۔

”اذا تزوج منکوحة شخص وطیها یتوهم انه مات زوجها بعد ذلک ظهر انه حی یجب العدة مع بقاء النکاح الاول“. (حاشیه هدایة : ۲/۳۲۵) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۴/۴/ ۱۹۸۰ء

(۱۶۶۵) چھوٹی عمر میں نکاح کرنے سے روکنے کے لیے کمیٹی کا قانون:

سوال: ہماری قوم میں دن بدن ازدواجی زندگی میں لڑائی جھگڑے اور طلاق کے معاملات بڑھتے جارہے ہیں، ان تمام چیزوں کی بنیاد چھوٹی عمر میں نکاح کرنا ہے، تو چھوٹی عمر میں نکاح کرنے سے روکنے کے لیے گاؤں کی کمیٹی باقاعدہ قانون بناسکتی ہے؟ شریعت میں گنجائش ہے؟ اگر گنجائش نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ مناسب رہنمائی فرمائیں!

جواب: شریعت نے نکاح کے لیے کوئی عمر متعین نہیں کی ہے، گاؤں کی کمیٹی کا لوگوں کو چھوٹی عمر میں نکاح نہ کرنے دینا اور روکنا جائز نہیں، طلاق دینا بہت ناپسندیدہ چیز ہے، سخت مجبوری میں اور میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نہ ہو، تو طلاق دینے کی گنجائش ہے، مگر لوگ معمولی بات میں طلاق نہ دیں، اس کے لیے کوشش کرکے ماحول بنانا چاہیے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۶۶)اسلام میں عورت کا مقام:

سوال: ایک غیر مسلم تاجر ملاقات کے لیے آیا، اس نے کہا کہ اسلام میں عورت کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی، اور پیغمبر صاحب کے ظلم کے مخالف ہونے کے باوجود اسلام میں جانوروں کو قتل کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: اسلامی تاریخ کو توجہ سے پڑھا جاوے، تو روز روشن کی طرح حقیقت سامنے آجائے گی کہ اسلام نے عورت کو جتنی اہمیت اور عزت دی ہے اور کسی مذہب نے نہیں دی، اسلام سے قبل عورت اپنے حقوق سے بالکل محروم تھیں، فرانس میں یہ خیال تھا کہ عورت آدھا انسان ہے، جس کی بنا پر خاندان میں عورتیں برائیوں کا ذریعہ بنتی ہیں، چین میں خیال تھا کہ عورت میں شیطان کی روح ہوتی ہے، جو برائیوں کی طرف لے جاتی ہے، جاپان میں یہ خیال تھا کہ عورت ناپاک پیدا کی گئی ہے، نصاریٰ عورتوں کو اللہ کی معرفت سے روکنے والی سمجھتے تھے، ہندوؤں میں اگر کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو اس پر مرجانے کی (ستی ہونے کی) رسم تھی، اگر اس طرح نہ بھی کرتے تو عورت کو حقیر سمجھتے تھے، اسلام سے قبل کسی عرب کے وہاں لڑکی پیدا ہوتی تو زمین میں زندہ دفن کر دیتے، لڑکی کے رونے اور اس کی آواز پر ان کو رحم نہیں آتا تھا، یہودی حیض کی حالت میں بات بھی نہیں کرتے تھے، اور الگ ایک اندھیری کوٹھری میں ڈھکیل دیتے تھے، شوہر کے مرنے کے بعد خود نکاح کر لیتے، یا جہاں چاہے نکاح کر دیتے، اور مہر خود لے لیتے یا عورت کو تنہا چھوڑ دیتے، مگر اسلام نے ان تمام خرابیوں کو رد کر کے حقیقی عزت عطا کی، میراث میں شریک بنایا، اس کی گواہی قبول کی، البتہ اسلام نے بغیر پردہ گھومنے اور لوگوں کی بدنظری سے ضرور روکا ہے، حیا اور شرم عورت کی زینت بتایا، شوہر کے مرنے کے بعد اس کے مال میں عورت کو بھی وارث بنایا۔

قرآن حکیم میں ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ . (سوره البقره : ۱۸۷)

’’عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں، اور تم عورتوں کے لیے لباس ہو۔‘‘

لباس کے ساتھ مشابہت میں دو حکمتیں ہیں:

(۱) لباس انسان کی زینت ہے، عیب پوشیدہ رہتا ہے، سردی گرمی سے حفاظت رہتی ہے، عورت سے اطمینان اور سکون ملتا ہے، اور گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۲) لباس انسان کے بدن سے بالکل قریب بل کہ متصل ہوتا ہے، نکاح سے دونوں اتنے قریب آجاتے ہیں جتنا لباس قریب ہوتا ہے، بل کہ ساتھ میں کھانا، پینا، بیٹھنا، یہاں تک کہ جماع کو عبادت بتلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر نبی ہیں، بیوی کے گرمی حاصل کرنے کے لیے آگ لینے گئے، تو اس فعل کو عبادت کہہ کر قرآن نے بیان کیا:

﴿قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّىْ اٰنَسْتُ نَاراً لَّعَلِّىْ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْجَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴾ . (سورہ طه)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہل سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے، شاید تمہارے پاس وہاں سے راستہ کی کچھ خبر لے آؤں، یا آگ لے آؤں، جس سے تم گرمی حاصل کرسکو، لہٰذا عورت کو حقیقی عزت اسلام نے ہی دی ہے، ’’اہمیت نہیں دی‘‘ اس طرح کہنا بالکل غلط ہے۔

جانور قتل کیوں کیے جاتے ہیں؟ یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ نے انسان کے فائدہ کے لیے بنائی ہے، سورج، چاند، دریا، درخت، اور جانور انسان کے فائدے کے لیے ہیں، ان کی کھال، انتڑیاں، سینگ، دانت وغیرہ، کیا سبزی جاندار نہیں ہے؟ اس کو کیوں کاٹتے ہیں؟ کھٹمل، پسو، وغیرہ کیوں مارتے ہیں؟ آج اس سے بھی زیادہ انسان کا قتل نہیں ہوتا؟ اللہ کے اصول میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں، اس کے تمام کام پُر حکمت ہیں۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱٦٦۷) نکاح سے قبل لڑکے اور لڑکی کا سیر وتفریح کرنا:

سوال: ایک لڑکا شادی کے لیے ہندوستان سے بیرون ملک برطانیہ جارہا ہے، لڑکے کو شادی کے لیے لڑکی والے بلارہے ہیں، مگر وہاں کی گورنمنٹ ویزا دینے کے لیے اس قسم کا عذر بتاتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کا شادی سے پہلے تعارف نہیں ہے، ایک دوسرے سے ملاقات نہیں ہے، آپس میں ملاقات اور سیر وتفریح کا تعلق نہیں ہے، لہٰذا ایسے حالات میں ہم ویزا نہیں دے سکتے، تو کیا شرعاً نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی کا آپس میں ایک دوسرے کا تعارف اور سیر وتفریح جائز ہے؟

جواب: غیر محرم عورت کو بغیر عذرِ شرعی کے دیکھنا جائز نہیں، سخت گناہ ہے، نکاح کی ضرورت کی بنا پر میاں بیوی کی زندگی اچھے طریقہ سے گذر سکے اس لیے نکاح کے پیغام سے پہلے لڑکا لڑکی کو دیکھ لے، اس کی شریعت نے اجازت دی ہے، اور علماء نے یہ دیکھنا مباح اور مستحب کہا ہے، وہ بھی صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھنے کی اجازت دی ہے، پورے بدن کو دیکھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ (نووی:۱/۴۵٦)

ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود کو اپنی زوجیت میں لینے کو کہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اوپر کے حصہ کو دیکھ کر اپنی گردن جھکا لی۔ (بخاری شریف:۲/۷٦۸)

اس سے ثابت ہوا کہ صرف چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے، مگر نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی کا ملنا اور ساتھ تفریح کرنا، اور ایک دوسرے کے تعارف میں آنا شرعاً جائز نہیں، جو لوگ نکاح سے پہلے اپنی لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ سیر وتفریح کی اجازت دیتے ہیں، وہ شرعاً دیوث شمار ہوتے ہیں۔ (عمدۃ الرعایہ)

شریعت میں متعین کیے ہوئے اصول اور حدود کو تجاوز کرنے والے کے لیے دوزخ کا عذاب اور سخت وعید اللہ نے بیان فرمائی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

''جو کوئی اللہ اور رسول اللہ کی نافرمانی کرے اور حدود کو تجاوز کر جاوے، تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی آگ میں ڈالیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔'' (سورۃ النساء:۱۴)

" وفيه استحباب النظر الى وجه من يريد تزوجها وهو مذهبنا ومذهب مالک وابی حنيفة . وسائرالكوفيين واحمد وجماهير العلماء . ثم انما يباح له النظر الى وجهها وكفيها فقط لانهما ليس بعورة والجمهور انه لا يشترط فی جواز هذا النظر رضاها بل له ذلک فی غفلتها . قال اصحابنا يستحب ان يكون نظره اليهما قبل الخطبة " . (شرح نووی علی مسلم : ۱/۴۵۶ ، باب ندب من اراد النكاح امرأة الى ان ينظر الى وجهها وكفيها قبل خطبتها)

" ان امرأة جاء ت رسولَ الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله جئت لاهبَ لک نفسی فنظر اليها رسول الله فصعَّد النظر اليها وصوَّبه ثم طأطأ رأسه" . (الصحيح للبخاری : ۲/۷۶۸ ، باب النظر الى امرأة قبل التزويج)

" هو الذی يری مع امرأته او محرمه رجلا فيدعه خاليا بها " .

(عمدة الرعايه : ۲/۷۰ ۲) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱۹۸۲/۸/۲۶ء

(۱۶۶۸) مطلقہ مغلظہ کو بغیر حلالہ کے رکھنے والے مرد کے ساتھ تعلق نہ رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کر کے بغیر حلالہ کے ساتھ رہتا ہے، گاؤں کے لوگوں نے اس کو جماعت سے باہر کر دیا ہے، مطلقہ عورت کی بہن میرے نکاح میں ہے، کبھی میری بیوی اپنی ماں کی ملاقات کے لیے جاتی ہے، تو گاؤں کے لوگ مجھے کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کو منع کر دے، بل کہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے گھر کا کھانا بھی تمہارے لیے حرام ہے، تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: تین طلاق چاہے ایک ساتھ دی ہو یا الگ الگ کر کے دی ہو، تین طلاق واقع ہوجاتی

ہیں، تمام صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کا یہی فیصلہ ہے اگر کوئی اس کے خلاف فتویٰ دے تو صحیح نہ ہوگا۔

(شامی:۲/۵۷۶)

جس شخص نے تین طلاق دی اور اہل حدیث سے فتوی لیا اور بغیر حلالہ کے عورت کو رکھتا ہے، یہ سخت گناہ گار ہے، اس کے اس فعل کی بنا پر جب تک شرعی حلالہ نہ کرے تب تک اس کو جماعت سے باہر کردیا جاوے، اور کوئی تعلق نہ رکھا جاوے۔ (کفایت المفتی:۲/۱۶۵)

جولوگ اس کام میں مدد کرتے ہیں وہ بھی سخت گناہ گار ہیں، قرآن اور حدیث میں ہے کہ نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور ظلم کے کاموں میں کسی کی مدد نہ کرو۔ تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے اپنے شوہر کے ساتھ جو عورت رہتی ہے، اس کی بہن اپنی ماں کے ساتھ کبھی ملاقات کے لیے جاوے، لیکن زیادہ میل ملاپ نہ رکھے، اپنی ناراضگی کا اظہار کرتی رہے تو درست ہے، اگر آپ کے خسر کی کمائی حلال طریقہ کی ہو، تو ان کے گھر پر کھانا کھانا حرام تو نہیں، مگر بغیر حلالہ کے اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ رہنے دینے کی بنا پر سخت گناہ گار اور زنا کے کام میں مدد کرنے والے کے برابر ہے، لہٰذا بطور عبرت نہ کھانا چاہیے، ہم روزانہ دعائے قنوت میں پڑھتے ہیں: ''ونخلع ونترک من یفجرک''.

''اے اللہ! تیری نافرمانی کرنے والے کو ہم الگ کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔''

'' والبدعی منسوب الی البدعة والمراد بها هنا المحرمة لتصریحهم بعصیانه . بحر . قوله ثلاث متفرقة وکذا بکلمة واحدة بالاولی ...... وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث'' .

(رد المحتار : ۲/۵۷۶)

'' وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال ومن هذا قلنا لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه لانه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف'' .

(رد المحتار : ۲/۵۷۷)

﴿ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ﴾ . (سورة بنی اسرائیل: ٦٤)

قال فی تفسیر هذه الا یة : " (والاولاد) من الزنا ومثله لو طلق الرجل المرأة ثلاثا واتی منها بالاولاد فان الشیطان شریک فیهم " .

(التفسیر الکبیر للرازی ٢/ ٣٠١) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(١٦٦٩) بیرون ملک جانے کے لیے نکاح کی تصویریں نکالنا:

سوال: ایک لڑکے کی منگنی بیرون ملک (کینیڈا) میں ایک لڑکی کے ساتھ ہوئی، تو اس منگنی کی رسم چند دنوں کے بعد رکھی گئی ہے، جس میں لڑکے اور لڑکی والے ویڈیو کیسٹ کرنے کو کہتے ہیں، جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ کینیڈا جانے کے لیے یہ ویڈیو کیسٹ سب سے بڑی دلیل (proof) ہے، کیوں کہ ویزا کے لیے یہ پروف بتانا ضروری ہے، اور یہ تصویریں نکالنا ضروری ہے، تو اس طرح تصویریں نکالنا مجبوری کی صورت میں جائز ہے؟

جواب: بے شک شریعت نے مجبوری اور سخت ضرورت کے وقت ممنوع چیزوں کو مباح کیا ہے، فقہ کا اصول ہے:

" الضرورات تبیح المحظورات " .

مگر مذکورہ صورت مجبوری کے قبیل سے نہیں ہے، کینیڈا ہی میں نکاح کرنا ضروری نہیں، نکاح جیسی اہم عبادت جس کو آدھا ایمان کہا گیا ہے، اور تمام انبیاء کی سنت رہی ہے:

" اربع من سنن المرسلین : النکاح والتعطر والسواک والحیاء ".

(الجامع للترمذی : ١/ ١٢٨)

تو سنت الانبیا اپنانے کے لئے تصویریں نکالنا، نکاح سے پہلے اجنبی لڑکے اور لڑکی کا ملنا، ویڈیو بنانا، جس کو غیر لوگ دیکھتے رہیں گے، نکاح کے لیے ایسے کبیرہ گناہ کرنے کی شریعت میں ہرگز اجازت نہیں۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت ''ام قیس'' کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کیا، تو عورت نے ہجرت کی شرط لگائی تو وہ صحابی مکۃ المکرّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے گئے، اور نکاح ہوا، تو اس صحابی کا نام ''مہاجر ام قیس'' ہوگیا، اس کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کی نیت ہجرت کی ہی تھی، مگر سنتِ نکاح کا ارادہ بھی کرلیا، جس سے ہجرت کے ثواب میں کمی آ گئی، تو دوسرے کے لیے کیا حکم ہوسکتا ہے!

مذکورسوال میں نکاح کے لیے حرام کاموں کا مرتکب ہونا بتلایا، اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ لہٰذا چاہے کینیڈا نہ جاسکے مگر ویڈیو نکالنا اور تصویریں نکالنا اور نکاح نہ ہوا، اس کے باوجود حرام کاموں کو پیش کر کے جھوٹ بولنا جائز نہیں۔

عن ابن مسعود قال : " کان فینا رجل خطب امرأة یقال لها ام قیس فابت ان تزوجه حتی یهاجر . فهاجر فتزوجها قال فکنا نسمیه " مهاجر ام قیس" وفیه اشارة الی انه مع کونه قصد فی ضمن الهجرة سنة عظیمة ابطل ثواب هجرته فکیف یکون غیره ". (مرقاة شرح مشکوة : ۱/۴۰) فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۷۰) برادری کے خوف سے بڑی لڑکی سے پہلے چھوٹی لڑکی کا نکاح نہ کرنا:

سوال: میری دو لڑکیاں ہیں، چھوٹی لڑکی کی منگنی ہوگئی ہے، بڑی لڑکی کے لیے کوشش جاری ہے، چھوٹی لڑکی کی منگنی کو طویل زمانہ گذر گیا ہے اور لڑکے والے نکاح کی جلدی کرتے ہیں، اگر نکاح نہ کرے تو رشتہ ٹوٹنے کا خطرہ ہے، مگر یہ بھی رواج ہے کہ پہلے بڑی لڑکی کا نکاح کیا جاوے، یا دونوں کا ایک ساتھ نکاح کیا جاوے، ورنہ بڑی لڑکی رہ جاتی ہے، تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ . (سورہ النور : ۳۲)

''تم میں جو بغیر نکاح کے ہوا نکے نکاح کرادوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ'' تمہارے پاس ایسے شخص کا پیغام آوے، جس کی دینداری اور اچھے اوصاف تم کو پسند ہوں تو تم ضرور نکاح کرادو! اگر نکاح نہیں کراؤ گے تو دنیا میں فتنے اور بڑے فساد پھیل جائیں گے۔'' (الجامع للترمذی:۱۶۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو! نماز کا وقت آجاوے، جنازہ حاضر ہو، اور بے نکاح عورت کے برابر کا جب مرد مل جاوے تو بالکل دیر نہ کرو!''

مذکورہ آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد بالغ ہو اور مناسب جگہ سے نکاح کا پیغام آوے تو بغیر دیر کیے نکاح کردینا ضروری ہے، اگر نکاح نہ کیا جاوے اور لڑکا اور لڑکی گناہ میں مبتلا ہوجاویں، تو وہ تو گنہگار رہوں گے، مگر باپ بھی گناہ گار رہوگا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' جس کے وہاں اولاد پیدا ہوا اور وہ اس کا اچھا نام رکھے، شریعت کے احکام سکھلائے اور بالغ ہو تو نکاح کرادے، اگر نکاح نہیں کرایا، حالاں کہ باپ نکاح کرانے کی طاقت رکھتا ہو، اور اولاد زنا میں مبتلا ہوئی تو باپ بھی گنہگار رہوگا۔'' (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح:۴۱۹)

لہٰذا برادری کو چھوڑ کر شریعت کے حکم کو مدنظر رکھ کر اس پر عمل کیا جاوے، شریعت نے نکاح کو بہت آسان بنایا ہے، خرچ کم رکھا ہے، بل کہ اس کو بابرکت کہا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو علم اور عمل میں تمام عورتوں سے افضل ہیں، ان کا نکاح کتنی سادگی سے ہوا! حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کو اس طریقہ سے بیان کرتی ہیں کہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہیں تھی، ان کی تربیت کرنے والی عورت آئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے گئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا عقد کردیا، خود فرماتی ہیں کہ مجھے میرے نکاح کی خبر بھی نہ ہوئی، جب میری والدہ نے باہر نکلنے پر

پابندی لگائی تو مجھے اطلاع ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۶ رسال کی عمر میں ہجرت سے تین سال پہلے ۶۲۰ رعیسوی میں ہوا، ۹ رسال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو بھی اتنی سادگی تھی کہ مدینہ منورہ کی کچھ عورتیں دولہن کو لینے کے لیے آئیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے بیٹی کو آواز دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت سہیلیوں کے ساتھ جھولے کے اوپر بیٹھ کر جھولے کھارہی تھی، ماں کی آواز سن کر ہانپتے ہانپتے ماں کے پاس آئیں، ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر لائیں اور ہاتھ منہ دھلا کر بال درست کر کے جہاں مدینہ منورہ کی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں وہاں پہنچا دیا، انہوں نے " **علی الخیر والبرکۃ** " تمہارا آنا مبارک ہو! ان دعاؤں کے ساتھ استقبال کیا۔

صحیح روایت کے بموجب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی دونوں شوال المکرّم میں ہوا، اور فرماتی تھیں کہ مجھ سے زیادہ نصیبہ والی کون ہوگی! نکاح اور رخصتی دونوں سادگی سے ہوا، فضول خرچی، نمائش اور تصنع کسی کا نام ونشان نہ تھا۔

(مسلم شریف: ۱/۴۵۶، سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا از سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ لڑکیوں کا نکاح جلدی نہ کرنے میں بہت نقصان ہے، ایک نقصان یہ ہے کہ ولی کے بارے دل میں نیک خیال نہیں ہوتا، بہت سی مرتبہ لڑکیاں دل دل میں بددعاء کرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی بددعا قبول فرماتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" **اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہ وبین اللہ حجاب** "

(الصحیح للبخاری : ۱/۳۳۱)

" مظلوم کی بددعا سے بچو! اس لیے کہ اس کے قبول ہونے کے لیے کوئی مانع نہیں ہوتا۔ "

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

بترس از آہِ مظلوماں ☆☆ کہ نگام دعا کردن

جابت از درِحق بہر ☆☆ استقبال می آید

لہٰذا برادری کے رسم و رواج اور عورتوں کی باتوں پر توجہ نہ دیتے ہوئے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنے میں ہی فائدہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو کوئی بات فرماتے تو صحابہ دل و جان سے قبول کر کے اس پر عمل کرتے اور فرماتے:

" **طاعة الله ورسوله انفع لنا** " . (سنن ابی داود : ۴۸۲)

''اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہی ہمارا فائدہ ہے۔'' فقط

واللہ اعلم بالصواب

(۱۶۷۱) اجتماعی نکاح اور فضول خرچی:

سوال: گجرات کی حد پر مہاراشٹر میں ''نواپور'' ایک گاؤں ہے، مسلمانوں کے تقریباً ۷۰۰ ر مکان ہیں، گھانچی (تیلی) برادری کے کچھ لوگوں نے اجتماعی نکاح کا انتظام کیا، ۸/۱/۱۹۹۵ء کے دن اجتماعی نکاح ہوا، جس میں تقریباً ۶۰ ر ہزار روپئے کا خرچ کیا، دولہا دولہن کے ولی سے حیثیت کے مطابق پیسے لئے گئے، باقی آپس میں چندہ کیا، اور ۲۵۰۰ ر لوگوں کی دعوت کی تو کیا یہ خرچ کرنا صحیح ہے؟

جواب: مسلمانوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیاں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نکاح میں اسوہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اللہ کے رسول تمہارے لیے نمونہ ہیں، جو آخرت پر اعتماد رکھتے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے طریقہ پر عمل کرنے کا حکم فرمایا، ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دے کر تکلیف دینا پسند نہیں کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر اطلاع ہوئی کہ انہوں نے نکاح کیا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اس طرح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے ارادے سے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات قبول کی اور اس کے بعد ایک دن آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ! ابوبکر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم وغیرہ کو اور بعض صحابہ کا نام لیا کہ ان کو بلاؤ! جب سب آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا خطبہ پڑھا، نکاح کا خطبہ پڑھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خواہش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ام ایمن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہاں رخصت کر دیا۔

(کنز العمال: ۶، مرقاۃ المفاتیح: ۵۷۵/۴)

مذکورہ نکاح میں نہ تو باراتی تھے، نہ کھانا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: ''وہ نکاح بابرکت ہے جس میں خرچ کم ہو''۔ (مشکوۃ)

اجتماعی نکاح کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ کم خرچ میں نکاح کی ضرورت پوری ہو، سوال میں تحریر کردہ صورت کے مطابق ''نواپور'' میں گھانچی برادری میں اجتماعی نکاح ہوا، جس میں ۶۰ رہزار روپئے کا خرچ کیا گیا، ۲۵۰۰ رلوگوں کی دعوت کی گئی، ایک میدان میں مرد اور دوسری طرف عورتوں کا اجتماع یہ بہت افسوس کی بات ہے، اللہ کے غضب اور تباہی کی علامت ہے، ایسا کام کرنے والا اور کرانے والا ہر ایک گنہگار رہتا ہے، ایسی حالت میں بجائے فائدہ کے نقصان، اور عزت کے بجائے بے عزتی اور بے حیائی ہوتی ہے، ایسے کاموں سے بچنا ضروری ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

۱/۴/ ۱۹۹۵ء

(۱۶۷۲) لڑکی والے حقیر اور لڑکے والے عزت دار کہلائے جاتے ہیں:

سوال: (۱) اسلام میں لڑکی والے کم درجہ کے اور لڑکے والے بلند درجے کے ہوں، ایسا کوئی فرق ہے؟ (۲) طلاق کی دھمکی دے کر قصور نہ ہونے کے باوجود شوہر بیوی کے رشتہ داروں سے جبراً تحریری معافی طلب کرسکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں!

جواب: قرآن حکیم میں ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾ . (سورہ نساء)
یعنی ”مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی انتظام کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ کوئی حاکم مقرر کیا جاوے، جس سے اختلاف کے وقت اس کے فیصلہ پر عمل کیا جاسکے، اسی طرح گھر کے انتظامات کی حفاظت کے لیے بھی امیر کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورتوں پر حاکم ہونے کی فضیلت دی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ علم اور عمل کی طاقت جو تمام کمالات کی اصل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے مردوں کو جو عورتوں پر فوقیت دی ہے، یہ حکم اور ظلم کے لیے نہیں بل کہ علم اور عمل کی وجہ سے ہے۔
(معارف القرآن: ۲/۳۹۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کا شوہر پر یہ حق ہے کہ جب کھاوے تو ان کو کھلاوے، جو خود پہنے وہ ان کو پہناوے، اس کے منہ پر نہ مارے، اس کو برا نہ کہے، گھر سے غصہ میں نہ نکالے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مرد اپنی عورتوں کو مارتے ہیں وہ اچھے نہیں۔ (سنن ابی داؤد)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔ (سورہ النساء)

مذکورہ آیتیں اور حدیث سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو ناحق ستانا، ظلم کرنا سخت گناہ کا کام ہے۔

لڑکے والے اعلیٰ درجے کے اور لڑکی والے ادنیٰ درجہ کے، یہ عقیدہ بالکل غلط ہے، نکاح کی بنا پر مرد اور عورت ہر ایک کے دوسرے پر حقوق لازم ہوتے ہیں، گناہ کی معافی کے لیے سچے دل سے توبہ کر لینا کافی ہے، لہٰذا مرد اور عورت اور ان کے ولیوں کو اپنی اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہیے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرنا چاہیے، قرآن حکیم میں ہے کہ جو کوئی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا، اور ان کے حدود سے تجاوز کرے گا، تو اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اس میں ہمیشہ رہے گا۔ (سورۃ النساء) فقط

واللہ اعلم بالصواب

۲۸ / شعبان المعظم / ۱۴۰۳ھ ۱۱ / جون / ۱۹۸۳ء